Late Fine Ordinary books **25 p.** per day, Text Book **Re. 1/-** per day, Over night book **Re. 1/-** per day.

باسمہٖ سبحانہٗ

سیاسیات

از

محمد اجمل خان۔ بی۔ اے۔ (علیگ)

مصنف مقدمۂ فلسفہ۔ ارسطاطالیس وغیرہ

۱۹۲۴ء

۸۳۴

فنی دواخانہ پریس الہ آباد میں باہتمام منشی حامد حسین صاحب چھپا

اور

محمد اجمل خانصاحب نے چھپوا کر شائع کیا

۵۰۰ جلد ۱۰/

التماس

یہ کتاب سلسلۂ علوم
و فنون کا پہلا نمبر ہے - مؤلف ہٰذا کی دوسری کتابیں
جنمیں فلسفہ کی مکمل تاریخ ہوگی انشاء اللہ چھ جلدوں میں آئندہ شائع ہونگی - انمیں سے
دو کتابیں یعنی "مقدمۂ فلسفہ" اور "ارسطاطالیس" زیر طبع ہیں اسکے علاوہ دوسری
علمی و ادبی کتابوں کی ترقی کا کوشش کیجا رہی ہے - چونکہ مصنفین و مترجمین بجائے
انفرادی کوششوں کے ایک دوسرے کے مشورہ اور رائے سے زیادہ فایدہ
اٹھا سکتے ہیں اور انکی ذاتی قابلیت اس "حلقہ مصنفین" سے ملکر کام کرنے میں
علم و ادب کے لئے زیادہ کارآمد ہوسکتی ہے - اس لئے امید ہے کہ صاحبان
ذوق ذیل کے پتے سے مفصل معلومات کے لئے خط و کتابت فرمائیں گے -

ناظم قومی دارالاشاعت - سرائے گڈھا
الہ آباد

اس کتاب کو مندرجہ ذیل پتہ سے طلب فرمائیے -

ناظم - قومی دارالاشاعت - سرائے گڈھا - الہ آباد - قیمت فی جلد عار

(۷۸۶)

دیباچہ

الحمدُ للہ کہ ملک میں روز بروز علمی و ادبی کتابوں کی طرف رغبت اور مہمل افسانوں اور بے سود مضامین سے نفرت شروع ہو گئی ہے۔ ملک و ملت کو جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد اور جامعۂ ملیہ علیگڈھ کا ممنون ہونا چاہئے۔ کہ ان دونوں یونیورسٹیوں نے حقیقی معنوں میں علم و فن کی ترویج کا بہترین طریقہ اختیار کیا ہے یعنی ہندوستانیوں کو انکی مادری زبان میں تعلیم دینے کی کوشش مسعود شروع کر دی ہے۔

ہندوستان میں گو سیاسی دلچسپی حیرت انگیز ترقی پر ہے لیکن علمی اعتبار سے سیاسیات پر ہماری زبان میں موجودہ زمانہ کے لحاظ سے کوئی علمی تصنیف تالیف یا ترجمہ نہ پاکر اور زیادہ تعجب ہوتا ہے۔ مختلف اخبار اور رسالے اگرچہ سیاسی مباحث کو روزانہ ملک کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں لیکن سیاسیات بحیثیت علم کے کوئی جامع کتاب موجود نہیں ہے۔ اس امر کا لحاظ کرکے یہ کتاب لکھی گئی ہے جو غالباً کسی حد تک اس کمی کو پورا کر دیگی۔

اس کتاب کا یہ دعوی نہیں ہے کہ دنیا میں کسی نئے سیاسی نظریہ کو پیش کرے۔ یا ہر ایک سیاسی موضوع پر مفصل بحث کرے۔ بلکہ یہ کوشش کی گئی

ہے کہ اسمین بہترین مدبّرین اور ماہرین سیاست کے خیالات کو باقاعدہ مسلسل و
علمی طریقہ سے جمع کیا جائے - البتہ نہ تو یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے اور نہ کسی ایک
مدبر کے اصول کو مان کر سلسلۂ مضامین قائم کیا گیا ہے - بلکہ تمام مذاہب اور
ملک کے عالمگیر اخوت انسانی کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور جن کتابوں سے امداد لیگئی
ہے انکی مجمل فہرست اس کتاب کے آخر میں درج کر دی گئی ہے - اسکے علاوہ ایک
اور فہرست مشرقی تصانیف کی بھی دی گئی ہے - جن سے مشرقی دنیا کے سیاسی
تخیل کے سمجھنے مین آسانی ہوگی -

بلا شبہ سیاسیات مین کمال حاصل کرنے کے لئے فلسفہ - تاریخ اور معاشیات
کا مطالعہ نہایت ضروری ہے جو اصحاب ان علوم سے دلچسپی نہیں رکھتے اُن کو اس
کتاب کے مطالعہ مین ضرور دقت ہوگی - اس کے علاوہ اس قسم کے علمی مضامین
اُس رنگینی اور چاشنی سخن سے محروم ہین جو ادبی مضامین کا حصہ ہے - لیکن
حتی الامکان تسلسل کلام - اور سلاست زبان - کو قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے
مشکل یہ ہے کہ سیاسیات مین انسانون کی اجتماعی زندگی کے ساتھ ساتھ طبعی
اثرات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے - ظاہر ہے کہ جب صرف انفرادی طور پر
فطرت انسانی کا مطالعہ پیچیدہ ہے تو بحیثیت مجموعی کسی گروہ - جماعت -
یا قوم کی نفسی اور طبعی کیفیتون کا مطالعہ اور اُن سے نتائج اخذ کرنا کتنا پیچیدہ
اور دشوار ہوگا - وضع اصطلاحات جدیدہ کا ان مشکلات پر مزید اضافہ ہے

اور یہ ایسی دقت ہے جسکا اندازہ وہی کرسکتے ہین جو اس کوچہ مین قدم رکھ چکے ہین۔

بہرحال اس کتاب میں جامعیت اور اختصار کے ساتھ سلطنت کے نظریۂ کلی کو پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کو آسان بنانے کے لئے کثرت سے عنوانات قائم کئے گئے ہین اور انگریزی دان اصحاب کے لئے چند خاص سیاسی اصطلاحات کا ترجمہ کتاب کے خاتمہ پر درج کردیا ہے۔

امید ہے۔ کہ ارباب علم اس علمی کوشش کو فیاضانہ نگاہ سے ملاحظہ فرماکر اپنے مفید مشورون سے مستفیض فرمائینگے۔ تاکہ آئندہ اشاعت مین جو سقم رہ گئے ہون۔ اُن کی اصلاح کردیجائے۔ اگر یہ ناچیز کتاب کسی حد تک علم سیاسیات پر روشنی ڈالسکے۔ اور ابناے ملت کے سیاسی مطمح نظر کو وسیع و رفیع کرنے مین معین ہوئی۔ تو اس مین اپنے اس خوشگوار فرض کی ادائیگی اور اپنی محنت وجانکاہی کا خاطر خواہ معاوضہ سمجھونگا۔

محمد اتقی خان

الہ آباد

نومبر ۱۹۲۳ء

فہرست مضامین

باب اول

سیاسیات کی توضیح اور وسعت

۱۸۸۶

تمہید

انسان فطرۃً مدنی الطبع ہے

کسی امر مسلہ کو ثابت کرنے کی ضرورت نہین ہوتی۔ اور اگر ہوتی بھی ہے تو نہایت ہی کم۔ صرف چند بدیہی باتون کا بتا دینا کافی ہوتا ہے۔ بسا اوقات زیادہ دلائل وبراہین کے پیش کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ مسلہ بجاے آسان ہو جانے کے زیادہ پیچیدہ اور دشوار ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار موضوع کو چھوڑ کر فروع پر بحث شروع ہو جاتی ہے۔ مقالات پر کلے پڑھنے کے بعد یہ امر زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اُسنے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ دونون جہان مین کوئی ایسی چیز موجود نہین ہے جو دائرۂ خیال کے باہر ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک لمبی چوڑی کتاب لکہ ماری ہے کہ یہ مسلہ ثابت ہو جائے پیچیدگیان پڑین اور ایسی کہ اب تک لوگ سلجھاتے ہین۔ مگر اصول کو چھوڑ فروع مین آجاتے ہین

لفظ انسان ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بغیر سوسائٹی کے انسان انسان نہین ہو سکتا۔ انسان کے لئے عقل و زبان ہی (جو انسان کے خیالات کو ظاہر کرتی ہین دوسرے مخلوق سے مابہ الامتیاز ہین بغیر مدنی زندگی کے انسان مین زبان کا استعمال شروع نہین ہو سکتا اور نہ وہ کوئی ترقی کرسکتا ہے۔ قوت گویائی کے کام مین لانے کے لئے

اجتماعی زندگی لابدی ہے - یہی وجہ ہے کہ جس قوم کی زبان زیادہ فصیح و بلیغ ہوتی ہے اس قوم کو ماننا پڑتا ہے کہ کسی نہ کسی زمانہ مین یہ ترقی کے عروج پر رہ چکی ہوگی - جو زبان اعلیٰ جذبات و خیالات کا بہتر و آسان طریقہ سے اظہار کر سکے اُسکے بولنے والے ضرور اچھی تہذیب کے بانی ہوتے ہین - اور تہذیب ایک فرد کی تہذیب کو نہین کہتے بلکہ یہ متفقہ قومی جدوجہد کا نتیجہ ہوتی ہے - فرض کیجیے کہ ایک فرد دُنیا مین بغیر مدنی زندگی بسر کئے اپنی دماغی و جسمانی ترقی کرنا چاہتا ہے وہ سوائے جنگلی جانورون کی طرح شکار اور پھلون پر گذارہ کرنے کے اور کوئی خیال ہی نہین کر سکتا سب سے پہلا سوال انسان کے لئے اپنی حفاظت کا پیدا ہوتا ہے - جو بغیر گروہ بندی کے ناممکن ہے اور جون ہی انسانی گروہ بندی قائم ہوئی وہ ترقی کی منزلین طے کرنی شروع کر دیتا ہے -

نہ صرف انسان بلکہ نظام عالم مین شاید بہت کم ایسی مخلوق ہیں جو اپنی جنس کے ساتھ رہ کر زندگی نہ بسر کرتی ہون چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک خاص طور پر اپنی جنس کے ساتھ متحدہ طور سے زندگی بسر کرتی ہون - انسان جو آجکل اتنا متمدن و مہذب بننے کا دعویدار ہے - کیا یہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا یا تمدن و تہذیب مین ترقی و تنزل بھی ہوتا رہتا ہے اس سوال کا جواب بعد مین دیا جائیگا - فی الحال ہمین یہ دیکھنا ہے کہ انسان ابتدائے عالم سے اِس وقت تک کن کن منازل کو طے کرنے کے بعد حقیقی معنون مین انسان کہلانے کا مستحق ہوا ہے -

مقالہ اوّل ۔ سیاسی زندگی کا تاریخی ارتقا

(۱) وحشی فرقہ بندی

فی زمانہ تہذیب وشایستگی مین دُنیا نے بہت ترقی کرلی ہے۔ تاہم دُنیا کے دور دراز ممالک مین بہت سی وحشی اقوام موجود ہین جو نہایت ہی قدیم طرز زندگی بسر کرتی ہین۔ انڈیمن [illegible] جزائر افریقہ کے صحرائن اور امریکہ کے بعض مقامات مین ابتک بہت سی اقوام وحشی حالت مین ہین۔ اُن مین سے بعض ایسی ہین کہ قدرتی [illegible] غارون مین رہتی ہین [illegible] جانورون اور صحرائی پھلون پر گذارہ کرتی ہین۔ بعض [illegible] برتنون کا استعمال نہین جانتین اور سوائے ایک گروہ بندی کے جو محض شکار کی غرض سے متفق ہوکر کام کرتا ہے اور کوئی خاص بنیاد اتفاق نہین ہے ایسے گروہ کو اپنی حفاظت اور بقا کے لئے دوسرون سے جنگ بھی کرنی پڑتی ہے۔ اور چونکہ ایسی حالت مین گذارا [illegible] شکار پر ہوتا ہے اس لئے اگر شکارگاہ کی وسعت کم ہوئی اور ایسے گروہ زیادہ ہوئے تو خوراک حاصل کرنے کے لئے ایک فرقہ دوسرے سے جنگ کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

وحشی قانون

شکار کو تقسیم کرنے کے لئے کسی قانون کا ہونا ضروری ہے۔ بعض انسان زیادہ پھرتیلے ہوتے ہین بعض زیادہ قوی اور ہر انسان کی جسمانی قوتون کے لحاظ سے یہ تقسیم ہوتی ہے۔ غرضکہ اس ابتدائی حالت مین قانون کی ابتدا محض مسئلہ خوراک سے شروع ہوتی ہے جو انسانی زندگی کے لئے پہلا سوال ہے۔ قانون کی پابندی نہایت سختی سے کی جاتی ہے اور قانون شکنی پر معمولاً سزائے موت یا کوئی اور سخت سزا دی جاتی ہے۔ وحشی اقوام مین

قانون صرف ممنوعات کی شکل مین ہوتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ انکا تجربہ ناکمل ہوتا ہے۔
غیر مرئی قوتون کا خیال توہم پرستی پیدا کردیتا ہے۔ اور انپر اگر کوئی مصیبت یا تکلیف
آپڑتی ہے۔ تو اُسے کسی نہ کسی لامعلوم ہستی کی طرف منسوب کرکے اُسکی پرستش شروع
کردی جاتی ہے۔ یا اُسکے خوش کرنے کو نذر و قربانی کی جاتی ہے۔ مثلاً

(الف) دریائے نیل کی طغیانی پر اُن لوگون کی کاشتکاری کا دارومدار تھا جو اُسکے
کنارے آباد تھے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ دریا مین طغیانی نہ آئی۔ کسی شخص نے یہ تجویز پیش
کی۔ دریائے نیل کی حکمران قوت انسانی قربانی چاہتی ہے اور جب تک ایسا نہ ہوگا دریا مین
سیلاب نہ آئیگا۔ توہم پرستی نے مجبور کیا اور ہرسال ایک دوشیزہ لڑکی دریا کے نذر چڑھائی جانے
لگی۔ ساتوین صدی عیسوی مین حضرت عمر فاروق نے اس رسم جہالت کو ممنوع قرار دیا۔

(ب) ایک بلند اور پرانے درخت کے نیچے سے ایک راستہ ہے۔ اتفاق سے جبکہ ایک
شخص اُسکے نیچے سے گزر رہا تھا اُس پر ایک موٹی شاخ گر پڑی جس سے وہ سخت زخمی ہوگیا۔
آئندہ سے وہ راستہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ کیونکہ اُس درخت کی محافظ روح نہین چاہتی کہ
لوگ اُس کے نیچے سے گزرین۔

(ج) کسی مکان کی چھت گر کر اُس کے باشندون کو زخمی کردیتی ہے۔ وہ مکان کسی
جن یا آسیب کا مامن سمجھا جاتا ہے اور آئندہ اُس مکان مین رہنا ممنوع قرار دیدیا جاتا ہے
غرضکہ اسی قسم کی بہت سی ممنوعات جاہل قومون مین غیر مکمل تجربہ کی بناپر رائج ہو کر
قانون بنجاتی ہین۔ اب تک ہندوستان مین خاص خاص دن سفر کے لئے ممنوع ہین

خاص جانورون کے طرز عمل سے اور ایسے ہی توہم آمیز باتون سے شگون لیکر احکام نافذ کیئے جاتے ہین۔

مذہب۔ مذہب اور قانون اُسی وقت رائج ہوتا ہے جب چند افراد کسی نہ کسی طرح اجتماعی زندگی بسر کرنے لگتے ہین۔ علاوہ ایسے قوانین کے جس مین بہت سی باتین ممنوع ہوتی ہین وحشی اقوام مین کسی نہ کسی طرح کا مذہب ضرور پایا جاتا ہے۔ موجودہ مذاہب کی بُنیاد وحشی لوگون مین پڑی اور اگر مذہب کے ارتقائی درجون کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ارتقائے مذہب کے تین بڑے بڑے درجے ہین۔

(الف) انسان سب سے پہلے کسی بیرونی پیکر کی پرستش شروع کرتا ہے۔ زیادہ تر وہی چیزین قابل پرستش قرار دیجاتی ہین جو اُسکے لئے فائدہ مند ہون یا اُس سے زیادہ قوی اور ہیبتناک ہون۔ اول الذکر کی مثال ہندوستان مین گائے اور دریا سے آسانی سے سمجھ مین آ سکتی ہے۔ گائے زراعتی امداد کے علاوہ دودھ جیسی ضروری شئے کثرت سے مہیا کرتی ہے۔ دریا مُلک کو سیراب کرتا ہے اور زراعت مین امداد دیتا ہے۔ غرضکہ یہ دونون چیزین قابل پرستش سمجھی جانے لگتی ہین مگر وہ لوگ جو زراعتی درجہ پر نہین پہنچے اور صرف شکار پر گزارہ کرتے ہین اُنکے لئے مہیب بیرونی قوتین بہ نسبت جانورون اور دریاؤن کے زیادہ قابل تعظیم معلوم ہوتی ہین۔ اُنکے قبیلہ مین جو زیادہ قوی شخص ہوا وہ دیوتا سمجھا جاتا ہے مثلاً یونانیون مین ہرکولیز بین مثال ہے۔ ہندوستان مین تو ایسے انسانون کی جو قابل پرستش ہین ابتدائے زمانہ کے علاوہ اب تک کمی نہین ہے

علاوہ اسکے ناگ دیوتا اور اگنی (یعنی آگ) کو انکی ہیبت ناک صورتون کی وجہ سے ہندوؤن کے بعض فرقے اب تک قابل پرستش سمجھے جاتے ہین۔ عیسائیون نے حضرت عیسیٰ میں الوہیت کی شان دیکھی چونکہ ان سے کئی باتین ایسی ظاہر ہوئین جو عوام کے لیے مافوق الفطرت تھین۔ یہ چند مثالین بتاتی ہین کہ موجودہ زمانہ مین بھی وہی پرانی کیفیت قلب انسانی باقی ہے۔ مگر زیادہ تر شکار پر گزارہ کرنے والا جنگلی انسان طوفان۔ بجلی۔ گرج۔ چاند۔ سورج۔ آگ وغیرہ کی پرستش کرنے لگتا تھا اور بہت سی لامعلوم قوتون کو ہر وقت حاضر و ناظر سمجھتا تھا۔

(ب) ان بیرونی قوتون مین سے ایک قوت کو سب سے قوی سمجھکر انسانی تخیل اُسے ان سب کا فرمانروا مانتی ہے اور بہت سے دیوتاؤن پر ایک بڑا دیوتا بڑی قوت حکمرانی کرتی ہے۔ یہ سب دیوتا آپس مین لڑتے جھگڑتے بھی رہتے ہین اور ان سب کی حالت انسانی زندگی کی حالت سے قطعی ملتی جلتی ہوتی ہے۔ جس طرح انسانون کا ایک بادشاہ ہوتا ہے اسی طرح ان دیوتاؤن کا بھی خدا ہوتا ہے۔ اور معمولی انسانون کی طرح یہ دیوتا بھی بغض و حسد محبت و مسرت سے اثر پذیر ہوتے ہین۔

(ج) تیسرا درجہ اس تخیل سے گزرکر ایک حاضر و ناظر مکمل و قادر قوت کا قائل بنا دیتا ہے جسمین اگرچہ بہت سی انسانی صفات ہوتی ہین مگر وہ ان سب صفات سے بالاتر ہوتا ہے[1] یہ تخیل وحشی اقوام کے بعد کا ہے۔ وہ قومین خدا کو ایک تکلیف پہنچانیوالی۔

---

[1] موجودہ زمانہ مین مذہب کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے اور ترقی پر ہے یعنی فطرت پرستی۔ لوگ خدا کے قائل نہین رہے اہل سائنس کی ترقی اور مشاہدات کی وجہ سے دُنیا کو مجموعۂ اسباب و علل سمجھ کر خدا کو بھول گئے ہین۔ اور بعض خدا کے وجود کو روح فطرت سے تعبیر کرکے اپنے تئین بھی خدا کا جزو سمجھنے لگے ہین غرضکہ اس دور مین نئی مذہبی ریشہ دوانیان ہو رہی ہین۔

ظالم و جابر خون آشام ہستی سمجھتی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ وحشی انسان خدا کو نہایت ہی قوی اور تیز دست مسلح انسان کے مانند ہی سمجھتا ہے۔ اور وہ قوت جو اُسے زیر کرے اور اُس پر غالب ہوکر اسکے شکار کو یا اُسکے ہتھیاروں کو اُس سے چھین سکے وہی خدا ہوسکتی ہے۔ لہذا جب ایک غیر مرئی خدا کے وجود کا خیال آتا ہے تو وہ بھی انہی جذبات سے پُر ہوتا ہے۔

(۲) خاندان۔ وحشی فرقہ بندی سے گزر کر تمدنی ترقی میں دوسرا درجہ خاندان کا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ طوفان نوح سے پہلے ہی خاندانوں کی بنیاد پڑ چکی تھی اور اسکے بعد بھی بہت سی شاخیں خاندانی طرز زندگی پر قائم رہیں اور اب تک ہیں۔ خاندان درمیانی درجہ ہے۔ اسکے پہلے وحشی حالت تھی اور اسکے بعد موجودہ تمدن کی بنیاد پڑی لہذا ضروری ہے کہ خاندانی خصوصیت کا مختصراً بیان کردیا جاوے۔

(الف) بنیاد رشتہ داری بہ ماں کر کسی خاندان سے تعلق رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص اُس خاندان کے مورث اعلیٰ کی اولاد ہے۔ مثلاً عرب میں ہاشم کی اولاد بنی ہاشم اور امیہ کی اولاد بنی امیہ کہلائی۔ مگر وحشی حالت میں رشتہ داری کا مرکز عورت تھی۔ جو حالت قائم نہ رہی اور رفتہ رفتہ عورت کی بجائے مرد مرکز بنگیا اور ایک خاندان کے کل افراد اپنا سلسلہ قرابت کسی خاص مرد سے ملانے لگے۔

(ب) مستقل شادی۔ وحشی حالت میں شادی کا رواج نہ تھا۔ عموماً ہر جوان مرد ہر جوان عورت کا شوہر سمجھا جاتا تھا۔ مسن مرد و عورت باپ اور ماں کے نام سے موسوم کئے جاتے تھے۔

بہت سے فرقون مین تو ان رشتہ داریون کے علاوہ اور کوئی نام (مثلاً بھائی یا چچا یا خالہ وغیرہ) موجود نہ تھے۔ مگر خاندانی حالت مین شادی اس وجہ سے لازمی قرار دی گئی کہ بغیر مستقل شادی کے کوئی مرد یا عورت اپنے آپ کو کسی خاص مرد کی اولاد نہین بتا سکتا تھا جو خاندانی سوسائٹی کے لئے ضروری تھا۔

(ج) پدری اقتدار باپ کو اپنی اولاد پر ہر طرح کا اختیار ہوتا تھا۔ وہ اُن کے جان و مال کا مالک ہوتا تھا۔ اور اُن کو بطور غلامون کے فروخت کر سکتا تھا۔ عورت کا درجہ بہت ہی معمولی سمجھا جاتا تھا۔ یہانتک کہ اس طرز عمل نے ہندوؤن مین عورتون کو ابتک کسی مرد کی ماتحتی مین رہنا ضروری قرار دیا ہے خواہ وہ اسکا بیٹا ہی کیون نہ ہو۔ (مردون کے جسمانی تفوق نے ابتک عورتون کو عام طور پر مردون سے کمتر درجہ پر رہنے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ یورپ مین بخلاف اسکے عورتون کی نام نہاد آزادی اُنکے لئے زیادہ تکلیف دہ اور ذلت آمیز ہے) مورث اعلیٰ اپنے خاندان کے مذہب۔ قانون۔ تجارت کا اپنے قبیلہ مین ذمہ دار ہوتا تھا۔ اور اگر کسی غیر قبیلہ کا شخص ان سب احکام کو ماننے کے لئے تیار ہوتا تھا تو وہ اُس خاندان کا فرد سمجھا جانے لگتا تھا۔ مگر کسی خاندان مین نئے آدمی کو داخل ہونے کے لئے نہایت دشواری ہوتی تھی۔

مندرجہ بالا تین خاندانی خصوصیات ہین۔ جو افغانون کے ملک مین۔ عربون کے شیخ۔ یہودی۔ رومن۔ کلٹک۔ اور اسکاٹلینڈ کی فرقون کے مورثان اعلیٰ مین پورے طور پر پائی جاتی ہین۔ موجودہ سوسائٹی کی بنیاد کسی سلطنت سے جنگی اتحاد رکھنے اور اُس حکومت کے

قوانین کو جس سے ایسا اتحاد پیدا کیا گیا ہو پورے طور پر ماننے پر مبنی ہے۔ مگر خاندانی حالت مین جب تک کہ خون کا تعلق نہ ہو کسی طرح بھی ایک شخص اُس خاندان کا فرد نہین ہو سکتا۔ اگر کوئی غیر شخص کسی خاندان مین چلا جائے تو اول تو وہ داخل ہی نہ کیا جائے گا اور اگر ایسا کیا بھی گیا تو وہ بحیثیت ایک غلام یا خادم کے رکھا جائیگا بخلاف موجودہ سوسائٹی کے جو عموماً اپنی مالی اور فوجی قوت کے بڑھانے کے لئے دوسرے لوگون کو اپنی قوم مین شامل کر لینے مین زیادہ عذر نہین کرتے۔

خاندانی حالت مین ہر شخص اپنے گھر کے بڑے بوڑھے کے علاوہ کسی سے تعلق نہین رکھتا اور نہ کوئی دوسرا خاندان اُس شخص سے کسی امر کے متعلق جواب طلب کر سکتا ہے کیونکہ کسی خاندان کا فرد اپنے مورث یا بزرگ کے علاوہ کسی اور شخص کے زیر حکم نہین ہوتا یہ بزرگ اپنے خاندان کے سردار اور وہ سردار اپنے قبیلہ کے شیخ یا سردار اعظم سے اپنے ماتحت متعلقین کا ذمہ دار اور ان کے اعمال کا ضامن ہوتا ہے۔ اس سوسائٹی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر شخص کو اپنے خاندانی رسم و رواج کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ جسکے خلاف کرنا سخت جرم سمجھا جاتا ہے

اسی سلسلہ مین ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی لازمی ہے۔ عام طور سے یہ بات مانی جاتی ہے کہ سوسائٹی کی ابتدا ایک گھر سے ہوئی جو بڑھتے بڑھتے ایک خاندان ہو گیا اور رفتہ رفتہ اس خاندان سے بہت سے خاندان نمودار ہوئے جنکے اتحاد سے ایک قبیلہ ہو گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے ایک قبیلہ[1] تھا۔ جسمین مختلف انسان جو ایک دوسرے سے کوئی خاص تعلق

---

[1] دیکھو کتاب موسومہ کلانز سکاٹلینڈ مصنفہ مسٹر ان۔ ڈبلیو۔ اسکین۔

نہیں رکھتے تھے۔ اپنی خاص ضروریات کی وجہ سے مجبور ہو کر اجتماعی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ جو رفتہ رفتہ فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ فرقوں سے چھوٹے گھرانے قائم ہوئے جو سوسائٹی کے فرد مانے گئے۔ موجودہ زمانہ میں بجائے خاندان کے ہر شخص بذات خود سوسائٹی کا فرد سمجھا جاتا ہے[۱]۔ یعنی خاندان بھی اب باقی نہیں ہے اور ہر شخص براہ راست حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔

مسٹر اسکین کا قول ہے کہ وحشی انسان جانوروں کے پالنے کی وجہ سے خاندانی حالت میں تبدیل ہو گیا۔ اور زراعت سیکھتے ہی یہ قبیلہ چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

اس چھوٹی سی کتاب میں مفصل طریقہ سے خاندانی سوسائٹی کا موجودہ سیاسی سوسائٹی میں تبدیل ہونے کی داستان کی گنجائش نہیں ہے صرف اشارے اور خاص ارتقائی درجوں کا بتا دینا کافی ہے۔

ابتدائی تمدن کو دو چیزوں نے نہایت سرعت کے ساتھ ترقی دی۔ ان ہی دو باتوں کی بدولت وحشیانہ اور غیر مستقل زندگی کو چھوڑ کر کسی قدر مہذب اور مستقل مدنیت شروع ہوئی۔ اصل یہ ہے کہ تمدن و تہذیب۔ تجارت و صنعت۔ غرضکہ کل انسانی سلسلے مندرجہ ذیل اصول کی فروع ہیں۔

(الف) جانوروں کا سدھانا اور پالنا۔

(ب) زراعت۔

۱؎ لفظ خاندان یا خاندانی اس سلسلہ مضمون میں خاص معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی خصوصیات بتائی جا چکی ہیں۔

جانورونکا پالنا

(الف) مسئلہ خوراک ابتدائے عالم سے اب تک ضروری رہا ہے اور آئندہ بھی رہیگا۔ یہ معمولی اور کھلی ہوئی بات ہے کہ غور فکر سے کام لیا جاوے۔ تو کل دنیاوی پیچیدگیون کی گتھی اُسی وقت سلجھ سکتی ہے اور انسان فرشتہ بن سکتا ہے جب اس مسئلہ کا حل ہو جائے زندگی کی جد وجہد۔ تجارت وزراعت۔ جنگ وصلح کی وجہ یہی مسئلہ ہے۔ وحشی انسان کو یا تو جنگلون سے پھل وغیرہ دستیاب ہو سکتے تھے۔ یا جانورون کا گوشت۔ پھلون کا زیادہ بھروسہ نہین ہو سکتا تھا۔ چونکہ بعض فصلون مین لازمی طور پر پھل نہین مل سکتے تھے۔ یا بعض ممالک خشک اور بنجر ہونے کی وجہ سے زیادہ عرصہ تک انسانی آبادی کو پھل مہیا نہ کر سکتے تھے خوراک کا ذخیرہ مہیا کرنے کے لئے وحشی انسان کو ایسی چیز کی ضرورت ہوئی جو ضرورت کے وقت کام دے۔ سڑے اور خراب بھی نہ ہو۔ اسکا سب سے آسان طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ جانورون کو سدھا کر پالنے کی کوشش کی جاوے۔ تاکہ خوراک کے زندہ گودام (جانور) حسب ضرورت استعمال کئے جا سکین۔ پالتو جانورون کی کثرت سے وحشی انسان کو محنت کی قدر معلوم ہوئی اور دنیا کے سب سے بڑے اور غیر فطرتی اصول یعنی غلامی کی بنا اسی وقت سے پڑی۔ جانور تو غلام بنائے ہی گئے اور غالباً آئندہ بھی بنے رہین گے۔ مگر اس کے ساتھ ہی انسان انسان کا غلام بنایا جانے لگا۔ جس شخص کے قبضہ مین زیادہ عورتین بچے اور مرد ہوتے تھے وہی زیادہ کثرت سے جانور پال سکتا تھا۔ عورت کی حیثیت وحشی حالت مین اگرچہ اتنی کم نہ تھی مگر جانور پالنا اور عورت کا درجہ کم ہونا ایک ہی وقت مین شروع ہوا۔ ہر شخص اپنے بچون کو اپنی ملک سمجھنے اور عورتون کو اس لئے کہ کثرت سے اولاد کا مالک ہو حاصل کرنے کی کوشش

کرنے لگا۔ موجودہ مزدوری پیشہ و سرمایہ داروں کے قضیہ کی بنیاد بھی اسی زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ جانوروں کے پالنے کی وجہ سے معاشیات کا اصول راس المال اور منافع اُن کے ذہن نشین ہو گیا۔ اور سوسائٹی میں امیر غریب۔ مزدوری پیشہ جماعتیں بن گئیں۔

زراعت۔ (ب) زراعت کی ابتدا نامعلوم ہے۔ مگر اتنا کہا جا سکتا ہے۔ کہ جانوروں کے سدھانے کے بعد اس کی بنیاد پڑی۔ ابتدا میں شکار اور پھلوں کے علاوہ وحشی انسان کا گزارہ کسی اور چیز پر نہ تھا اور جب تک مستقل طور سے کسی آبادی کو قائم کر کے زندگی بسر نہ کی جاوے زراعت کا وجود ہی ناممکن ہے۔ زراعت کی وجہ سے انسانی مستقل آبادی قصبوں اور گاؤں کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اور جب معدنیات کا وجود انسانی کاروبار میں مدد دینے لگا۔ اور اصول مبادلہ پر تجارت کی بنیاد پڑی۔ اور حرفتیں اور صنعتیں خاص خاص فرقوں کے ہاتھ میں خصوصیت سے آ گئیں تو بازار بنا اور مستقل قصبہ اور شہر پیدا ہو گئے۔

نوٹ سلہ ہر عنوان پر مفصل مضامین کی ضرورت ہے۔ جو بلحاظ طول قلم انداز کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کی سوسائٹی کے قانون اور مذہب کا نشو و نما بھی اسی ضمن میں آ جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ ایسی سوسائٹی میں مذہب عموماً بزرگوں کی پرستش پر مبنی ہوتا ہے ہر قبیلہ و فرقہ۔ حتیٰ کہ ہر گھر کا دیوتا یا بت الگ ہوتا ہے۔ دوسرے قبیلہ والے اُسے نہیں پوج سکتے۔ علاوہ ازیں مذہبی پرستش نہایت خفیہ اور راز میں رکھی جاتی ہے دوسروں کو اس پرستش میں شاذ و نادر داخل کیا جاتا ہے۔

ایسے قبیلوں میں عام طور سے خاص قانونی اصول نہیں ہوتے۔ مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سوسائٹی اعلیٰ سردار کے احکام کی پابندی جو رسم و رواج پر مبنی ہوتے تھے نہایت سختی سے ملنے جاتے تھے۔ اور رسم شکنی و جرم مترادف الفاظ تھے۔

مقالہ دوم - سیاسیات علم ہے یا فن

علم - علوم متعدد ہین مثلاً علم کیمیا - علم طبیعات - علم نجوم - علم ریاضی وغیرہ

ہر علم کا ایک خاص حلقہ ہوتا ہے اور اس حلقہ کی حد سے باہر اسکا عمل نہین ہوتا - باقی چیزین دوسرے علوم سے متعلق ہوتی ہین - مثلاً علم نجوم صرف اجرام فلکی سے تعلق رکھتا ہے اور علم الابدان کا حلقہ جسمون کی حالت و کیفیت تک محدود ہے قس علی ہذا -

لہذا ہر ایک علم[1] اشیائے عالم کی کسی خاص قسم یا جماعت سے متعلق ہوتا ہے اور اُن اشیا کے حالات اور طرز عمل کے متعلق معلومات بہم پہنچاتا ہے - بالفاظ دیگر ہر ایک علم اپنے دائرۂ اثر مین اُن اشیا کے متعلق ایسے قوانین عامہ کی تحقیق کرتا ہے جن کے مطابق وہ اشیا جو اُس علم سے تعلق رکھتی ہین ہمیشہ عمل کرتی ہین - یعنی علم کے وجود مین آنے کے لئے اس امر کی نہایت ضرورت ہے کہ اشیاء زیر تحقیق ہمیشہ ایک ہی طرح عمل کرین - تاکہ کلیات عامہ بنائے جاسکین اور تسلسل قائم رہے -

علوم کی دو قسمین ہین - (۱) باقاعدہ مسلسل اور حقیقی - (۲) بے قاعدہ غیر مسلسل اور غیر حقیقی علم کو علم جب ہی کہا جائیگا جب یہ عام - باقاعدہ اور حقیقی ہو اور اسکے متعلق جو قوانین عامہ

[1] سائنس اور آرٹ کے لئے ہم نے اس کتاب مین علم اور فن کے الفاظ استعمال کیے ہین - اگرچہ ان الفاظ کا پورا مفہوم اِن الفاظ سے نہین ہوتا مگر ان الفاظ پر کافی بحث ہو چکی ہے - یہان طول کی گنجایش نہین ہے -

بتائے جائیں اُن کا فرداً فرداً ہر چیز پر (جو اُس علم کے زیر تحقیق ہو) صحیح اطلاق ہو سکے۔

فن۔ | کسی مقصد کے حصول کے قواعد بتانا فن سے متعلق ہے۔ فن کہتا ہے کہ "یہ کرو" "وہ نہ کرو" مگر چونکہ غور و فکر۔ تحقیق و تنقید کرنے سے پہلے عمل کرنا شروع کر دیا جاتا ہے۔ لہذا علم سے فن کو سبقت حاصل ہے۔ علاوہ ازین انسان سے متعدد افعال ایسے ظہور مین آتے ہین جو نہ خاص قواعد کی پابندی مین کئے جاتے ہین۔ اور نہ ایسا کرنے سے فعل مقصود ظاہر ہو کر علم کی سی یکسانیت اور تسلسل پیدا کر سکتا ہے۔ مثلاً شاعری کو لیجئے۔ یہ ایک فطری چیز ہے۔ کسی شخص کو سیکھنے سے نہین آسکتی ورنہ ایسے قواعد ہین جنکی پیروی کرنے سے کوئی شخص شاعر بن جائے لہذا شاعری علم نہین ہو سکتی یہ محض فن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علم و فن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر فن کے لئے ضروری ہے کہ اُسکی بنا علم پر ہو۔ ورنہ یقیناً خطرناک اور بے معنی نتائج کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص جراحی کرے اور علم الابدان سے واقف نہو تو یہی نتیجہ ہوگا کہ بے فائدہ لوگون کی جان لے۔ اسی طرح خواص الادویہ کو نجانتے ہوئے طبیب بن بیٹھنا خطرۂ جان ہو جاتا ہے جس سے مہلک نتائج پیدا ہونے ضروری ہین۔

علمی تحقیقات کا مقصد اولیٰ یہ ہے کہ اُس پر کسی فن کی بنیاد رکھی جائے۔ اگر

سلہ علم کے مسلسل ہونے سے ہمارا منشا یہی ہے۔ جو بیان کیا گیا یعنی ہر فرد پر اُس علم کے مسلمات کا اطلاق ہو سکنا ضروری ہے۔

کوئی علم ایسا ہے کہ اُس پر کوئی فن قائم نہین ہو سکتا یا کسی فن کو فائدہ نہین پہنچ سکتا
تو وہ علم بھی اُس فن کی طرح بے کار ہے جسکی مُہیا کسی علم پر نہین ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے علم و فن کا فرق ظاہر ہوگیا اب دیکھنا ہے کہ سیاسیات
علم بھی ہے اور فن بھی۔ لہذا

(۱) سیاسیات علم اس وجہ سے ہے کہ سلطنت کے متعلق جملہ قوانین کی تحقیق
و تنقید کرتا ہے۔ اور یہ بتاتا ہے کہ اس کا شعبہ مین سلطنت کی کیا کیا ماہیتیں
ہوتی ہین

(۲) جس طرح علم اخلاقیات کو علم سیاسیات سے تعلق ہے اسی طرح فن سیاست اس
علم کے مستقل کا نام ہے۔ جو خاص خاص صورتون مین خاص سلطنتون کے اندر کیا جائے

لہذا سیاسیات فن بھی ہے۔

تقدم احوال سیاسیات | اس زمانہ مین سیاسیات بحیثیت علم کے بہت زیادہ ترقی کر رہا ہے
اگرچہ زمانہ گذشتہ مین یہ علم موجود تھا مگر چونکہ موجودہ زمانہ کی طرح باقاعدہ اور مسلسل نہ تھا
لہذا اس سے بہت کم منطقی نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ موجودہ زمانہ
مین ان واقعات کی تدوین اور صحیح اعداد و شمار جمع کرنے کی کافی کوشش کی جاتی ہے جو قومی
زندگی سے تعلق رکھتے ہین۔ اور ایسی تحقیقون سے سیاسیات مین باقاعدہ علمی اصول پیدا ہو گئے ہیں
مثلاً موت۔ پیدائش اور شادی کے متعلق صحیح اعداد و شمار جمع کیے جاتے ہین۔ یا جرائم
و امراض کے صحیح اوقات اور اعداد و شمار شائع کیے جاتے ہین۔ تجارت و صنعت و حرفت کی

باقاعدہ ترقی وتنزل کی فہرستین اور اسی قسم کے اعداد وشمار سیاسیات مین صحیح نتائج پر پہنچنے مین کافی امداد دیتے ہین۔

نفسیات ومعاشیات نفسیات یا علم النفس بالکل جدید علم ہے۔ یہ علم نفسِ انسانی اور فطرت داخلی کا مطالعہ کرتا ہے چونکہ بغیر فطرتِ انسانی کو پورے طور پر سمجھے ہوئے انسانی افعال اور اعمال کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہین ہوسکتی لہذا یہ علم سیاسیات کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ جسم کے لئے روح کی ضرورت ہے۔ جتنا یہ علم ترقی کرتا جائیگا اور انسانی جذبات ومحسوسات کی پیچیدگیان سلجھتی جائینگی اتنا ہی سیاسیات مین باقاعدگی اور عمومیت پیدا ہوگی اور یہ علم مکمل ہوتا جائیگا۔

اسی طرح معاشیات (علم الاقتصاد یا علم المعیشت) بھی نیا علم ہے اور انسانی مادی ضروریات کی پیداوار اور استعمال کے متعلق معلومات بہم پہنچاتا ہے اور معاشی معاملات کے متعلق (جو سیاسیات سے بہت زیادہ وابستہ ہین) صحیح معلومات بہم پہنچا کر علم سیاسیات کو مکمل کرتا ہے۔

مجلس ماہرین متذکرہ باتون کے علاوہ موجودہ زمانہ مین کوئی نئی بات یا نیا سیاسی تغیر وتبدل اُسوقت تک نہین کیا جاتا جب تک ماہرین فن کی مجلس کافی غور وتحقیق کے بعد اپنی رائے نہ پیش کرے۔ ایسی مجالس کو نہ صرف مسئلہ کی موجودہ حالت پر تحقیقات کرنیکی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ اُنکو اس مسئلہ کی پوری تاریخ اور دوسرے ممالک مین اس کی کیفیت معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ صحیح رائے قائم کرکے ملک وملت کے سامنے پیش

کرے۔ لیکن ایسی تحقیقاتوں کا اکثر یہ خراب نتیجہ ہوتا ہے کہ اگر تحقیقاتی کمیشن عرصہ دراز کے بعد اپنی روئداد پیش کرے تو یا تو عوام کی دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔ یا انکی طبیعت کسی دوسرے طرف رجوع ہو جاتی ہے۔ اور اس روئداد کی پرواہ نہین کی جاتی۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سلطنت کے کاروبار مین بد انتظامی۔ خرابی۔ اور تاخیر ہو۔ تاہم مسئلہ زیر بحث (سیاسیات علم ہے یا امر) سے یہ روشنی پڑتی ہے کہ موجودہ زمانہ مین انسانی طبیعت کا اقتضا زیادہ تر اسوجہ سے علمی ہوتا جاتا ہے (اور اسوجہ سے سیاسیات کو علم کہہ سکتے ہین) اگر کوئی ملت اسوقت تک ترقی کا قدم آگے نہین بڑھاتی جب تک کہ موجودہ و گذشتہ کے تعلق۔ اور گرد و پیش کی تمدنی [illegible] کے حالات پر غور نہین کر لیا جاتا۔

سیاسیات کا علمی مطالعہ اس تحقیق کے بعد یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ سیاسیات کا علمی مطالعہ کس طریقہ سے کیا جاتا ہے۔ اسکے دو صحیح طریقہ ہین اور ان صحیح طریقون کے غلط استعمال سے دو غلط طریقہ پیدا ہو جاتے ہین اور اکثر مدبرین اپنی انتہا پسندی کی وجہ سے ان طریقون مین پڑکر غلط نتائج پیدا کرتے ہین۔ لہذا علم سیاسیات کے مطالعہ کے چار طریقہ ہوئے۔

صحیح طریقہ دو ہین (۱) تاریخی۔ (۲) فلسفی۔ اور ان دونون طریقون کے غلط اور انتہائی استعمال سے دو غلط طریقہ بہ تسلسل پیدا ہوتے ہین یعنی (۱) محض تاریخ اور تجربہ سے سیاسی مسلمات عامہ اور نتائج کو اخذ کیا جاتا ہے (۲) صرف خیالی فیلسوفی اور وہمی باتون سے مدد لیکر نتائج بنائے جاتے ہین یہ طریقہ اس طرح حقیقی طریقہ فلسفیہ کا صرف نمائش ہوتا ہے

طریقۂ تاریخی۔ | جب تاریخی نقطۂ نظر سے سیاسیات پر نظر کی جاتی ہے تو بجائے الفاظ قانون کے منشاء قانون پر زیادہ نظر رہتی ہے اور اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ زمانہ ٹھہرا ہوا یا قائم نہیں ہے بلکہ روزانہ نئے حالات و واقعات پیش آتے رہتے ہین اس لئے زمانہ کی ترقی کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ بات جو آج خاص حالات مین ایک خاص نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ کل واقعات کے بدلتے ہی دوسرا نتیجہ پیدا کرسکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے ماحول کے تغیرات روزانہ نئے مناظر پیش کرتے رہتے ہین۔ اگر موجودہ زمانہ کے مسائل کو صرف تاریخ قدیم کے نتائج کو مدنظر رکھکر حل کیا جائے تو یقیناً انصاف کا خون ہوگا۔ امن عامہ مین کمی پیدا ہوگی اور سلطنت کی اخلاقی حالت اتنی خراب ہو جائیگی کہ بسا اوقات صحت نا ممکن ہوگی۔ یہ غلطی اکثر تاریخ کے یکطرفہ مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بخلاف اسکے صحیح طریقہ تاریخی گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے اندرونی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ بتاتا ہے کہ زمانہ قدیم سے اب تک کسی طرح سلطنت نے ترقی کی ہے اور یہ ترقی اب کسی طرح جاری ہے

طریقۂ فلسفی۔ | حکما (فلسفیون) نے زمانہ قدیم سے اب تک اپنے تخئیل اور قوت واہمہ سے وہ وہ خیالی جمہوریتیں اور سلطنتیں قائم کی ہین جو اگر عالم مثال مین آجائین تو واقعی یہ دنیا نمونۂ بہشت بریں بن جائے مگر چونکہ حقیقی زندگی اور واقعات موجودہ کو چھوڑکر صرف خیال آرائیوں میں پڑ گئے تھے اونکے خیالی نظامہائے عام معمولی انسان کی طاقت سے باہر تھے۔ اس مین شک نہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو حیات ملی اور سلطنت بہت بلند اور مستحکم معیار پر قائم ہو جاتی ہین۔ جہانتک قانون اور سیاسیات کی روح کا تعلق ہے

کا زبردست حصہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں علم حقیقی بُنیاد پر جب ہی قائم ہو سکتے ہیں جب فطرت انسانی اور روز مرہ کی زندگی کے واقعات کو نظر انداز نہ کریں۔ بلکہ محض خیالی غور و فکر کو طریقۂ فلسفی سمجھنا غلطی ہے۔ حقیقی طریقۂ فلسفی وہ ہے جسمیں عالم خیال اور عالم مثال کے واقعات و حالات کو ملایا گیا ہو۔ اور زمانہ کے واقعات کے ساتھ ساتھ انسان کی فطرت کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ مختصر یہ کہ اس طریقہ کی بُنیاد نفسیات پر ہوتی ہے جو تاریخ کے پہلو بہ پہلو چلتی ہے۔

طریقہ ہائے بالا ایک دوسرے کی ضد نہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے ہیں مورخ کو فلسفہ کی مدد اس وجہ سے لینی ضروری ہے کہ بغیر اسکے فطرت انسانی کے متعدد دقائق کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اسی طرح حقیقی واقعات و حالات اور مثالوں کے لئے فلسفی کو تاریخ کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے۔

طریقہ ہائے بالا کا حسن و قبح۔

مندرجہ بالا طریقوں میں اچھائی اور برائی دونوں ہیں۔ تاریخ گوناگوں نتائج ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ اور زندگی کے نمونے کثرت کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ فلاسفر کا تخیل انسانی تاریخ کے لاانتہا تخیلات سے ایک ذرۂ بے مقدار ہے۔ اور وہ بھی حقیقی نہیں بلکہ موہوم۔ مگر تاریخی نتائج کے تجربات میں یہ خرابی ہے کہ ممکن ہے کہ ہم ان کے دھوکے میں آکر زمانہ گزشتہ کے کارناموں میں ایسے گم ہو جائیں کہ زمانہ موجودہ اور آئندہ کی ارتقائی کیفیتوں کو نہ دیکھ سکیں اور وحدت انسانی کا اثر [illegible]

[illegible]

بخلاف اسکے طریقہ فلسفی زیادہ واضح مسلسل اور مکمل ہوتا ہے۔ اسکے نتائج فطرت انسانی پر مبنی ہوتے ہیں اور قوت خیال کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ مگر اس میں بھی یہ خرابی ہے کہ فلسفی اکثر وحدت انسانی پر زور دیتے ہیں اور اس یکرنگی پر زیادہ زور دینے کا اکثر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ فطرت انسانی کی اندرونی کثرت کو بھول کر بجائے اسکے کہ حقیقی قوانین معلوم کریں وہ خشک و بے معنی نظریات پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اور ان بحثوں میں ایسا پڑتے ہیں کہ اپنی کمزوری کو گرمی تخیل کی وجہ سے محسوس نہیں کرتے اور وہی دنیا کے بے معنی دلائل کی پرپیچ و خم گھاٹیوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔ ان غلطیوں میں نہ پڑنا بہت کم فلسفیوں کا حصہ ہوا ہے اور صحیح طریقہ فلسفی ابتدا ہی سے ان باتوں سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

مقالہ سوم ۔ سیاسیات کی وسعت اور تعریف

سیاسیات ۔ زمانہ قدیم مین سیاسیات درحقیقت علم اخلاق کی وہ شاخ مانی جاتی تھی جسکا مقصد یہ ہے کہ کسی سلطنت مین اس طرح سے حکومت کی جائے کہ اسکی دولت سلامتی اور امن مین ترقی ہو ۔ اور ملت کے مقاصد کو جہانتک ممکن ہو حاصل کرے موجودہ زمانہ مین سیاسیات کو علم اخلاق کی شاخ نہین مانا جاتا حالانکہ اسکا تعلق زیادہ تر علم اخلاق فلسفہ و تاریخ سے ہے ۔ یہ علم اب بذات خود ایک علیحدہ علم ہے اور تقسیم علوم کے اعتبار سے اجتماعیات کا جزو سمجھا جاتا ہے ۔

سیاسیات مین جن مضامین سے عموماً بحث کی جاتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہین ۔

(۱) وہ اصول جن پر حکومت کی بنیاد ہوتی ہے ۔

(۲) وہ افراد جن کے ہاتھون مین حکومت اسطرح سے دی جائے کہ نہایت ہی مفید ثابت ہو ۔

(۳) حاکم و محکوم کے فرائض اور حقوق ۔

(۴) سلطنت کی ترقی و تنزل کے وجوہ اور ترقی کے ذرائع کی فراہمی ۔

(۵) افراد ملت کی آزادی انکے حقوق اور انکے اخلاق کی حفاظت ۔

(۶) بیرونی حملہ یا اثر سے ملک یا ملت کی آزادی کی حفاظت ۔

تعریف - اگر ہم سیاسیات کی منطقی تعریف مندرجہ بالا تفصیل سے اخذ کریں تو یہ ہوگی

"سیاسیات وہ علم ہے جو سلطنت سے تعلق رکھتا ہے اور اسکی (سلطنت کی) مختلف حالتوں اور انکی حقیقت کو معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اور سلطنت کے اقسام اور اسکے عروج و زوال کی کیفیتوں کو معلوم کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

پس وہ علوم جو سیاسیات کے وسائل معاون و مددگار ہیں۔ درحقیقت علم سیاسیات کے شامل نہیں ہیں۔ مثلاً

(۱) **تاریخ** - کسی ملک کی تاریخ علم سیاسیات کا جزو اسوقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ بالکل سیاسی یا آئینی تاریخ نہ ہو۔ مثلاً کسی قوم کے زندگی کے عام حالات۔ افراد کے اعمال۔ عادات و اطوار اخلاق کی تعریف جنگ اور سیاسی جھگڑے۔ علم سیاسیات کا جزو نہیں ہیں۔ تاہم [illegible] سے متعلق تاریخ بالکل [illegible] سیاسیات ہے۔ [illegible] اسی وجہ سے ضروری ہے کہ انسان کی سیاسی زندگی کے تمام کے مختلف [illegible] تاریخ کہا جاتا ہے۔ [illegible] تاریخ کا مطالعہ جب ہی صحیح ہو سکتا ہے جب انسان کی معمولی جھگڑوں۔ رنجشوں اور انفرادی افعال کو چھوڑ کر اسکا مطالعہ اس طرح کیا جائے کہ انسان کی سیاسی ترقی پر بحیثیت مجموعی روشنی پڑے۔ اگر تاریخ سے ہم کو سیاسیات کا علم حاصل نہ ہو تو

نوٹ۔ اس امر پر غور کرنا ضروری ہے کہ تاریخ ایسا علم نہیں جو بالکل یقینی نتائج پیدا کر سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو مختلف سلطنتوں کا مستقبل صاف صاف ظاہر ہو جاتا لیکن یہ ناممکن ہے واسطے کہ انسان کی شخصیت کو [illegible] سمجھ نہیں سکتا تاریخ خود اس بات پر شاہد ہے کہ تاریخ کی شان کو بدل دینے والے [illegible] یہ ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ مسئلہ ہر زمانہ میں صادق ہوتا رہا ہے اور آئندہ [illegible] ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ ٹھیک اور موزوں آدمی کس وقت ظاہر ہو [illegible] یہ ممکن ہے کہ زمانہ کے تجربے [illegible] تاریخ [illegible] پیدا کر سکے۔ جیسے مسٹر گلیڈسٹن۔ نپولین [illegible]

وہ تاریخ نہیں بلکہ ایک افسانہ ہے اور وہ بھی ایسا کہ جسکا علم سے کوئی تعلق نہیں۔

(ب) تقویم احوال البلدان | اسی طرح تقویم احوال البلدان اگر صرف اجتماعی اور ذاتی معاملات سے متعلق ہو تو سیاسیات میں شامل نہیں کی جاسکتی۔ بے شک اسکا وہ حصہ جو محض سیاسی اعداد وشمار مہیا کرتا ہے سیاسیات میں شامل ہے۔

(ج) معاشیات۔ | علم معاشیات دولت کے پیدا کرنے اسکے استعمال اور تقسیم سے متعلق ہے اسکا وہ حصہ جو صرف سلطنت سے متعلق ہے اور حکومت کی دست اندازی الناس کے اثر سے بحث کرتا ہے سیاسیات میں شامل ہے اور باقی تحقیقات جو عامۃ الناس کی معاشی حالت سے متعلق ہے سیاسیات کا جزو نہیں ہے۔

(د) اجتماعیات | بحیثیت مجموعی سوسائٹی کی زندگی کا مطالعہ سیاسیات نہیں کہا جاسکتا۔ تفصیلی طور سے دیکھا جائے تو سیاسیات اجتماعیات کا ایک خاص جزو ہے جو انسانی زندگی کے مخصوص حصہ کا مطالعہ کرتا ہے جہاں تک اسکی مدنی اور اجتماعی زندگی کا تعلق ہے۔

سیاسیات اور اخلاقیات۔ | سیاسیات اور اخلاقیات کا تعلق نہایت واضح ہے۔ دونوں علوم انسانی طرز عمل کی تحقیقات کرتے ہیں۔ اور دونوں علوم انسانی طرز عمل کا مطالعہ اس غرض سے کرتے ہیں کہ اسکا تعلق انسانی خیر و فلاح کے نصب العین سے معلوم کریں۔ یہ دونوں اجتماعی تعلقات پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور خود بھی ان تعلقات سے اثر پذیر ہوتے ہیں انمیں فرق صرف اتنا ہی ہے جتنا کہ قانون اور اخلاق میں فرق ہے۔ قانون کا تعلق اس طرز عمل سے ہوتا ہے جسکا عملی نتیجہ ظاہر ہو۔ یعنی "چوری نہ کرو یا قتل نہ کرو" وغیرہ احکام ان چیزوں کے متعلق ہیں جو انسانی

عمل سے متعلق ہیں۔ اخلاق نہ صرف بیرونی اثرات ونتائج سے تعلق رکھتا ہے بلکہ انسان کی نیت بھی اخلاق کے دائرہ میں ہے لہذا اخلاقی احکام بخلاف قانونی احکام کے۔ (علاوہ چوری نہ کرو" اور قتل نہ کرو" کے) انسانی قوت ارادی پر بھی نافذ ہو سکتے ہیں۔ اخلاق کہتا ہے کہ برائی کا خیال بھی نہ کرو" بیہودہ خیالات میں نہ پڑو" وغیرہ

قانون مجبوراً انسان کو شراب نوشی سے باز رکھ سکتا ہے جیسا کہ امریکہ میں جبریہ شراب نوشی بند کر دی گئی ہے۔ مگر اہل امریکہ کو اس برائی کے خیال سے باز نہیں رکھ سکتا ہے۔ جو نہایت سرگرمی سے شراب سازی خفیہ طور پر کرتے ہیں۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیاسیات انسان کے افعال ظاہری سے شروع ہوتا ہے اور سیاسی۔ قانونی اور مدنی تنظیم پر غور کرتا ہے تاکہ ہر شخص کی حالت بہتر ہو اور وہ اس خیر و فلاح کو دوسرے انسانوں تک پہنچائے۔ اخلاقیات انسان کے اندرونی یا نفسی پہلو سے شروع ہوتا ہے اور اُس صورت کو پیش نظر رکھتا ہے جس سے کہ انسانی خیر و فلاح اُسکی ضروریات اور فطرت انسانی کے حقوق حاصل ہوں۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیاسیات سے پہلے اخلاقیات کا ہونا ضروری ہے۔ جمہوریہ افلاطون کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ کتاب جتنی سیاسی ہے اتنی ہی اخلاقی بھی ہے۔ اسی طرح ارسطو بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ میری کتاب اخلاقیات صرف تمہید ہے علم سیاسیات کی جو اُس سلسلہ میں تحریر کی گئی ہے۔

اجمال۔ لہذا علم سیاسیات میں جن مضامین سے عموماً بحث کی جاتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ سلطنت کا تخیل اُسکی بنیاد اُسکے خاص عناصر (ملک و ملت) اُسکی ترقی اور نصب العین

نظام حکومت کے اقسام حاکم و محکوم کے فرائض اور حقوق ممالک غیر کے اثرات اور ان ممالک کی قوتوں سے توازن وغیرہ اور اس علم کے ماتحت دو خاص علوم یعنی قانون عام اور سیاست ہیں جنکا ذکر بعد میں کیا جائیگا۔

سیاست کی تقسیم
سیاسیات خصوصی
سیاسیات عمومی

سیاسیات بلحاظ اپنے دائرہ تحقیق کے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اسکا حلقہ تحقیق وسیع کر دیا جائے تو سلطنت کے عالمگیر تخیل پر سیاسیات کی بنا ہوگی اور اسکا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوگا جتنا کہ انسانیت کا ہے اس حصہ کو ہم سیاسیات عمومی کہینگے لیکن اگر سیاسیات کا حلقہ تحقیق صرف ایک قوم یا ایک ہی سلطنت تک محدود ہو تو اُسے ہم سیاسیات خصوصی کہینگے۔ مثلاً اگر صرف سلطنت برطانیہ یا جرمنی کے قوانین کا مطالعہ کیا جائے تو یہ مخصوص علم ہوگا۔ (یعنی سیاسیات خصوصی)۔

سیاسیات عمومی کی
بنیاد تاریخ عالم پر ہے

سیاسیات عمومی کے متعلق اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ محض خیالی ڈھانچہ ہے لیکن یہ خیال قطعی غلط ہو جاتا ہے جب تاریخ عالم کے نتائج اسطرح اخذ کئے جاتے ہیں کہ خیال (یعنی فلسفہ) کے ساتھ واقعات تاریخ عالم سے حقیقی نتائج اخذ ہوں یعنی سلطنت کا مطالعہ تاریخی اور فلسفی دونوں طریقوں سے متحد طور پر کیا جانا ضروری ہے۔ نہ فلسفہ تاریخ کو چھوڑ سکتا ہے نہ تاریخ فلسفہ سے دست بردار ہو سکتی ہے

سیاسیات خصوصی سے پہلے سیاسیات عمومی کا ہونا نہایت ضروری ہے جسطرح کسی قوم کے خاص طرز عمل کے متعلق اسکا مان لینا ضروری ہے کہ انسانی فطرت بحیثیت مجموعی ہر جگہ یکساں ہے۔ لہذا سیاسیات خصوصی کسی خاص قوم کی تاریخ پر زور نہیں دیتا بلکہ تمام سلطنتوں اور ملتوں کے مختلف اور ضروری عناصر پر نظر ڈالتا ہے عالمگیر

تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ کس طرح انسان نے ابتدائے عالم سے اب تک سیاسی ترقی کی ہے جس طرح انسان اور اُس کی تاریخ حقیقی ہے اسی طرح سیاسیات عمومی بھی حقیقت سے قریب ہے اور صرف خیالی اور فلسفی نظریات کا مجموعہ نہیں ہے۔

کون سی قومیں اور زمانے اس علم کیلئے ضروری ہیں۔

اس علم کے لئے نہ تو کل نسلیں ضروری ہیں نہ جملہ بنی نوع انسان کی تاریخ نسل نہ ہر زمانہ کی تاریخ فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ چونکہ ہمیں موجودہ نظام سلطنت کے ارتقا کا بیان کرنا ہے لہٰذا اُن اقوام و ملل کی تاریخ سودمند ہو سکتی ہے جو آزاد و مہذب سیاسی زندگی بسر کر چکی ہیں یا کر رہی ہیں۔ لہٰذا سیاسیات عمومی کے لئے زمانہ قدیم اور زمانہ وسطیٰ کی تاریخ صرف مقابلہ کے لئے مطالعہ کی جائیگی تاکہ موجودہ سلطنتوں کے ارتقا کے اسباب صاف سمجھے جا سکیں اور اُن اصولی تخیلات اور مشترکہ نظام ہائے سلطنت پر جو اس زمانہ میں موجود ہیں روشنی پڑ سکے

بابِ ثانی

سلطنت کا تخیّل

مقالہ اوّل ۔ سلطنت کا تخیل

ہم گذشتہ فصل میں دیکھ چکے ہیں کہ فلسفہ اور تاریخ کے ذریعے سیاسیات کا مطالعہ کیا جانا ضروری ہے۔ تاریخ سے سلطنت کا حقیقی تصور ہوتا ہے۔ فلسفہ سے سلطنت اپنی عظمت اور کمال ترقی کی حالت میں خیال کے سامنے آتی ہے۔ سلطنت کا وسیع تخیل اُس وقت ہوتا ہے جب کئی سلطنتوں کے تاریخی عروج و زوال پر غور کیا جائے۔ اور اُن کی حالت کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا جائے۔ اسی طرح سلطنت کا بلند ترین تخیل انسانی فطرت کی سیاسی بلند آہنگی اور طاقت نشو و نما کو ظاہر کرتا ہے۔ تاریخ نے لاتعداد سلطنتوں کو صفحۂ دنیا پر بنایا اور مٹایا ہے لہذا تاریخ کے جمع کردہ سامان کو نظر غور سے دیکھا جائے تو سلطنت کی وہ حالتیں جو ضروری ہیں اور کم و بیش ایک دوسرے کے نتیجہ ہوتی ہیں ظاہر ہو جائینگی

سلطنتوں کی خصوصیات از روے تاریخ

(۱) ملت ۔ سلطنت کے لئے ایسی انسانی سوسائٹی کا ہونا ضروری ہے جو بحیثیت ملت کے ہو ۔۔ کسی مجمع یا گروہ کو سوسائٹی نہیں کہہ سکتے جب تک اُن افراد کا اخلاق و مادی نصب العین متحد نہ ہو اور وہ متعدد خاندانوں اور افراد پر مشتمل نہوں۔ لیکن سلطنت میں انسانی آبادی کی تعداد مقرر کرنا سخت غلطی ہے۔ یونان میں چھوٹے چھوٹے متعدد شہر تھے جو موجودہ زمانہ کے اعتبار سے معمولی قصبوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں مگر وہ مدنی (یا شہری) سلطنتوں کے نام سے موسوم تھے۔ اس لحاظ سے موجودہ مدنیت

بلاشبہ سلطنت کے لئے آبادی کی کثرت کی ضرورت ہے۔

(۱) وطن | سلطنتوں کی زندگی کا دوسرا ضروری عنصر وطن ہے چونکہ بغیر مخصوص ملک اور ... ت کے سلطنت کا ظہور نہ ہوتا۔ خانہ بدوش اقوام میں حالانکہ سخت قوانین رائج ہیں اور انکی وہ پابندی کرتے ہیں۔ انکی خاص تہذیب اور خاص روایات ہوتی ہیں۔ مگر وہ سلطنت اسوجہ سے نہیں کہلا سکتیں کہ انکی زندگی اکثر اشیاء ترقی و تہذیب مثلاً فنون لطیفہ و ادب۔ تجارت وزراعت کرنے سے مانع ہوتی ہے۔

(۳) اتحاد عمل | تیسری خصوصیت اتحاد عمل ہے۔ اندرونی طور پر سلطنت کے کئی حصے ہونا ممکن ہیں جو بذات خود سلطنت کہے جا سکتے ہیں (مثلاً ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ریاستیں) مگر اندرونی نظام میں اتحاد عمل اور اتحاد مقصد اور بیرونی قوتوں کے سامنے باظہار یکجہتی جب تک نہ ہو گا سلطنت قائم نہ ہوگی۔

(۴) حاکم و محکوم کا فرق | تمام سلطنتوں میں حاکم و محکوم کا فرق ہے خواہ وہ انتہائی جمہوریت ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً فرانس کی مجلس علیہ بحیثیت مجموعی حاکم کے ہے اور افراد قوم محکوم ہیں۔ یہ امتیاز نہایت ضروری ہے جہاں یہ فرق باقی نہیں رہتا اور شخص اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے لگتا ہے۔ وہاں بغاوت کا رونما ہونا ضروری ہے اور سلطنت کا نظام منہدم ہو جاتا ہے۔ اشتراکیین اس نظریہ کے منکر ہیں مگر اسکا انکار گویا سلطنت کے قیام سے انکار کرنا ہے۔ موجودہ روس میں جو حالت ہے وہ ظاہر کرتی ہے کہ صرف اجتماعی اتحاد ہی نہیں ہے بلکہ حاکم محکوم کا فرق صاف ظاہر ہے۔

سلطنت ذی حیات ہستی ہے

جرمن مفکرین کو اس کا فخر حاصل ہے کہ انھوں نے سلطنت کو مردہ مشین نہیں سمجھا بلکہ اس کو زندہ نظام سمجھا۔ تصویر محض سیاہی اور سفیدی کی یکجا ہونے کو نہیں کہتے نہ اینٹ اور چونے کا مجموعہ عمارت کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ملت انسانی گروہ کو نہیں کہتے : سلطنت بیرونی قواعد کا مجموعہ ہو سکتی ہے۔ سلطنت قدرتی جاندار ہستیوں کی مانند ایک ذی حیات ہستی ہے۔ یاد رکھئے کہ لفظ مانند" استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ قدرت نے جس طرح جاندار مخلوق پیدا کی ہیں اسطرح سلطنت ظہور میں نہیں آئی بلکہ سلطنت انسانی محنت و مشقت کا ثمرہ ہے۔ سیاسی زندگی کی ابتدا انسانی فطرت میں مضمر ہے اور اسکی ہستی قدرتی زندہ ہستیوں کا نمونہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات و نباتات کی سی زندگی (خوراک تلاش کرنا۔ استعمال کرنا پڑھنا بچے پیدا کرنا) کے تصور کے بجائے مندرجہ ذیل خصوصیات زندگی ہماری مد نظر ہیں۔

(ا) ہر جاندار روح اور جسم کے مجموعہ کا نام ہے یعنی مادی اجزا اور زندہ روح۔

(ب) اگرچہ ہر جاندار مکمل ہستی ہے تاہم اسکے متفرق اجزا خاص خاص اغراض و مقاصد کو پورا کرنے اور متضاد افعال کے سرانجام دینے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور یہ افعال نفس جاندار کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں

(ج) ہر جاندار اندرونی ترقی کے ساتھ ساتھ بیرونی ترقی بھی کرتا ہے لہذا مندرجہ بالا خصوصیات سلطنت میں مندرجہ ذیل طریقہ سے پورے طور پر موجود ہیں۔

(ا) سلطنت میں روح و جسم۔ ترت ارادی و قوت عمل متحدہ زندگی میں مربوط ہوتی ہیں

اگر افرادِ قوم کی مجموعی قوت ارادی قوت عمل کی وسطی لی جاوے تو وہی سلطنت کی روح کہی جا سکتی ہے۔ جماعت حکمران سر ہے۔ نظام حکومت سلطنت کا جسم ہے۔ اور جس طرح ہر شخص کی افتادِ طبع دوسرے شخص سے کسی قدر الگ ہوتی ہے یہی حال مختلف سلطنت کے الگ الگ طرزِ عمل کا ہے۔

(ب) یہ ظاہر ہے کہ سلطنت کے متفرق حصے الگ الگ کام سرانجام دیتے ہیں۔ یہ محض بے جان مشینوں کی طرح اپنے افعال سرانجام نہیں دیتے بلکہ حیاتِ عامہ کی ضروریات کے لحاظ سے اپنے افعال میں ردو بدل کرتے رہتے ہیں۔ وہ زندہ ہستی کی طرح زندہ ہستیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ شعبۂ سلطنت محض مشین کی طرح کام کرنا شروع کر دیتے تو محض جسم بے جان کی طرح صرف ایک ڈھانچا رہ جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تباہی و بدنظمی رونما ہوتی ہے۔

(ج) ملت اور سلطنت کی ترقی بالکل دیگر جانداروں کی طرح تو نہیں ہوتی مگر اُن سے کسی قدر ملتی جلتی ہوتی ہے۔ بعض مدبرین نے یہ سخت غلطی کی ہے کہ ملتوں کے بچپن۔ جوانی اور اور زوال کو بالکل جانداروں کے بڑھنے اور فنا ہو جانے سے تشبیہ دی ہے۔ اور دوسری ذی حیات ہستیوں کی طرح خاص وقت اور درجے سلطنت کی ترقی و زوال کے لئے بھی مقرر کئے ہیں۔ مگر وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ افرادِ ملت کی طبائع اکثر اس امر کا باعث ہو سکتی ہیں کہ سلطنت کی معمولی رفتار ترقی میں غیر معمولی ترقی یا رکاوٹ پیدا کر دیں۔

روحانی واخلاقی ہستی

تاریخ سے سلطنت کا ذی حیات ہستی ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت ایک روحانی و اخلاقی جاندار ہستی ہے جو ادنیٰ نباتات وحیوانات سے بالاتر ہے۔ یہ ایک زبردست جسم ہے جسکی روح قومی جذبات ومحسوسات کو جذب کرنے کے بعد انھیں قوانین کی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔ تاریخ سے ظاہر ہے کہ سلطنت کی ہستی اپنی ذاتی قوت ارادی کا اظہار مختلف صورتوں سے کرتی ہے۔

سلطنت کے عزت و وقار کو قائم رکھنے آزادی اور دوسرے قومی حقوق کے واسطے ہمیشہ ہر زمانہ کے بہترین افراد نے اپنا جان ومال قربان کیا ہے۔ ہر فرد قوم قومی فتح وشکست اور عزت سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر روحانی شخصیت کا سلطنت میں وجود نہ ہوتا تو ملک وملت کی محبت ناقابل قیاس ہو جاتی۔

مختصر یہ کہ تاریخی حیثیت سے سلطنت کا تصور مندرجہ ذیل ہے: "سلطنت انسانوں کے اجتماع کا نام ہے جو کسی خاص حصہ ملک میں متحدہ اخلاقی وروحانی شخصیت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے" یا زیادہ اختصار سے کسی خاص ملک کی ملی شخصیت کو جو سیاسی نظام کے ساتھ ہو سلطنت کہتے ہیں"

سلطنت کا تخیل ازروئے فلسفہ

تاریخ صرف حقیقی سلطنتوں کے مطالعہ پر قناعت کرتی ہے۔ مگر فلسفہ اپنی عمیق نظری سے سیاسی ضروریات پر غور کرتا ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ اُنسان ایک سیاسی

حیوان ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی قومی خصوصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ فطرۃً انسان سیاسی زندگی بسر کرنے اور سلطنت قائم کرنے کے لئے مجبور ہے۔ ہر جگہ فطرت انسانی تقریباً یکساں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو قوم ملک و رنگ کے حدود سے گزر کر بلند تر قومیت کا معیار بنانے کی خواہش ہے جس میں کل بنی نوع انسان بحیثیت مجموعی ملت اور واحد سلطنت کے شامل ہوں انسان بحیثیت فرد۔ اور کل دنیا کے انسان مجموعی طور پر بحیثیت ملت کے ہوں۔ اگرچہ ابتک فلسفی کے اس سیاسی نصب العین کے حصول میں صدیوں کی ضرورت ہے۔ تاہم گذشتہ تاریخ نے اس تخئیل کو وقتاً فوقتاً ظاہر کیا ہے لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایسی تمام کوششیں ابتک ناکامیاب رہیں۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مقصود ناقابل حصول ہے مذاہب عالم نے اس بات کی ہمیشہ کوشش جاری رکھی کہ کل دنیا متحدہ طور پر ایک ہی سلطنت بن جائے۔ سکندر اعظم نے سب سے پہلے اس کوشش میں سرگرمی دکھائی۔ مگر اسکی بے وقت موت نے ایسی بین الاقوامی سلطنت کے قیام کو روک دیا۔ رومیوں کی کوشش کسی قدر زیادہ مستحکم و کارگر ثابت ہوئی سکندر اعظم نے مختلف اقوام کو مخلوط کر کے سلطنت قائم کرنی چاہی تھی مگر رومیوں نے بخلاف اسکے اپنی اعلیٰ تربیت و تہذیب کو دنیا بھر کی مفتوح قوموں میں رائج کرنا شروع کیا بالفاظ دیگر رومیوں کی یہ غلطی تھی کہ سب کو رومی بنانا چاہا۔ چونکہ کوئی قوم اتنی وسیع نہیں ہو سکتی کہ دنیا کی دیگر اقوام کو اپنے اندر جذب کر سکے اسلئے آخر کار ٹیوٹن اور جرمن نسل کے لوگوں نے صدیوں لڑتے جھگڑنے کے بعد رومیوں کی

سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اسکے بعد مسلمانون نے اپنی آزاد نظری سے ایسی ہی سلطنت قائم کرنی چاہی مگر مرکزی حکومت کو ترک کر کے الگ الگ سلطنتون کے قیام نے اس تخیل کو اصلی صورت مین ظاہر ہونے نہ دیا۔ نپولین نے کل یورپ کو ایک متحدہ سلطنت کی صورت مین اسطرح قائم کرنا چاہا کہ چھوٹی چھوٹی سلطنتون کی ہستی قائم رہے۔ اور کل یورپ بحیثیت ایک متحدہ بین الاقوام سلطنت کے ہو جائے جسکا سردار فرانس ہو۔ اس کا نتیجہ بھی حسب خواہش نہ نکلا اور انگریزی قوم نے مخالفت کر کے اس خیال کو شکست دی۔ اکبر اعظم نے ہندوستان کی کل نسلون اور قومون کو مذہبی رنگ مین اپنی فراخدلی سے ملا کر قومی برادری پیدا کر لی تھی۔ مگر اس خیال کی ترقی اُسکے جانشین نہ کر سکے اور شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ کے بعد یورپین اقوام کی ریشہ دوانیون اور مرہٹون و دیگر اقوام کی سرگرمیون نے اسکا بھی خاتمہ کر دیا بہرحال زمانہ خود رفتہ رفتہ انسان کو ایسی سلطنت بنانے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ مغرب مین تمام یورپ مین لیگ بین الاقوام کی صورت مین ظاہر ہوا ہے کاش یہ حقیقت مین مجلس بین الاقوام ثابت ہو۔ مشرق مین کل ایشیائی اقوام یکجہتی و اتحاد عمل کی روز افزون ضرورت محسوس کر رہی مین جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مستقبل قریب مین جلد وہ مبارک دن آنے والا ہے جب دنیا کی کل اقوام واحد سلطنت کی صورت مین ظاہر ہونگی اور نسلی و قومی امتیازات انسانی اور فطرتی اصولون کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑیگا ۔[۱]

---

[۱] یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ہر زمانہ کے شاعر اور مذہبی پیشوا اس انسانی یکجہتی پر ہی زور دیتے چلے آئے ہیں۔ غالب یہی کہتا تھا۔ ٹیگور بھی چاہتا ہے۔ موجودہ زمانہ مین بہائی تحریک کا یہی نصب العین ہے اور ہندوستان کی آزادی کی لہر ان ہی جذبات سے مملو ہے۔

یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ ایسی حکومت چھوٹی ریاستون کے حقوق ... آزادی کو پامال کردیگی۔ مگر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی حالت مین سلطنت کا قیام ممکن ہوجائیگا۔ امن اور انفرادی آزادی اور اخلاقی و روحانی ترقی کے بغیر فلسفہ کا یہ مطمح نظر ناممکن الحصول ہے۔

انجام کار ہم اس نتیجہ پہ پہنچے مین کہ سلطنت بنی نوع انسان کے باقاعدہ و منتظم اتحاد کا نام ہے۔

مقالہ دوم - تخیل سلطنت کا ارتقا

گذشتہ فصل مین سلطنت کو دو طرح سے دیکھا گیا ہے یعنی اول تو تاریخ سے سلطنت کا تخیل اخذ کیا گیا - اسکے بعد ہم نے یہ دیکھا کہ فلسفہ اس تخیل سے کن کن معلومات تک ہم کو پہونچاتا ہے - تاریخی نقطۂ نظر سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سلطنت مین کیا عنصر حیات ہوتی ہین - اور صرف ان باتون کو باقی رکھا ہے جو مختلف سلطنتون مین موجود ہین اور جنکا ہونا سلطنت کی زندگی کے لیے ضروری ہے - فلسفہ نے فطرت انسانی کی اس خواہش کو بتایا ہے جو انسان کے سیاسی تخیل کی ابتدائی ترین حد ہو سکتی ہے - اب فلسفہ اور تاریخ کی شہادت اس طرح قلمبند کی جاتی ہے کہ زمانہ قدیم - زمانہ متوسط اور زمانہ موجودہ کی تاریخ کو دیکھین اور اس تخیل کی رفتہ رفتہ ترقی دیکھ کر موجودہ حالت پر روشنی ڈالی جاتی ہے -

(۱) زمانہ قدیم

یونان زمانہ قدیم کی اُن سلطنتون کا حال تقریباً پردۂ اخفا مین ہے جو یونان سے قبل صفحہ تاریخ پر ترقی پانے کے بعد فنا ہو گئین - لہذا ہم یونان سے ابتدا کرتے ہین یونان قدرتی طور پر مختلف حصون مین تقسیم تھا - اور اُن مین چھوٹے چھوٹے شہر آباد تھے - ہر ایک شہر بجائے خود ایک سلطنت تھا اور دوسرے شہرون کے اثر سے

قطعی آزاد تھا۔ ان مین اکثر سلطنتین اتنی چھوٹی تھین کہ موجودہ زمانہ کے قصبے اُس سے زیادہ آبادی رکھتے ہین۔

افلاطون | افلاطون نے اپنی کتاب "جمہوریہ" مین عدل کی تشریح کی ہے۔ یونان کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس مین سیاسیات کی بحث کی گئی ہے۔ مگر یہ کتاب اتنی ہی اخلاقیات سے تعلق رکھتی ہے جتنی کہ سیاسیات کے متعلق معلومات ہم پہنچاتی ہے۔ یونانیون نے اخلاقیات کو سیاسیات کی تمہید سمجھ کر ان دونون کو قطعی ملا دیا تھا۔ اور دونون مین بہت کم فرق رکھا تھا۔

ارسطو | ارسطو نے اپنے اُستاد کی بہت کچھ تقلید کی اور صاف صاف بتا دیا کہ اخلاقیات صرف سیاسیات کا مقدمہ ہے۔ اور انسان کی یہ تعریف بتائی کہ وہ "سیاسی" حیوان ہے۔

چونکہ یونانیون کے شہرون ہی تک اُن کی سلطنت محدود تھی اس وجہ سے اُنکا تخیل سلطنت نہایت محدود تھا۔ اور وہ سلطنت کی حدود اتنی ہی وسیع سمجھتے تھے جتنی کہ موجودہ کسی انجمن کی ہوتی ہین۔ اُن کی مجلس ملکیہ مین ہر شخص شریک ہو سکتا تھا۔ اور انسانون کی کثیر تعداد سلطنت مین اس وجہ سے شامل ہو سکتی تھی کہ ایسا کرنے سے اُن سب کا وقتاً فوقتاً (ہر ماہ مین ایک یا ایک سے زیادہ دفعہ) جمع ہونا ناممکن تھا یہ مختلف شہر دو دفعہ بیرونی حملہ کے خوف سے آپس مین متحد ہوئے۔ مگر یہ اتحاد حقیقی نہ تھا اور بہت جلد اُنکا اتحاد ختم ہو گیا۔ سکندر اعظم نے جب عالمگیر فتوحات شروع کین تو یونانیون کا تخیل مدنی سلطنت سے ترقی کر کے کسی قدر وسیع ہو گیا تھا مگر

یاد رکھنا چاہئے کہ یونانیوں نے بجائے اسکے کہ اپنی طاقت اور تلوار سے وسیع ملکوں پر قبضہ کیا ہو اپنے تمدن اور تہذیب۔ علم و فلسفہ سے دنیا پر فتح پائی اور سلطنت کے وسیع تخیل اور شہنشاہیت کے شروع ہوتے ہی سکندر اعظم نوعمری کی حالت میں مرگیا تعمیری کام شروع ہونے سے پہلے سکندر کا مرجانا بہت مضرت رساں ثابت ہوا اور اس نے جو فتوحات کی تھیں وہ بہت جلد مرکزی سلطنت سے علیحدہ ہوکر آزاد ہوگئیں

روما | زمانہ قدیم کی دوسری سلطنت روما ہے۔ اس سلطنت نے ایک شہر سے شروع ہوکر اطالیہ پر اور پھر یورپ و افریقہ کے وسیع ممالک پر اپنی شہنشاہیت پھیلادی۔ رومیوں نے سلطنت کے حقیقی تخیل کی بناڈالی سب سے پہلے جس قوم نے قانون اور اخلاق کو الگ الگ درجہ دیا وہ رومی ہی تھے۔ اس سلطنت نے قانون کو رفتہ رفتہ ترقی دی اور ملت کے اصلی معنوں کو سمجھ کر اپنے ملی حقوق کی نگہداشت کی۔ بخلاف اسکے یونانیوں میں ملی احساس کبھی اس ترقی اور وضاحت کے ساتھ نہیں پیدا ہوا۔ نہ یونانیوں نے قانون و اخلاق میں صریح امتیاز ظاہر کیا۔ رومیوں نے دنیا میں عالمگیر شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی اور سلطنت کے تخیل کو روما یا اطالیہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسکی بنیاد عالمگیر سلطنت کے تخیل پر رکھی۔ لہذا مجملاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ رومیوں نے مندرجہ ذیل طریقہ سے سلطنت کے تخیل کو سمجھا۔

(۱) قانون اور اخلاق میں امتیاز کیا۔

(۲) ملی تخیل کی بناڈالی۔ اور

(۳) عالمگیر سلطنت کی ابتدا کی۔

ہندوستان — آریوں نے ہندوستان میں قدم جمانے کے بعد یہاں جو سلطنت قائم کی وہ ابتدا ہی سے مذہبی تھی رعایا اور بادشاہ میں جو تعلق تھا وہ الٰہی احکام کی پابندی میں سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے نہ تو بادشاہ نہ رعایا کو کوئی حق حاصل تھا کہ وہ کوئی قانون بنا کر جاری کر سکے۔ قوانین جاری ہوتے ستھے مگر یہ بیرونی طاقت (خدا کے یا دیوتاؤں) کے احکام کی پابندی میں ہوتے تھے قانون۔ اخلاق اور مذہب ایک دوسرے سے الگ نہ تھے اور مذہبی فرقہ کے اثر میں رہ کر راجہ کو ہر ایک کام کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح یہ ایک قسم کی آئینی حکومت تھی جس میں راجہ صدر اور برہمن مجلس ملیہ کے رکن ہوتے تھے۔ ایران میں بھی قریب قریب یہی حالت تھی اور وہاں سے جنگجو طبقہ سے بادشاہ کے اختیارات محدود ہوتے تھے۔ لہذا یہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ قدیم آریوں نے آئینی حکومت کی بنا ڈالی۔

ذاتوں کے موروثی ہونے کا اثر — مگر ہندوستان میں ذاتوں کی تفریق رفتہ رفتہ زیادہ ہوتی گئی اور کچھ عرصہ کے بعد یہ پیدائشی ہوگئیں۔ اس تفریق سے سلطنت پر بہت برا اثر پڑا اور اگرچہ سلطنت کی بنیاد مضبوط ہوگئی مگر اس کے لئے ترقی کرنا ناممکن ہوگیا وہ اپنی قدیم حالت سے آگے قدم نہ بڑھا سکی۔ اور ملی یکجہتی کو سخت صدمہ پہنچا۔

(ب) زمانہ وسطی

مذہب عیسوی — زمانہ وسطی میں تقریباً کل دنیا کی سلطنتیں تاریک زمانہ سے گزر کر موجود

کی طرف آ رہی تھیں ایشیا اور تقریباً پورے یورپ میں عیسائی مذہب پھیل چکا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ پادری اپنا اثر بادشاہوں کے خلاف الگ قائم کرنا چاہتے تھے اور بادشاہ اور امیر اپنی حکومت و اقتدار الگ رکھنا چاہتے تھے۔ اس طرح دوگونہ سلطنت کی کشمکش جاری تھی۔ ادھر کے زمانہ سے مذہب عیسوی میں تجدید شروع ہوئی اور پراٹسٹنٹ فرقہ نے رومن کیتھولک (یا قدیم مذہب عیسوی) کے خلاف تبلیغ و اشاعت شروع کی۔ اسی زمانہ میں کئی تحریکیں پہلو بہ پہلو پورے یورپ میں موجزن تھیں۔ اور ان تحریکوں ہی کی وجہ سے انقلاب فرانس نے یورپ کی حالت کو قطعی تبدیل کر دیا۔

تجدید مذہب کے وجوہ
(۱) اسلام

ساتویں صدی مسیحی میں اسلام کی تعلیم ایشیائی ممالک سے شروع ہوئی اور مسلمان تاجروں کے ہمراہ ممالک یورپ و افریقہ تک اسلام کے اصول ... تک پہنچنے شروع ہوئے۔ اسلامی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ عیسائیوں کے مذہبی اور سیاسی تخیلات میں انتشار اور ہیجان عظیم پیدا ہو گیا۔ اور اکثر سمجھدار نصرانی خصوصاً لوتھر اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اپنے مذہب کے بعض بیہودہ اثرات سے قطعی پاک کر دیں۔

(۲) یونانی فلسفہ فلسفۂ یونان کو مسلمانوں نے دوبارہ زندہ کیا۔ اور اس کے ترجمہ نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ میں بھی جاری ہونے شروع ہوئے اور مذہبی انقلاب کے علاوہ اخلاقی تجدید بھی شروع ہوئی۔

مجموعی نتیجہ اسلامی تعلیم یونانی فلسفہ کے ساتھ قدیم خیالات کو ... نکر کے

یورپ کو بہت زیادہ مدد دی - اور ملت و سلطنت کا نیا احساس شروع ہوا - مذہب کا درجہ سب سے افضل مانا جاتا تھا مگر تجدید کے بعد مذہب کو سیاسیات سے قطعی الگ کر دیا گیا ' و دقیانوس کی دو عملی ختم ہو گئی اور زمانہ جدید کی ابتدا ہوئی -

(ج) زمانہ جدید

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے بعد دُنیا میں انقلاب عظیم پیدا ہوا - اور توہم پرستی او جاہلیت سے دُنیا نے نجات پائی - غلامی اور سرمایہ داروں کے خلاف اس مذہب نے سخت جدوجہد کی اور حقیقی معنوں سے موجودہ اشتراکی تحریک کو ضبط بنیاد پر قائم کیا - ہر شخص کی آمدنی میں سے خاص رقم بیت المال ملیہ کی ملک مقرر کی گئی اور سود خوری کی قطعی حرام کردی گئی - مساوات بین الملل اور غیر متعصبانہ علوم کی تعلیم عام ہو گئی - عورتوں کو معزز و ممتاز درجہ دیا گیا اور سیاسیات کے حقیقی نظام جمہوری کو قائم کر کے تمام عالم کو ایک برادرانہ زندگی بسر کرنے پر آمادہ کیا - ایشیا سے یورپ تک علمی انقلاب پیدا کر دیا اس انقلاب عظیم نے حریت اور مساوات کے صحیح معنی ملل عالم کے ذہن نشین کر دئے جس سے یورپ میں انقلاب فرانس اور انقلاب انگلستان ہوا - اور دنیا میں آئینی جمہوریتوں کی مستقل بنیاد پڑی -

انقلاب فرانس شاہی سلطنت کے خلاف سب سے پہلے فرانس نے صدائے احتجاج بلند کی اور لوگ سیدیہ کی آنکھیں کھول دیں - یہ زمانہ نہایت سخت تھا اور ملل یورپ کی زندگی

سوال درپیش تھا - اس سخت تجربہ سے گزر چکے - ملک فرانس نے جمہوریت قائم کرلی اور اس کی پیروی میں انگلستان - جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور دیگر ممالک نے آئینی اور جمہوری نظام سلطنت بنالیا - اور ممالک متحدہ امریکہ نے بھی پرچم آزادی و جمہوریت کو بلند کیا -

سلطنت کا روحانی تخیل

جنگ عظیم کے بعد "زمانہ حال" شروع ہوتا ہے - اور ملل عالم کے سامنے ہندوستان نے سلطنت کا روحانی تخیل پیش کیا ہے - فیلسوف کے تخیل سلطنت کا یہ بہترین نمونہ ہے - تاریخ کہتی ہے کہ بغیر فوجی طاقت کے سلطنت کا قیام ناممکن ہے - فلاسفر کہتا ہے کہ فطرت انسانی عالمگیر شاہنشاہیت چاہتی ہے مگر جس کا اعلیٰ ترین نصب العین یہ ہے جو آجکل ہندوستان کل دنیا کے سامنے پیش کررہا ہے یعنی ہر شاہ و قوم کو دوسری سلطنتوں کے اثرات سے قطعی آزاد چھوڑا جائے اور آزاد ملل عالم کا اس طرح سے اتحاد قائم ہو جس میں ہر ملت و قوم پورے طور پر ترقی کرسکے اور کمزور اقوام کو انسانی ترقی کا پورا موقع ملے - اس انقلاب کا مغربی شہنشاہیت پر بہت اثر پڑا ہے اور جنگ کے بعد سے ایشیا اور مصر کی محکوم اور نیم آزاد قوموں میں آزادی اور زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے -

باب ثالث

منطق اور اخلاقیاتِ سیاست

مقالہ اوّل سیاسی اصطلاحات

زبان اُردو

ہر ایک زبان عالم ارتقا مین ہے۔ اور کوئی زبان ایسی نہ مین جسمین انسانی جذبات وخیالات مکمل طریقے سے ظاہر کئے جاسکین۔ اکثر تشبیہ واستعارہ۔ رمز وکنایہ سے خیالات کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ اُردو زبان اِس لحاظ سے دُنیا کی دوسری زبانون پر فوقیت نہین رکھتی۔ تاہم اس زبان کے مآخذ اتنے وسیع اور گوناگون ہین کہ نئے الفاظ بنالینا اِسکے لئے بہت آسان ہے۔ اِس وسعت نے جو خرابی پیدا کردی ہے وہ بھی اتنی ہی وسیع ہے۔ اور موجودہ علمی مباحث مین خصوصاً کسی نئی اصطلاح کو مخصوص معنون مین استعمال کرنا نہایت مشکل ہوجاتا ہے۔ لہذا ابتدا ہی مین ہمارا فرض ہے کہ علمی اصطلاحات وتعریفات کو صاف اور واضح کردین جب تک یہ نہوجائے کہ ہم کسی علم کو علم نہیں کہہ سکتے چونکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی لفظ مختلف معنون مین استعمال ہوتا ہے۔ عوام مین کچھ معنی ہوتے ہین خواص مین کچھ۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ اصطلاحات کے صحیح اور جامع معنی بیان کردینے کے بعد آئندہ اُن کے استعمال مین احتیاط کی جائے۔

اصطلاحات کا غلط استعمال۔

عوام کی مہربانی خطیبون کی گرمی سخن۔ اخبارات وتراجم کی خرابیون کی وجہ سے سیاسی اصطلاحات عجیب اور بسا اوقات غلط معنون مین استعمال ہونے لگے ہین۔ حق۔ سوراج۔ حکومت۔ قوم۔ جرم۔ آزادی۔ اور اسی قسم کی بہت سی سیاسی اصطلاحات مقرر ومحرر کے ذاتی نقطۂ خیال کی وجہ سے نئے رنگون مین

ظاہر ہوتی ہین - دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت سی اصطلاحات کسی خاص زمانہ یا خاص نظام حکومت مین نئے معنی حاصل کر لیتی ہین - مگر وہی اصطلاحات دوسرے زمانہ یا نئے دور حکومت مین دوسرے معنون مین استعمال ہونے لگتی ہین - سیاسیات و خلاقیات کی اصطلاحین بہ نسبت دیگر علوم کے زیادہ مستعمل ہوتی ہین چونکہ ہماری زندگی سے یہ علوم بہ نسبت دیگر علوم کے قریب تر ہین - اسی وجہ سے ان علوم کی اصطلاحات اکثر مختلف معنون مین استعمال ہونے لگتی ہین - تیسری زبردست خرابی اسوقت پیدا ہوتی ہے جب ایک قوم دوسری قوم یا ایک سلطنت دوسری سلطنت کی اصطلاحات کو جاننا چاہتی ہے - اور نئے خیالات کے لئے الفاظ جدیدہ کا اختراع شروع ہوتا ہے - موجودہ زمانہ مین مغربی اقوام کے بعض ایسے تخیلات مشرق مین رائج ہو چلے ہین جنکا مشرقی زبانون مین مشکل سے مترادف مل سکتا ہے -

سیاسی اصطلاحات کی دو بڑی قسمین کی جاسکتی ہین - اول وہ جو سب سے زیادہ عام اور ضروری ہین - دوسرے وہ جو اتنی ضروری نہین اور جنمین کثرت سے تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے - ان اصطلاحات کے لئے صرف چند اشارات بتائے جاسکتے ہین چونکہ انکی نہ مکمل فہرست لکھی جاسکتی ہے اور نہ ہرایک کا الگ الگ استعمال لکھا جاسکتا ہے - البتہ اول الذکر اصطلاحات کا بیان کسی قدر تفصیل سے کیا جانا ضروری ہے -

۱ - سلطنت یا دولت

سیاسیات کا مرکزی تخیل سلطنت ہے - اور اگر ایک دفعہ اسکے صحیح معنی سمجھ لئے جائین

تو نہایت خطرناک غلطیوں سے حفاظت ہوسکتی ہے - یہ امر قابل لحاظ ہے کہ سلطنت (یا دولت) کا موجودہ تخئیل اُسوقت تک پیدا نہین ہوا جب تک کئی سلطنتین پہلو بہپلو قائم نہین ہوئین - اور اُن مین سے ہرایک نے اپنی ہستی - آزادی اور اتحاد کو دنیا کے سامنے پیش نہین کیا - ان معنون مین کوئی سلطنت اُسوقت تک قائم نہین ہوتی جبتک کہ ایک سے زیادہ سلطنتین پہلو بہپلو قائم نہ ہوگئی ہون - مگر قیام سلطنت کے لئے ملت و ملک کا ہونا ضروری ہے - بغیر ان دو چیزون کے سلطنت قائم نہین ہوتی - اس کا مفصل بیان آئندہ باب مین کیا گیا ہے - مختصراً یہ کہ کسی ملک مین ایک یا ایک سے زیادہ اقوام کا ملت کے درجہ پر پہونچ جانے اور قانونی نظام حکومت قائم کرنے کو سلطنت کہتے ہین -

لفظ سلطنت کا عوام اکثر غلط استعمال کرتے ہین ایک حد تک قابل معافی ہے مگر ماہرین سیاست اور مدبرین ملک اگر اسکا غلط استعمال کرین تو قابل افسوس ہے - بعض اوقات سلطنت کے یہ معنی لئے جاتے ہین کہ یہ حاکمون کی جماعت کا نام ہے - بسا اوقات سلطنت سے ملت مراد لی جاتی ہے - قانون بین الملل سلطنت کے انوکھے معنی ہین یعنی یہ ایک چیز سمجھی جاتی ہے - جو چند خاص حقوق (یعنی اپنی مانند دوسری چیزون سے آزاد ہوتی ہے اور اسمین حکومت خود اختیاری قائم ہوتی ہے) رکھتی ہے -

۲ - حکومت

جب کوئی جنگجو قبیلہ کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو وہ بذات خود ایک خاص قانون کا پابند ہوتا ہے - اگر یہ حملہ آور گروہ فطرتاً بغاوت پسند ہو اور حملہ کرنے سے اسکی غرض

صرف لوٹ مار اور بدامنی پھیلانا ہو تو ایسی صورت مین کوئی سلطنت قائم نہیں ہو سکتی اور نہ ملی بیداری ہی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ مفتوح اقوام مین حکومت کی عادت پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ اس لئے حملہ ہونے کے بعد حملہ آور اور مفتوح اقوام مین یہ عادات ترقی پا جاتی ہین۔

حکومت کی عادت سے ہمارا یہ مطلب نہین ہے کہ انسان کی تعداد کسی ایک شخص یا چند افراد کے تابع فرمان یا مطیع ہونے کی عادت رکھتی ہو۔ اس قسم کی اطاعت کی عادت اس صورت مین بھی موجود ہو سکتی ہے۔ جبکہ محکوم ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہون اور کوئی اندرونی اتحاد نہ ہو۔ ہمارا منشا یہ ہے کہ کسی ملت مین قانون کی پابندی کی عادت کا پیدا ہونا نہایت مشکل ہوتا ہے یہ عادت نئی ملت مین جلد پیدا نہین ہوتی۔ نظام ملت کے قیام مین خاص وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور فطرتاً کسی ملت کو پابند آئین وقانون بنانے مین سخت دشواریان پیش آتی ہین۔ یہ عادت مذہبی رسوم۔ اجتماعی روایات خوجی قواعد اور خاندانی جذبات سے پیدا ہوتی ہے۔ اور سب سے آخر مین اسکی بنیاد بین الملل رقابت اور مقابلہ سے ترقی پاتی ہے۔ قانون کی پابندی کی عادت سے قانون کی خواہش۔ بغاوت سے نفرت اور امن کے توڑنے والون کے خلاف پوری ملت مین غصہ اور عناد پیدا ہو جاتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ قانون پوری ملت کی طرف سے نافذ ہوتا ہے اور اُسکے جاری کرنے اور بنانے والے وہ خود ہوتے ہین۔

---

۳ - قانون

حکومت اور قانون کا نہایت قریبی تعلق ہے۔ گر موجودہ تحقیق و تنقید نے دونوں تخئیلات مین کافی امتیاز اور فرق پیدا کر دیا ہے تاریخ شاہد ہے کہ قدیم زمانہ مین ایسی جماعتین موجود تھین جنمین حکومت کا قیام تو نہین ہوا تھا لیکن قانون موجود تھا بنی اسرائیل نے جب حضرت ہجرت کی تو اُنکی یہی حالت تھی اور اگرچہ کوئی حکومت نہ تھی مگر قانون موسی جاری تھا۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ عرصہ تک حکومت قائم رہنے کے بعد قانون کا ظہور ہوا کرتا ہے لیکن دونون صورتون مین قانون کی خصوصیات موجود ہوسکتی ہین۔ حکومت کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ اُن قوانین کو قائم رکھے یا اُن مین ترمیم و تنسیخ کرتی رہے۔

روایات قدیم اور پُرانے دستور اکثر قانون کی صورت مین ظاہر ہوا کرتے ہین۔ اور اگر کوئی سلطنت کسی قوم پر اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد اُنکے قدیم قوانین کی جگہ اپنے جدید قوانین جاری کرے تو سخت مشکلات اور بعض اوقات انقلاب کا سامنا ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ سکندر نے مصر کے انتظام مین۔ رومیون نے اکثر مفتوحہ ممالک مین۔ اور مسلمان فاتحون نے اِس خطرے کو پورے طور پر محسوس کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے اُنھون نے اپنے قوانین کو بتدریج پھیلایا۔ اور مسلمانون نے تو نہایت ہی قلیل عرصہ مین ممالک مفتوحہ مین اپنا قانون و اخلاق پھیلا دیا جسکی وجہ یہ تھی کہ یہ قوانین مفتوحہ اقوام پر جبریہ نافذ نہین کئے جاتے تھے بلکہ اُنکو اپنے معاملات مین پوری آزادی دے دی جاتی تھی اور وہ خود اسلامی قوانین کو بہتر سمجھ کر اُنکے ماننے پر تیار ہو جاتے تھے۔

انگریزون نے آئرلینڈ مین اس حکمت عملی کے خلاف کارروائی شروع کی اور اسکا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ بنگال مین تقسیم کرنے اور پرانے قوانین کو توڑنے کی وجہ سے بغاوت کی سی حالت پیدا ہوگئی تھی۔ اسی طرح ہندوستان کی قدیم روایات کے خلاف جو قانون (مثلاً رولٹ ایکٹ۔ قانون اسلحہ) جاری کیا جاتا ہے اُس سے سخت بےچینی پیدا ہوجاتی ہے۔

لہذا قانون کے حقیقی معنی یہ ہوسکتے ہین کہ وہ سلطنت کی قوت ارادی کا مظہر ہو اور حکومت کے ذریعہ سے شائع کیا گیا ہو۔ قانون اور رسم و رواج کا قریبی تعلق ہے۔ اور عموماً قیام بات دسلطنت کے بعد قانون کا حقیقی تخیل پیدا ہوتا ہے۔ غیر مکمل جماعات مین صرف غیر حقیقی قانون ہوسکتا ہے۔

تحریر شدہ اور غیر تحریر شدہ قانون

حقیقی معنون مین قانون کا وجود کسی نہ کسی سلطنت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسی صورت مین یہ ضروری نہین ہے کہ کل قانون قلمبند ہو جائے۔ نہایت ترقی یافتہ قانون کی خصوصیات یہ ہین کہ یہ سلطنت کے کل افراد کے لئے یکسان ہو اور نہایت واضح ہونے کے علاوہ مبہم نہ ہو یعنی اُسکے دو معنی نہ پیدا ہوسکین۔ ساتھ ہی اسکا نفاذ عام طور پر سطح کیا جاوے کہ اُسپر عوام تنقیدی نگاہ ڈال سکین۔ اکثر ایسا ہوتا ہے نہایت ترقی یافتہ سلطنتون مین قانون کا بہت بڑا حصہ تحریر شدہ نہین ہوتا۔ اسکے کئی وجوہ ہوسکتے ہین۔ ایک سبب یہ ہے کہ اکثر سلطنتون مین مذہبی طبقہ کے لوگ قانون کے محافظ سمجھے جاتے ہین اور انکو اتنا کافی وقت بھی ملتا ہے کہ وہ اسے حفظ کرین۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ

اکثر اوقات پرانی رسوم کی پابندی کی جاتی ہے اور قانون تحریر نہین کیا جاتا۔

انضباط قانون دُنیا مین غالباً سب سے پہلے مصر مین قانون کا انضباط شروع ہوا۔ ہندؤن کا پورانا قانونی نظام منو کے زمانہ مین مکمل ہوچکا تھا۔ اور اسی طرح اکثر اقوام مین قانون کے مختلف ضابطہ اپنی ضروریات کی وجہ سے بنتے جاتے تھے مسلمانون مین فقیہون کی جو کثرت ہوئی ہے وہ ظاہر ہے۔ اور موجودہ زمانہ مین تو غالباً کوئی ملک و ملت ایسی نہ ہوگی جس مین تدوین وانضباط قانون نہ ہوا ہو یا نہ ہورہا ہو۔

حقیقی یا اصلی قانون وقتی ضروریات کے لئے حکومت کی طرف سے جو احکام نافذ ہوتے ہین وہ حقیقی قانون نہین کہے جاسکتے۔ جو قانون مستقل۔ عام۔ اور اسی قدر باوقعت نہ ہو اور صرف تھوڑے عرصہ کے لئے کسی وقت یا ضرورت کے رفع کرنے لئے نہ بنایا گیا ہو اُسے حقیقی قانون کے زمرہ مین نہین داخل کیا جاسکتا۔

بہرحال اس تفریق کو آسانی سے سمجھنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی قانون وہ ہے جسے مجلس واضع قوانین جاری کرے۔ چونکہ قوت اجرائی قانون بنانے کا اختیار نہین رکھتی بلکہ قوانین پر عمل کراتی ہے اور اُنکا نفاذ کرتی ہے لہذا وہ قوانین جو مجلس قانونی کے احکام کی مطابقت مین حکومت کی طرف سے جاری ہوتے ہین حقیقی قوانین نہین کہے جاسکتے بلکہ انکا تعلق قوت اجرائی سے ہوتا ہے۔ اس قسم کے قوانین ریلوے کمپنی بلدیہ اور پولیس وغیرہ کے ماتحت قوانین مین۔

سلطنت کی مختلف قوتون کا ذکر اقسام حکومت کے بیان کردینے کے بعد کیا جاتا تو

زیادہ موزون ہوتا۔ لیکن چونکہ لفظ قانون کی تفصیل ہو رہی ہے لہذا اسی سلسلہ مین ان قوتون کا بیان زیادہ بے موقع نہوگا۔ چونکہ سلطنت اتحاد ملی کی وجہ سے قائم ہوتی ہے۔ اسلئے وہ اپنے اعمال کو تقسیم کردینے کی وجہ سے اس اتحاد کو کم نہین کرسکتی۔ ارسطو نے (سیاسات ارسطو باب ۱۴) سیاسی افعال کو تین قسمون پر تقسیم کیا ہے۔ یہ تقسیم درج ذیل ہے

(۱) غور کنندہ۔ اسکے متعلق قانونسازی صلح وجنگ کرنا اور مالیات کا استعمال کرنا تھا۔

(۲) حکومت کنندہ۔ اسکے متعلق وہی امور تھے جو موجودہ زمانہ مین حکام اجرائی کے ہین۔

(۳) انصاف کنندہ۔ یہ تیسری جماعت موجودہ قاضیون (ججون) کی جماعت کے مطابق تھی

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یونان اور روما الکبری مین یہ تینون افعال (یا صفات) ایک ہی شخص کی ذات مین جمع ہوجاتے تھے۔ لیکن قانون سازی اور انصاف کرنے کے اختیارات کا ایک شخص مین جمع ہوجانے کے یہ معنی ہین کہ رحم وانصاف کو ایک جگہ کردیا گیا اسلئے رحم کرنے کے حق واختیارات کو الگ کردینا زیادہ مناسب ہے تاکہ قانون کے الفاظ کی بجائے انکے معنون پر عمل شروع ہو اور قانون کی سختی مین اعتدال پیدا ہوجائے۔

موجودہ زمانہ مین قانون ساز۔ اجرائی۔ اور انصاف کنندہ شعبون کو الگ کردینا بہتر خیال کیا گیا ہے۔ مگر سلطنت کا اتحاد قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اگرچہ ان تینون شعبون مین امتیاز رکھا جائے مگر ان کو قطعی علیحدہ نہ کیا جائے۔ اسکے ساتھ ایک غلط خیال بھی عام طور سے رائج ہے۔ وہ یہ کہ مختلف شعبون کی قوت اور انکا درجہ مساوی ہے اس سے سلطنت کی زندہ ہستی ہونے کا انکار لازم آتا ہے۔ زندہ ہستی کے مختلف اعضا

اپنا اپنا کام کرتے ہین مگر ایک دوسرے کے ماتحت رہنا انکے لئے ضروری ہے۔ ورنہ اتحاد و تعلقِ کُل مین فرق آجانا ضروری ہو جاتا ہے۔ سر کو نہ جسم سے الگ کیا جا سکتا ہے اور نہ باقی جسم کے برابر سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو یقیناً انسان کی موت کا باعث ہوگا۔"

قوت قانونسازی جس طرح دوسرے شعبون کا ماتحت افعال سے تعلق ہے اسی طرح قانونسازی کا بحیثیت مجموعی پوری سلطنت سے تعلق ہوتا ہے۔ لہذا اسکا بیان پہلے کرنا ضروری ہے۔ یہی قوت سلطنت کا نظام اور قانون بناتی ہے۔ اور پوری سلطنت کے مستقل رشتون کو ایک نظام مین وابستہ کرتی ہے جب تک اس قوت کے حقوق کا بیان نہ کر دیا جائے۔ دوسری قوتون کی تقسیم نہین کی جا سکتی۔

نفسیات مین قوت ارادی اور قوت عاملہ کا فرق ظاہر کیا گیا ہے اسی طرح قانونسازی قوت ارادی ہے اور اجرائی قوت کو قوت عاملہ کہا جا سکتا ہے لیکن نفسیات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ دونون قوتین الگ الگ نہین پائی جاتین بلکہ ایک کے لئے دوسری قوت کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح قوت قانونسازی اور قوت اجرائی مین ایک دوسری قوت کا کوئی جزو ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک قوت بہت زیادہ ہو اور دوسری قوت بہت کم۔ مگر جس طرح جزو سے کُل زیادہ ہوتا ہے اسی تناسب سے قانونسازی کی قوت دوسری قوتون کی نسبت اعلیٰ رتبہ رکھتی ہے۔

قوت قانونسازی کے علاوہ دیگر قوتین جو سلطنت مین عمل کرتی ہین وہ چار

نوٹ لے ملتشلی سلوٹین صفحہ ۱۴۶

حصوں میں منقسم ہو سکتی ہیں۔ جنمیں سے دو زیادہ ضروری ہیں یعنی:

۱- حکومت یا انتظام قائم رکھنے کی قوت۔

۲- انصاف کرنے کی قوت۔

انکے علاوہ دو اور قوتیں ہیں جو عموماً حکومت (عاملہ) کے ماتحت سمجھی جاتی ہیں مگر حقیقتاً حکومت کا جزو انہیں بہت کم پایا جاتا ہے اور وہ اُس سے علٰحدہ معلوم ہوتی ہیں یعنی۔

۳- تہذیب و تمدن کے دماغی عناصر کی نگہداشت۔

۴- مادی ذرائع ترقی کا انتظام اور نگہداشت (معاشیات)

۱- حکومت اور قوت اجرائی

غلطی سے قوت اجرائی کو حکومت کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اس اصطلاح سے نہ تو حکومت کا مطلب صاف سمجھ میں آتا ہے اور نہ اسکا قانونسازی اور انصاف کرنے والی قوت سے تعلق معلوم ہوتا ہے حکومت کے بہت سے قوانین کا اجرا بغیر کسی جبر کے ہو جاتا ہے اور قوت اجرائی جبر سے کسی قانون پر عملدرآمد کرانے کو کہتے ہیں۔ اور حکومت صرف اجرائی طاقت ہی نہیں بلکہ کسی حد تک غور و خوض کرنے والی طاقت بھی ہوتی ہے۔ قوت اجرائی حکومت کی ماتحت قوت کا نام ہے جسے غور کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔ قانونساز جماعت کے قوانین کا اعلان کرنا اور اوسکو سنوانا حکومت کا کام ہے لہذا یہ صاف ظاہر ہے کہ کسی قانون کا شائع کرنا اُسکے اجرا کرنے کا مترادف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عدالت کے کسی فیصلہ کا اجرا ہونا حقیقتاً

قوت انصاف کا ایک جزو ہے۔ اور یہ انصاف کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے اور حکومت ہے۔ یہ شعبہ اسوقت تک کوئی مدد نہین مانگتا جب تک کہ اسکی قوت ناکافی ہو۔ بہرحال اس لطیف بحث کو ہم آئندہ پر چھوڑ دیتے ہین اور مختصراً دیگر قوتون کا ذکر کر دیتے ہین۔

قوت انصاف | قوت انصاف عموماً اُس قوت کو مانا جاتا ہے جو انصاف کرے۔ لیکن قوت انصاف کا مقصد انصاف کرنا نہین بلکہ قانون کے مطابق عمل کرانا بھی ہے۔ لہذا موجودہ زمانہ مین قوت انصاف کو حکومت سے قطعی الگ رکھا جاتا ہے۔

۴۔ ملت اور قوم

ہماری زبان مین ملت۔ قوم۔ امت۔ گروہ۔ جماعت گروغیرہ اصطلاحات کا تمیز نہین کیا جاتا۔ اور یہ الفاظ ایک دوسرے کے مترادف سمجھے جاتے ہین۔ لہذا یہ بتا دینا ضروری ہے کہ گروہ کسی بے قاعدہ مجمع کا نام ہے۔ جماعت کسی خاص خصوصیت کو مدنظر رکھکر پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً دولت۔ یا علم۔ یا پیشہ۔ اور ان خصوصیتون سے جماعت دوسری جماعتون سے الگ ہو جاتی ہے قوم کسی ایک نسل کے باشندون کو جو عرصہ سے ایک ہی تمدن و تہذیب زبان اور رسم و رواج رکھتے ہون کہتے ہین اور جب ایک اور ایک سے زیادہ اقوام یا مختلف اقوام کے حصے اس طرح متحد ہو جائین کہ وہ اپنی سلطنت قائم کرلین اور اُن کی سیاسی ہستی دوسری سیاسی ہستیون و سلطنتون سے الگ اور آزاد ہو جائے تو انھین ملت کہتے ہین۔ اس تفریق کا مفصل بیان آئندہ ہوگا۔

۵ - سوراج

سوراج یا حکومت خود اختیاری کے متعلق ہندوستان کے سیاسی حلقوں مین طویل بحثین ہو رہی ہین اور اسکی تعریف کرنے مین مختلف فرقے کوشان ہین - ایک فرقہ کہتا ہے کہ سوراج ملک کے باشندون کی اندرونی آزادی کا نام ہے - اندرونی آزادی سے یہ مراد لیجاتی ہے کہ کسی بیرونی سلطنت کو ملکی قوانین بنانے مین دخل نہ ہو - یہ خیال اُس طبقہ کا ہے جو عرصہ دراز سے غلامی کی زندگی بسر کرنے کے بعد آزادی کے تخیل کو بھی فراموش کر چکا ہے - دوسرا فرقہ اُن لوگون کا ہے جو کہتے ہین کہ حکومت خود اختیاری یا سوراج مکمل اندرونی اور بیرونی آزادی کا نام ہے - اور حقیقت یہ ہے کہ ہر ملت و قوم کو اپنے لئے اندرونی قوانین بنانے و اپنے ہمسایون سے تعلقات (خارجی) قائم کرنے کا قدرتی حق ہے -

---

نوٹ: اسی ضمن مین لفظ آزادی کی مختصر تشریح بھی ضروری ہے - آزادی ہمیشہ کسی چیز کے مقابلہ مین ہوتی ہے اسی وجہ سے یہ اصطلاح مطلق معنون مین استعمال نہین کی جاتی - مطلق آزادی ایک بے معنی چیز کا نام ہے - لہذا سیاسی آزادی بھی اگرچہ بعض شرائط سے محدود ہوگی مگر یہان اسکا اقتضا یہ ہے کہ یہ آزادی پوری ملت کے خیالات و ضروریات اور فطرتی قوانین کے موافق ہو -

مقالۂ دوم سیاسی استدلال

موجودہ زمانہ کی ترقی یافتہ اور مہذب سلطنتوں مین اب تک فصاحت و بلاغت سے بہت سے کام نکل جاتے ہین - مؤثر اور جذبات کے بھڑکانے والی تقریرون کا اثر فطرتاً انسان پر ہوتا ہے - لیکن یہ اثر زیادہ تر اُن جمہوریتون مین زیادہ ہوسکتا ہے جو براہ راست ہر فرد ملت کو مجالس علیہ مین آنے اور تقریر کرنے کی اجازت دیتی ہین - تقریر اور تحریر مین لفاظی و فصاحت کا اثر زمانۂ قدیم کی نسبت آجکل بہت کم ہو رہا ہے - اور اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ تعلیم اور صحافت کی ترقی کی وجہ سے رائے عامہ اُن باتون کو زیادہ پسند کرتی ہے جو بالکل منطقی ہون اور صرف جوش اور جذبات کی بنا پر رائے نہین قائم کی جاتی - سیاسی استدلال مین تاریخ و تقویم سے بہت زیادہ مدد لی جاتی ہے لیکن ان کا بیان کرنے سے پہلے ہمین یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اجتماعی معاملات کے متعلق ہر قسم کے سیاسی استدلال کی بنا اُن اصولون پر ہوتی ہے جو انسان کی فطرت سے متعلق ہین - مگر عام طور سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ نفسیات کے مطالعہ کرنے والون کے کلیات کو خیالی دلایل سمجھ کر اتنی وقعت نہین دی جاتی جتنا اُس گروہ کے دلائل اور کلیات کو مانا جاتا ہے جو تاریخ اور تقویم سے تجربہ کی بنا پر نتائج و کلیات کا سامان مہیا کرتے ہین - ابتدا ہی مین یہ بتادیا گیا ہے کہ فلسفہ کی ضرورت فطرت انسانی کے سمجھنے اور کلیات قائم کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے - اور چونکہ وسیع پیمانہ پر اقتصادی اور سیاسی تجربات کرنا اور حالات و واقعات کو اپنی خواہش کے مطابق چلانا ہماری

طاقت سے باہر ہے لہذا تاریخ سے ہمیں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

سیاسیات میں ہر عامی اور جاہل اپنے آپ کو رائے زنی کرنے اور کلیات عامہ بنانے کا اہل سمجھتا ہے۔ اس طبقہ کو اس بات کا خیال نہیں کہ دنیا کے معمولی کاروبار میں وہ شخص نہایت بیوقوف سمجھا جاتا ہے جو کسی علم سے نابلد ہو کر اسکا ماہر ہونیکا دعویٰ کرے مثلاً وہ شخص جو مشین بنانا تو کجا اُسکے پرزوں کے نام سے بھی واقف نہیں اس مشین میں ترمیم و تنسیخ کرنا چاہے تو ہر شخص اسے یا تو بیوقوف سمجھے گا یا مجنون۔ بخلاف اسکے سیاسیات میں ہر ایک کو یہ دعویٰ ہے کہ اگرچہ وہ فلسفہ اور تاریخ سے قطعی نابلد ہو اُسکی رائے نہایت صائب ہے۔ اور اُن لوگوں کی رائے جو اُن علوم کے ماہر ہیں غلطی پر ہے اس مغالطہ کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنے تجربہ کی بنا پر رائے زنی کرتا ہے اور کلیات بناتا ہے۔ اور نتائج اخذ کرنے کے وقت وہ کسی مسئلہ کے صرف ایک پہلو کو دیکھتا ہے اور دوسرے حالات و واقعات کو قطعی فراموش کر کے غلط نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً یہ دلیل کہ چونکہ انگلستان میں مشینوں کے استعمال سے دولتمندی میں ترقی ہوئی لہذا ہندوستان میں بھی وہی اثر ہوگا سراسر غلط ہے۔ وہ انگلستان کی جغرافیائی۔ ملکی اور تمدنی خصوصیات کا موازنہ ہندوستان کی حالتوں سے نہیں کرتا اور اسی وجہ سے یکطرفہ رائے قائم کرتا ہے۔

منطق کے مطالعہ سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان نتائج سے جو متعدد اسباب سے پیدا ہوتے ہیں صرف مطالعہ اور تجربہ کی بنا پر کلیات عامہ بنائے جا سکتے ہیں لیکن یہ امر اتنا مشکل ہے کہ تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ فطرت انسانی اتنی پیچیدہ ہے کہ اگر

ایک واقعہ بھی نظر انداز ہوگیا تو نتیجہ غلط ہوجائیگا۔ اور اس کلیہ پر دوسرے حالات یا معاملات کا قیاس کرنا غلط نتائج پیدا کریگا۔ لہذا سیاسیات مین استقرا اور قیاس دونون مین اُسوقت تک نہایت دقت ہے جب تک تاریخ و فلسفہ پہلو بہ پہلو اور نہایت احتیاط و مطالعہ کے بعد نہ استعمال کئے جائین۔ چونکہ اس کتاب مین سیاسی استدلال کی تفصیل کی گنجائش نہین ہے لہذا صرف اشارات اور مغالطون کے بتا دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ مفصل بیان آئندہ کسی مستقل کتاب مین درج کیا جائیگا۔

تاریخ۔ | سیاسیات مین ایسے نتائج کا جمع کرنا جو ہر زمانہ اور ہر ملک و ملت کے لئے موزون ہون ناممکن ہے۔ اور اسی بنا پر اکثر غلط استدلال ہونے کی گنجائش ہوجاتی ہے تاہم روز بروز ایسے قواعد کلیہ کی ترقی ہوجاتی ہے جو نہ تو ملت کی ہر حالت مین صحیح ہوسکتے ہین اور نہ زمانہ کی ترقی کے بعد یا سیاسی تبدیلیون کی وجہ سے صحیح رہ سکتے ہین بہرحال تاریخ سے سیاسی حقیقتون کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ اسکا مطالعہ یکطرفہ نہو بلکہ اسکا وسیع اور مکمل مطالعہ کرنے کے بعد نتائج اخذ کئے جائین۔

تقویم۔ | سیاسیات کو اُن تقاویم سے بہت زیادہ مدد مل سکتی ہے جو مہذب سلطنتون مین آجکل کثرت سے تیار کی جاتی ہین۔ سیاسی۔ تمدنی۔ معاشی۔ تجارتی اور دیگر شعبون کے متعلق ہر قسم کی معلومات اور صحیح اعداد و شمار ہر سال بلکہ سال مین کئی کئی دفعہ شائع ہوتے رہتے ہین۔ انکے مقابلہ اور موازنہ کے بعد تقریباً ہر قسم کے صحیح نتائج کا استنباط ہوسکتا ہے۔ لیکن اس بات کے خیال رکھنے کی سخت ضرورت کہ بعض قواعد

کلیہ اور مسلمات عامتہ جو اپنے علوم کے حدود کے اندر صحیح ہین سیاسیات مین عجیب نتائج اور مغالطے پیدا کر سکتے ہین۔ اور عوام پر انکا اثر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ مشکل سے دور ہوتا ہے۔ اس قسم کے استدلال کی دو مثالین مندرجہ ذیل ہین:۔

یکطرفہ استدلال کی مثالین۔

مالتھوس نے ایک قاعدہ کلیہ نہایت استدلال کے ساتھ ثابت کیا وہ یہہ ہے کہ "آبادی کی تعداد خوراک کے پیداوار کے مقابلہ مین روز افزون ترقی پر ہے" یہ مجموعی طور پر اجتماعی۔ معاشرتی اور طبعی واقعہ تھا۔ جسے ہر طریقہ پر مدبر استعمال کر سکتے تھے۔ مگر اسکا یکطرفہ استعمال کیا گیا اور صرف اس بات پر زور دیا گیا کہ واضعان قانون ایسے قوانین جاری کرین جن سے آبادی مین ترقی نہ ہو تاکہ خوراک کے حاصل کرنے مین دقت نہ ہو۔

(۲) معاشیات کا مسلمہ ہے کہ بجائے ہاتھون سے محنت کرنے کے مشین اور کلون سے کام کرنا قومی دولت کو ترقی دیتا ہے۔ اس سے مزدورون کی تنخواہون مین اضافہ اور انکی بہتری کی صورتین پیدا ہوتی ہین۔ مگر اس طرز عمل کو اگر ایسے ملک مین جہان مزدوری پیشہ جماعت کی کثرت ہے استعمال کیا جاوے (مثلاً ہندوستان) تو ابتدا مین عرصہ تک افلاس و تنگدستی اور عام تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت مین اگر ملی حکمت عملی کی بنیاد قاعدہ اولی پر رکھی جائے اور دوسرے جزو کو چھوڑا جائے تو یقیناً غلط نتائج پیدا ہونگے۔

سیاسی استدلال کی غلطیان

متذکرہ بالا غلطیون کے علاوہ کثرت سے سیاسی استدلال مین

فلطیاں کی جاتی ہین - وجہ یہ ہے کہ قدیم روایات اور رسوم کا انسانی فطرت پر ایسا لامعلوم اثر پڑتا ہے کہ پرانے اور غلط سیاسی اعتقادون پر غیر محسوس طریقہ سے انسانونکا بھروسہ ہوجاتا ہے - اس زمرہ مین مندرجہ ذیل خیالات داخل کئے جاسکتے ہین -

(۱) عام طورسے یہ خیال کہ بادشاہ یا راجہ خواہ وہ کیسی ہی خراب حکومت کرتا ہو خدائی حکم سے حکومت کرتا ہے اسوجہ سے اُسکی اطاعت فرض ہے -

(۲) یونان اور روما مین غلامی کے رواج کو غیر فطرتی نہین مانا جاتا تھا بلکہ سلطنت کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا -

(۳) کل انسانون کے حقوق مساوی سمجھے جاتے ہین خواہ اُسکی دماغی وروحانی ترقی کتنی ہی کم ہو -

(۴) عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو کسی علم کے حاصل کرنے مین زیادہ وقت صرف کرتے ہین اور اُسمین خصوصیت سے فضیلت کا درجہ حاصل کرتے ہین زیادہ قابل وقعت ہین اور اُنکی راے سیاسیات مین نہایت مفید ہے - مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جتنا زیادہ وقت خاص طورسے طبعی علوم (مثلاً طب - کیمیا - طبیعات) وغیرہ مین صرف کرتے ہین اُتنا ہی کم فطرت انسانی کے سمجھنے کا موقع پاتے ہین - لہذا صرف فلاسفر - مقنن اور مورخ (وغیرہ) ہی سیاسیات مین بہتر طریقہ اور عمدہ اصلوب سے کام کرسکتے ہین - چونکہ ایسے ہی لوگ فطرت انسانی اور سیاسی زندگی کا وسیع مطالعہ کرسکنے کا موقع پاتے ہین -

مقالۂ سوم - سیاسیات مین حق و باطل

اس امر سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہین کر سکتا کہ جس طرح انسان کے طرز عمل اور چال چلن کے متعلق حق و باطل - فرض و وجدان - اخلاق و بداخلاقی اور اچھا اور برا کہا جا سکتا ہے اسی طرح ان الفاظ کا استعمال سلطنتون اور حکومتون کے متعلق بھی ہو سکتا ہے - اسمین شک نہین کہ زیادہ پیچیدہ اور وسیع سیاسی معاملات مین اس قسم کی تحقیقات مشکل ہو جاتی ہے - اور اکثر معاملات مین تو رائے زنی بالکل ناممکن ہے - تاہم یہ ظاہر ہے کہ رائے عامہ حکومت اور قانونی مجالس کے احکام و قوانین پر سختی سے نکتہ چینی کرتی ہے -

اخلاقیات

مشرقی دنیا مین خصوصاً اور مغرب مین ازمنۂ وسطیٰ تک، سیاسیات کی بنیاد اخلاقیات پر رہی ہے - انگلستان کے مشہور شاعر کولرج نے انجیل کو مدبر کی رہنما قرار دیا ہے - اور انجیل و شریعت موسوی کے اخلاقی اثرات کو خوب ثابت کر کے واضح کر دیا ہے - مگر مشرق مین جتنی کتابین سیاسیات پر لکھی گئی ہین اور جتنی قومون نے سیاسی ترقی کی اُس کو نہ صرف زمانہ قدیم مین بلکہ اب تک اخلاقی بنیاد پر قائم کرنے کی کوشش کی ہے - اس قسم کے اخلاقی مدبرون مین ہمارے سامنے کوئی ایسا مدبر نظر نہین آتا جس نے عمل کو (بالکل اخلاقیات کی اصطلاح کے طور پر) سیاسیات کا اصل اصول نہ قرار دیا ہو -

سلطنت یا ملت افراد ملت سے ہر قسم کی خدمت کی مستحق ہے اور اس خدمت کو حکومت اور وقار کے ساتھ اُن سے طلب کر سکتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ افراد کا تعلق نہایت چھوٹے (مثلاً خاندان) نہایت وسیع (مثلاً شہنشاہی) نظام سے ہو۔ مگر بمقابلہ سلطنت کے ان دونوں کے حقوق کم درجہ کے سمجھے جاتے ہین اور انسان کا فرض اولین یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اُس نظام سلطنت کا وفادار ہو جسکا وہ باشندہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطنت کا وجود نظام عالم مین ایسا ہوتا ہے جسکی کوئی ٹھیک مثال یا نظیر موجود نہین ہے۔ اور خصوصیت سے وہ افراد ملت سے مخصوص حق خدمت رکھتی ہے جہانتک ہمارا علم یاری دیتا ہے ہم یقین سے کہہ سکتے ہین کہ انسانی [illegible] اور [illegible] شعبون کو جو ترقی اور وسعت قیام سلطنت کے بعد ہوئی ہے وہ [illegible] کی [illegible] نہین ہو سکتی ہے اور نہ صرف ایسی [illegible] [illegible] ترقی ہوگئی ہو مگر ملت کا نظام نہ قائم ہوا ہو۔

تذلیل مین [illegible] اور [illegible] کا بیان [illegible] ہے [illegible] حد سے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ [illegible] اکثر [illegible] ایک اشارہ ہو سکیگا کہ کس [illegible] [illegible] کا [illegible] یا [illegible] مین ہوتا ہے [illegible] کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی ایسی خوبیان ہین جو اگر اپنی حد اعتدال سے بڑھ جائین تو بدی کی صورت مین تبدیل ہو جاتی ہین۔ اسی طرح حب وطن حب ملت [illegible] ایک خاص درجہ تک "حق" کے حدود مین رہتے ہین۔ سیاسیات مین نتیجہ

طویل تجربہ کے کسی امر کے متعلق اخلاقی فیصلہ کرنا مشکل ہے تاہم چند مثالون سے کچھ نہ کچھ واضح ہو جائیگا۔ سیاسیات مین تین قسم کے حقوق ہین اور ہر ایک کا مختصر بیان کرنا ضروری ہے

۱۔ افراد ملت کا تعلق سلطنت سے	ہر فرد ملت کا فرض ہے کہ قانون کی پابندی کے ساتھ ساتھ اُن حقوق کو ادا کرتا رہے جو اخلاقی طور پر سلطنت نے لئے ضروری ہین اُن مین سے

ہم صرف تین باتون کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہین۔

(الف) مالیات	مالیات کے معاملات ہر سلطنت مین ایسے معیار پر قائم ہوئے ہین

جس سے بحیثیت مجموعی سلطنت کے کاروبار مین آسانی ہو اور افراد ملت کی مالی ترقی مین رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ اس طرح ہر فرد ملت کا فرض ہے کہ وہ نہایت خوشدلی سے سلطنت کی مالیات کے مطالبات کو پورا کرتا رہے ممکن ہے کہ بعض افراد پر ناموزون تناسب سے ٹکس عائد کیا جائے لیکن اُنکو لازم ہے کہ اُسکی ادائیگی کو فرض اولین سمجھین اور مالیات کے متعلق اور دوسری قسم کی بددیانتیون کو راہ نہ دین۔

(ب) انتخاب۔	انتخاب وکلا مین اکثر ذاتی مفاد یا فرقہ بندی یا دیگر تنگ خیالیون

کی وجہ سے ملت کا بحیثیت مجموعی خیال نہین کیا جاتا۔ اور اس سے سلطنت کو کمزور کر دیا جاتا ہے۔ قلیل التعداد اقوام کی نمائندگی پر بددیانتی سے برا اثر ڈالا جاتا ہے۔ یا اُن افراد کو حق انتخاب ورائے زنی سے روکا جاتا ہے جو جائز طریقہ سے اسکے اہل ہین۔ ان سب باتون کے متعلق ضروری ہے کہ اعتدال اور حق پسندی اور آزاد خیالی سے کام لیا جائے۔

(ج) انقلاب۔ انقلاب دو قسم کی سلطنتون مین ہو سکتا ہے۔ ایک آزاد سلطنت اور دوسری وہ سلطنت جو کسی بڑی یا طاقتور سلطنت کی محکوم ہو۔ اول الذکر مین افراد ملت کا فرض ہے کہ سوائے آئینی طریقون کے کوئی ایسا سخت طرز عمل نہ اختیار کرین خونریزی کا باعث ہو یا قلیل التعداد اقوام کی مضرت رسانی پر مبنی ہو۔ موخر الذکر حالات مین انقلاب جب ہی رونما ہوتا ہے جب حاکم محکوم قومون پر اتنا ظلم تعدی کرنا شروع کرتے ہین کہ حد سے باہر ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت مین ضرورت مجبور کرتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اُس جوئے کو کندھے سے اُتار کے پھینک دیا جائے جو ناقابل برداشت ہو گیا ہے تاہم ان لوگون سے جو بانیِ ظلم و جور ہین اعتدال اور انسانیت کا برتاؤ ضروری ہے حالانکہ "ضرورت کسی قانون کی پابند نہین ہوتی"۔

(د) سلطنت کے فرائض افراد ملت کے متعلق۔ دوسرے وہ فرائض ہین جو سلطنت کو افراد ملت سے وابستہ کرتے ہین اور انکا ادا کرنا سلطنت کے لئے ضروری ہے۔ مختصراً چند فرائض کا ذکر جن پر حق و باطل کا اطلاق ہو سکتا ہے لکھے جاتے ہین۔

(الف) قانون جزائیہ۔ سلطنت کا فرض ہے کہ قانون جزائیہ مین بہ نسبت جسمانی تکلیف پہنچانے کے مجرم کی اخلاقی درستگی کا خیال رکھے اور قید خانون مین اخلاقی و مذہبی معیار اتنا بلند ہو کہ اُس سے افراد ملت کی گمراہیان دور ہو کر پاکیزہ خصلتون کی نشو و نما ہو سکے۔

(ب) غلامی۔ غلامی کا دنیا سے تقریباً ازالہ ہو گیا ہے۔ مگر اسکی جگہ دوسری قسم کی غلامی نے لے لی ہے۔ یہ غلامی غریب مزدوری پیشہ لوگون کی ہے جو صاحبان دولت کے

اور غلام سے بھی بدتر درجہ رکھتے ہیں۔ سلطنت کو اس اجتماعی حالت کی درستگی کی خصوصیت سے ضرورت ہے اور وہ سلطنت قابل الاست ہوگی جو اس حالت کو بہتر بنا سکے۔

(ج) مجبوراً اخلاق کا پابند کرنا

امریکہ نے جبراً شراب نوشی کو بند کر کے پوری بات کو افلاس ہی سے نہیں بچایا بلکہ دولتمند بنانے میں مدد دی۔ اسی طرح ہر ایک سلطنت افراد ملت کو مجبوراً اخلاقی حالت کی درستگی پر زور دے سکتی ہے۔ مگر موجودہ زمانہ میں اس قسم کی دخل اندازی کو حکومت کے حدود سے باہر بتایا جاتا ہے۔

۳۔ ایک سلطنت کا دوسری سلطنت سے تعلق

کسی سلطنت کا دوسری سلطنت سے دو قسم کا تعلق ہو سکتا ہے۔ ایک ان سلطنتوں سے جو قطعی آزاد ہیں دوسرے ان سے جو اندرونی طور پر آزاد ہیں مگر بیرونی تعلقات میں مرکزی سلطنت کی مطیع ہیں۔

دونوں صورتوں میں ہر ایک سلطنت کا فرض ہے کہ وہ آپس کے عہد ناموں اور صلحناموں کو صرف کاغذ کا ایک ردی ٹکڑا ہی نہ سمجھیں بلکہ اسکی پابندی کو اخلاقی فرض قرار دیں۔ شہنشاہی سلطنتیں اپنے ذاتی مفاد کو دوسری ملکوں کی بیجا تکلیف دہی سے حاصل کرتی ہیں۔ اور نہایت افسوس اور شرم کی بات ہے کہ موجودہ شہنشاہیت تجارتی ضرورتوں کی وجہ سے کمزور سلطنتوں کی ہستی و نیستی کی پرواہ نہ کر کے اپنے مطلب کو پورا کرتی ہے جو بیان سے قاصر ہے۔ اخلاقی نقطۂ نظر سے کام کرنے کا درحقیقت وہ وقت ہوتا ہے جب کوئی سلطنت شکست کھا جائے یا کمزور ہو جائے اور فاتح یا طاقتور اسکے ...

تعلق قائم کرے شہنشاہیت کے متعلق آئندہ ذکر کیا جائیگا۔ لیکن یہان اتنا بتادینا ضروری ہے کہ ہرایک سلطنت کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ دوسری آزاد سلطنت سے عمدہ تعلقات قائم رکھے۔ اور شہنشاہی سلطنتون کا فرض ہے کہ محکوم سلطنتون کی تمدنی۔ تجارتی۔ وسیاسی ترقی مین اس طرح کوشان ہون کہ کل دنیا مین آزاد سلطنتون کا اجتماع قائم ہوجاے اور ہر سلطنت کی بنیاد انسانیت۔ عدالت اور آزاد خیالی پر ہوسکے۔

باب رابع

سلطنت کی داخلی اور خارجی کیفیتیں

۷۸۶

تمہید

سلطنت کے قائم ہونے کے لئے دو باتین نہایت ضروری ہین چونکہ بغیر انکے سلطنت کا وجود مین آنا قطعی ناممکن ہے۔ ان مین سے ایک ملت ہے (ملت خاص معنون مین استعمال کیا گیا ہے۔ اور آئندہ اسکی تفصیل بیان کی گئی ہے) دوسرے ملک یا ملک و ملت کی خصوصیات ایسی ہوتی ہین۔ جو ایک سلطنت کو دوسری سلطنت پر ممتاز کرتی ہین۔ لہذا ان خصوصیات کا تفصیل سے ذکر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس لحاظ سے اس باب کو دو حصون مین تقسیم کیا جاتا ہے۔

حصہ اول سلطنت کی کیفیات داخلی۔ یعنی ان حالتون اور کیفیتون کا بیان جو انسانی فطرت مین پائی جاتی ہین۔ اور جنکا خاص اثر ملل عالم پر پڑتا ہے۔ یا جنکی وجہ سے خاص طور سے ترقی یعنی نشو و نما ہوتا ہے۔

حصہ ثانی سلطنت کی کیفیات خارجی (یا طبعی) یعنی ان حالتون کا بیان جو انسانی فطرت سے تو کوئی تعلق نہین رکھتین مگر ملل عالم پر خارج سے اثر ڈالتی ہین۔ یہ حالتین ملک آب و ہوا زرخیزی وغیرہ وغیرہ ہین۔ اور یہ انسانی ترقی اور طرز عمل پر اپنا قدرتی اثر ڈالتی رہتی ہین۔

حصہ اوّل

سلطنت کی کیفیات داخلی

مقالہ اوّل - انسانی نسلین

یہ بات عام طور سے مانی جاتی ہے کہ اخوت بنی نوع انسان بلند ترین مذہبی تخیل ہے - چونکہ انسانی فطرت ہر ملک اور آب و ہوا مین یکسان ہے - اسلئے کل دنیا مثل ایک خاندان کے سمجھی جاسکتی ہے - مگر نسلون کا امتیاز سلطنتون کے لئے نہایت ضروری ہے - قرآن بھی کہتا ہے کہ "اے انسانو! ہم نے دنیا مین تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا انکو رکھا اور نسلوں اور قبیلون مین تقسیم کردیا کہ باہم پہچانے جاؤ - اور نہ دراصل یہ تفریق و امتیاز کوئی امتیاز نہین اور شرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے" لیکن اب تک ہمارا علم اس حد تک نہین پہنچا کہ مختلف نسلون کے ماخذ کا صحیح طور پر پتہ بتاسکے - نہ یہی معلوم ہوسکتا ہے کہ موجودہ نسلین ایک ہی نسل کی مختلف شاخین ہین - اور نہ اسکا امتیاز کیا جاسکتا ہے کہ یہ نسلین الگ الگ پیدا ہوئین - اور اگر ایسا ہے تو کن قوتون اور اسباب کی وجہ سے ایسا اتفاق ہوا -

بہرحال ہمین اس بحث مین زیادہ سر کھپانے کی ضرورت نہین ہے - ہمارے سامنے

تین نسلیں صاف صاف تاریخ عالم پر نظر آتی ہیں - یعنی زرد - سفید - اور سیاہ - سفید نسل کی آبادی ۴۰ کروڑ ہے - زرد نسل کے انسان ۶۰ کروڑ اور سیاہ نسل کے بیس کروڑ ہیں - چونکہ پوری دنیا کی آبادی ۱۲ ارب کے قریب قریب ہے - لہذا دوسری کوئی نسل (مثلاً امریکہ کی سرخ نسل) اتنی قلیل التعداد ہے کہ ان تینوں نسلوں کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی - اور ان ہی نسلوں کی ایک شاخ ہو سکتی ہے -

۱ - سفید نسل | سفید یا آریہ نسل کی دنیا میں سب سے زیادہ تعداد ہے - اسی نسل نے دنیا کی تاریخ میں اہم تغیر و تبدل کیا ہے - مذاہب عالم کا سرچشمہ یہی نسل ہے - ہر علم خصوصاً فلسفہ و حکمت اسی نسل سے پھیلا - اور تہذیب و تمدن کی ابتدا بھی اسی نے کی - اور اسکو عروج پر لانے کی باعث ہوئی - یہ نسل دو حصوں میں منقسم ہوگئی - یعنی آریہ اور سمطاقی - آریہ اقوام نے علم ادب - زبان - قانون - فلسفہ - اور سیاسیات اور سمطاقیوں نے عیسائی یہودی - اور مذہب اسلام کو دنیا میں پھیلایا -

اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانہ میں زرد نسل نے بھی سیاسی و تمدنی ترقی کرکے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ نسل بھی دنیا میں مسرت و امن - تہذیب و تمدن کو قائم رکھ سکتی ہے مگر یہ اب تک آریہ نسل کے زیر اثر کام کرتی رہی اور اب تک آریہ نسل کا درجہ ہر اعتبار سے دنیا میں بالا ہے -

۲ - زرد نسل | زرد یا تورانی نسل کے دو حصے ہیں (۱) باشندگان ملایا (۲) فن اور مغل - یہ نسل ایشیا تک محدود رہتی ہے آج ان میں چین اور جاپان کی قومیں زیادہ ترقی کر رہی ہیں مگر

تجارت وزراعت مین خاص امتیاز رکھتی ہین انکی تاریخ دنیا کی نظر سے عرصہ دراز تک مخفی رہی۔
مگر جنگ روس۔جاپان کے بعد اس نسل نے اپنی بیداری اور قابلیت کی وہ مثال پیش کی ہے
جسکا پہلے وہم وگمان بھی نہ تھا اور اب ان قومون کے متعلق یہ اندازہ نہین کیا جاسکتا
کہ کس حد تک یہ قومین ترقی کرین گی۔

۳۔ حبشی یا سیاہ نسل | سیاہ یا حبشی نسل نہ صرف افریقہ تک بلکہ جنوبی یورپ اور ایشیا تک پھیلی
ہوئی تھی یہ نسل ہمیشہ سفید نسل کے ماتحت رہی لیکن جسمانی طاقت اور محنت کرنے کے لئے تمام
ہر نسل سے ممتاز ہے دماغی حیثیت سے یہ قوم ہمیشہ کمزور رہی لیکن مسلمانون کے اثر سے
شمالی افریقہ نے بہت کچھ ترقی کی اور جنوبی افریقہ بھی یورپ کے اثر سے دماغی ترقی کررہا ہے

۴۔ امریکہ کی سرخ نسل | یہ نسل مقابلۃً نہایت قلیل التعداد ہے تاہم سیاہ نسل کے
مقابلے مین زیادہ ترقی یافتہ ہے اور اس مین مقابلۃً زیادہ دماغی قوت موجود ہے جسکا صحیح
اندازہ اسوقت ہوسکیگا جب موجودہ تعلیم مین انکو کافی دستگاہ حاصل کرنے کا موقع ملیگا۔

نسلون کا امتیاز قدرتی ہے اور قومی امتیاز انسانی کوشش کا نتیجہ ہے مندرجہ بالا
نسلون کی دماغی اور جسمانی حالتون اور انکی ترقی پر تاریخ پر اسکا بہت اثر پڑا ہے نسلی
امتیاز کا اگرچہ ہم خصوصیت سے مطالعہ کرتے ہین تاہم یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کبھی کبھی
کسی قوم مین ایک ایسا انسان پیدا ہوجاتا ہے جو تاریخ عالم کی [illegible] کو تبدیل کردیتا
ہے لہذا ہمین انفرادی قابلیتون اور خصوصیات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے [illegible]
چنگیز [illegible] مین قیصر ولیم [illegible] اتاترک [illegible] اور [illegible] مصطفی [illegible]

غازی اور افغانستان مین امیر امان اللہ خان ایسی ہستیان ہین جنہون سلے موجودہ زمانہ مین
صرف اپنی شخصیت اور انفرادی قابلیتون سے اُن قومون مین نئی روح پھونک دی جو بغیر
اُنکی کوششون کے اپنی پرانی روش کو ہرگز نہ چھوڑ سکتین۔

مقالہ دوم ملت اور قوم

قوم جس طرح نسلون کا امتیاز قدرتی ہے۔ اسی طرح ملت و قوم زیادہ تر انسانی کوششون کا نتیجہ ہین خارجی اثرات مثلاً ملک۔ آب و ہوا وغیرہ کے علاوہ انسانی سعی و محنت کا زیادہ حصہ اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ ملت و قوم صفحۂ عالم پر نمودار ہو۔ ہر قوم کا طرز زندگی۔ تہذیب و شائستگی دوسری قوم سے الگ ہوتا ہے یہی ایک قوم کا دوسری قوم سے فرق ہے۔ اگر اتفاقیہ چند انسان ایک بستی بنا کے آباد ہو جائین اور تجارتی یا کسی اور ضرورتون کی وجہ سے ایک اجتماعی معاہدہ کرلین تو وہ اسے قوم نہین کہہ سکتے۔ مثلاً جنوبی امریکہ مین مختلف ملکون کے آدمی اکثر سونے کی تلاش مین ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے مگر یہ ہرگز قوم کے نام سے موسوم کئے جانے کے مستحق نہ تھے۔ "قوم ایک واحد جماعت انسانی کا نام ہے جسکے رسم و رواج تمدن و علم مین یکرنگی ہو۔ یہ یکرنگی و تکمیل عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوتی ہے اور اسکے لئے ضروری ہے کہ انسان کئی پشتون تک اجتماعی و مدنی زندگی بسر کرے

ان اسباب کو جو کسی جماعت کو ملت کے درجہ تک پہنچاتے ہین چند خاص اور ضروری اسباب

مجملاً مندرجہ ذیل بیان کیا جاتا ہے

اسباب بنائے ملت
(۱) مذہب پندرھوین صدی عیسوی سے اٹھارھوین صدی تک یورپ مین اور زمانۂ قدیم مین ایشیا مین ملت کی بنیاد مذہب پر تھی کسی غیر مذہب کا شخص اس مذہب کی ملت کا فرد نہین سمجھا جاتا تھا خواہ وہ اسی نسل اور ملک کا ہو جس مین کہ وہ ملت ہے۔ شاید یہی وجہ ہوئی کہ قدیم آریون سے الگ ہو کر کچھ آریہ ہندوستان مین آکر آباد

ہوئے۔ اگرچہ اُس زمانہ میں کل ہندوستانی ایک ہی ملک کے تھے مگر ہندو اور بودھ مذہب والے ایک دوسرے سے برسر جنگ رہتے تھے اور ایک دوسرے کو اجنبی اور غیر تصور کرتے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں گروہونکا مذہب الگ الگ تھا۔ عرصہ دراز تک ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کو غیر سمجھتے رہے مگر اکبر اعظم نے اس دورنگی کے برے اثر کو محسوس کرکے دونوں مذہب والوں کو ملانے کی کوشش کی اور اپنی بلند نظری اور حکمت عملی سے ہندو مسلم اتفاق کو عملاً کامیاب بناکے دکھا دیا جو ایک دوسرے سے انگریزی حکومت مین پھر الگ کردئے گئے اب دوبارہ ہندو مسلمان اتفاق کی طرف رجوع کیا گیا ہے چونکہ بغیر اسکے ترقی ناممکن ہے یہ ماننا پڑیگا کہ موجودہ زمانہ مین بہ نسبت مذہب کے کسی خاص ملت سے تعلق رکھنا زیادہ مضبوط رشتہ سمجھا جاتا ہے اور مذہب کا درجہ بجائے اول درجہ کے دوسرے بلکہ شاید تیسرے درجہ پر رہگیا ہے سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ سے مسلمانون کے اس اتحاد عظیم کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو قرون اولےٰ میں تھا۔ عیسائی ممالک مین یورپ کے پادری اپنی قوت کو دنیاوی قوت پر فوقیت دینے کی متواتر کوشش کررہے ہین اسی طرح جاپان مین مذہبی دور عرصہ تک رہا حقیقت مین حکومت مذہبی پیشواؤن کی تھی اور مسکاڈو نام بنا دیا دشاہ ہوتا تھا مگر اب کل سیاسی قوتین صرف ایک ہستی یعنی مسکاڈو مین منتقل ہوگئی ہین اور رفتہ رفتہ ملک کے ہر حصہ مین ملت کے آگے مذہب زیادہ اثر نہین رکھتا اور ملت کی بنا مذہب پر نہین رہی۔ بلکہ ایک ہی ملت مین مختلف مذاہب کے افراد کا جمع ہو جانا معیوب نہین سمجھا جاتا۔

زبان ایسا حیوان جو ناطق ہو انسان کہلاتا ہے۔ یہ انسان کی منطقی تعریف ہے۔ نطق یا قوت گویائی انسان کو دوسرے حیوانوں سے الگ اور ممتاز درجہ دیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ زبان ہی کے ذریعہ سے انسانی دماغ مین گویائی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ "نطق" انسانی دماغ کی کوشش کا نتیجہ ہے تاہم جب ہم غور فکر کرتے ہین تو دل ہی دل مین گویائی سے کام لیتے ہین اور اکثر نہین بلکہ تقریباً بالکل ہمارا تخیل ہمارے ہی بنائے ہوئے الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے ابتک ہمارے ہزارون جذبات و تخیلات ایسے ہین جنھین ہم گویائی مین نہین لاسکتے اور تصویر کشی و دیگر فنون لطیفہ کی زبان سے انکا اظہار کرتے ہین اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس ملت نے بہترین و لطیف ترین تخیلات کو اپنے فنون لطیفہ کے ذریعہ ظاہر کیا ہو وہ زیادہ مہذب و متمدن قوم ہے اور اس قوم کی زبان کو حق ہے کہ زندہ رکھی جائے اور دیگر وحشی اقوام کی غیر مکمل زبانون کے بجائے جاری کردی جائے۔

آریون کی زبان غالباً پہلے ایک ہی تھی مگر رفتہ رفتہ فرقون اور خاندانون کی زبانین نئی صورت اختیار کرتی گئین اور اسوجہ سے یہ نسل مختلف ملتون مین تقسیم ہوگئی زبان انسانکا دماغی معیار ہے جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہوگی اسکی زبان ہر طرح سے زیادہ مکمل اور جامع ہوگی زبان ہی پر انسانی ترقی کا دار مدار ہے اسی پر تہذیب و تمدن کی ترقی منحصر ہے اگر کوئی قوم کسی دوسری قوم کی زبان اختیار کرے تو اسکے تخیلات بالکل اسی قوم سے ہوجائینگے اور آخرکار وہ قوم اس قوم مین مدغم ہوکر اپنے تہذیب و شائستگی کے بجائے اس قوم کے نقش قدم پر چلنے لگے گی۔ انگریزی زبان کا اثر ہندوستان مین ملاحظہ ہو لوگون کے خیالات مین

مغربیت کا رنگ انگریزی زبان کے استعمال سے غالب ہو چلا ہے۔ اسی طرح عربی زبان کے ذریعے شمالی عصر میں جو تہذیب اور اسلامی تمدن وحشی امم میں پھیلا، نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فی زمانہ زبان۔ ادب اور صحافت ملی اتحاد کو مضبوط کئے ہوئے ہے یہ ممکن ہے کہ دو مختلف ملتیں ایک ہی زبان رکھتی ہوں جیسے انگریز اور امریکن دونوں انگریزی زبان بولتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ایک ہی ملت مختلف زبانیں بولے جیسے سوئٹزرلینڈ [illegible] جرمن اطالوی و فرانسی زبانیں بولی جاتی ہیں۔

سیاسی اتحاد: [illegible] آزاد فرقے یا چھوٹی چھوٹی قومیں آپس میں [illegible] ملت واحد قائم کر سکتی ہیں جیسے جرمنی آسٹریا و سوئٹزرلینڈ کی [illegible] ہیں [illegible] جس طرح [illegible] کی مختلف قومیں [illegible] کی کوشش کامیاب [illegible] ہیں۔

قوم کی [illegible] [illegible] انسانوں کا اجتماع [illegible] یکساں [illegible] [illegible] [illegible] اتحاد [illegible] پیدا ہو جائے قوم کہلاتی ہے قوم [illegible] ضروری نہیں کہ اس قوم کی سلطنت [illegible] حکومت [illegible] کی [illegible] اسکا [illegible] ہے جو زمانہ کے ساتھ اندرونی طور پر غیر مرئی طریقہ سے نشو و نما پاتی رہتی ہے یہ ارتقا قدرتی و غیر محسوس طریقہ پر جاری رہتا ہے یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک تہذیب دوسری تہذیب کو فنا کر کے اپنے اندر جذب کر لیتی ہے بشرطیکہ یہ تہذیب بلند تر اور [illegible] تر ہو تہذیب و تمدن اقوام عروج و زوال پا سکتے ہیں اور ماحول کی تہذیب سے اثر پذیر ہو سکتا ہے دو مختلف اقوام کے عرصہ تک ایک جگہ رہنے سے ایک دوسرے کا اثر [illegible]

کرکے ایک نئی تہذیب رونما ہو جاتی ہے جیسے ہندوستانی تہذیب ہندو مسلمانوں کے ساتھ رہنے سے پیدا ہوئی ہے۔

ملت | وہ قوم جو اپنی حکومت اور سلطنت قائم کرلے ملت کہلاتی ہے سلطنت کے قیام کے بعد ملت کا ظہور ہوا کرتا ہے۔ شاذونادر ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ سلطنت کے قیام سے پہلے ہی ملت کا وجود پایا جائے۔ ایسی ملت یہودی قوم کی تھی یہ لوگ سلطنت تو نہ قائم کرسکے تھے مگر قانون کے ماتحت کام کرتے تھے اور چونکہ قانون ہی کی موجودگی سے کسی سلطنت کا قیام ہوتا ہے لہذا یہودی قوم سلطنت قائم کرنے سے پہلے ملی درجہ تک پہنچ گئی تھی۔

اگر کسی ملت میں ایک ہی قوم کی کثرت ہو تو اس قوم کی زبان اور رسم و رواج پوری ملت پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ اور اگر مختلف اقوام کے مجموعہ سے اس طرح ایک ملت بنی ہو کہ اس میں متوازن اقوام ہوں (یعنی ایک قوم دوسری قوم سے تعداد میں تقریباً مساوی ہو) تو کوئی آئین و رسوم کی کثرت نہیں ہوتی۔

ملت کے قائم ہونے کے بعد ہی اس ملت کے حقوق و قوانین کی ترقی شروع ہو جاتی ہے یہ ایسا اجتماع ہوتا ہے جسکی ہستی سیاسی و قانونی ہوتی ہے۔ اسکی ہستی افراد ملت کو اپنی جمعیت اور یگانگت کی قوت سے محض قوم (غیر سیاسی اجتماع) سے افضل ثابت کر دیتی ہے۔ اور اسکا عروج و زوال ذی حیات ہستیوں کے عروج و زوال کے مانند ہوتا ہے۔ اگرچہ بالکل اسی طرح نہیں ہوتا۔

ملت نام ہے ذی حیات۔ ذی حس۔ صاحب روح۔ قانونی اور سیاسی اجتماع کا اور قوم صرف معاشرتی اور شائستگی کا نام ہے۔ ملت کے لئے سلطنت کا ہونا ضروری ہے۔ قوم بغیر سلطنت قائم کئے ہوئے اپنی ہستی قائم رکھ سکتی ہے

مقالہ سوم ۔ حقوق ملل

ملی ہستی کے قیام کے لئے اس زمانہ مین ہر ملت سرگرم ہے ۔ ملی آزادی کے قائم رکھنے کیلئے ملل عالم اپنے ہر عزیز چیز کے نثار کرنے کو تیار ہین ۔ ملی حقوق کا طلب کرنا ہی اسکی دلیل ہے کہ موجودہ زمانہ مین تہذیب و شائستگی ترقی کر رہی ہے اور شاعر وہ ہر کا بہترین فرض یہ ہے کہ ملت کے درجہ سے بلند تر درجۂ انسانیت کو اپنا نصب العین قرار دیکر کل دنیا کی واحد سلطنت قائم کرنے کی کوشش کرے ۔

(۱) حق حیات | ہر ایک ملت کے مندرجہ ذیل حقوق ہین جنکا حصول اور نگہداشت ہر ملت کیلئے لازمی ہے سب سے پہلا اور اہم ترین حق ، حق حیات ملی ہے چونکہ اسی پر دیگر حقوق کی بنیاد ہے ۔ حق حیات اصل ہے اور باقی حقوق فروع حیات ہین ۔ خواہ کوئی ملت چھوٹی ہو یا بڑی کسی دوسری ملت کو قدرتاً و اخلاقاً یہ حق حاصل نہین کہ اس حق کو اس سے چھینے یا اس سے محروم کرنے کی بلا وجہ کوشش کرے ۔ ایک عضو مجروح دوسرے اعضا کے لئے مضر ثابت ہو سکتا ہے اور انجام کار اسکا کاٹنا ضروری ہوتا ہے مگر اسی طرح کوئی قوم حیات ملی کے لئے غیر مفید و نفرت رسان ثابت ہو تو اس قوم کی قومیت تہذیب و تمدن کے اثر سے کی جا سکتی ہے مگر حق حیات کو کوئی غصب نہین کر سکتا ۔

۲ ۔ زبان | زبان ایک مضبوط رسی ہے جسمین پوری ملت وابستہ ہوتی ہے ۔ زبان ہی سے ملی تخیلات و جذبات ظاہر ہوتے ہین اسی سے ملی تہذیب و تمدن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے

زبان ہی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس حد تک اس ملت نے علمی و ادبی ترقی کی ہے حکومت نہ اس حق کو چھین سکتی ہے نہ کسی خاص قسم کے رواج کو روک سکتی ہے اسی بنا پر ملی ترقی کے لیئے ضروری ہے کہ سلطنت صحافت و ادب کو قطعی آزادی دے۔ بشرطیکہ یہ آزادی اصول اخلاق کے ماتحت ہو یہ ممکن ہے کہ ایک ہی سلطنت کے اندر مختلف زبانیں رائج ہوں ہر ایک زبان کو ایسی صورت میں حق حیات و ترقی حاصل ہے تاہم سلطنت کسی خاص زبان کو ملکی و سیاسی کاموں کے لیئے اختیار کر سکتی ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں تین زبانیں پہلو بہ پہلو بولی جاتی ہیں اور تینوں زبانوں میں حکومت کے اعلانات وغیرہ شائع ہوتے ہیں مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ملی یکجہتی کے لیئے پوری ملت کی ایک ہی زبان ہونا باعث ترقی ہوتا ہے اور ترقی تعلیم کے لیئے بھی یہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ ملی زبان کا رواج [illegible] میں کرنا سلطنت کا فرض ہے اور کسی مہذب قوم پر اس سے زیادہ اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ اسکی زبان کا رواج نہ ہو سکے یا وہ علمی زبان نہ ہونے پائے اور بجائے اسکے دوسری اجنبی زبان جاری کی جائے۔

۳۔ رسم و رواج ہر ملت و قوم کے رسم و رواج مختلف ہوتے ہیں بہت سی رسمیں تاریخی یادگاریں ہوتی ہیں اور ہر رسم کے کچھ نہ کچھ مفید معنی ضرور ہوتے ہیں قدیم یونان میں کمزور بچوں کو مار ڈالنے کی رسم تھی تاکہ قوم کمزور نہ ہونے پاوے۔ ہندوستان میں ستی کی رسم تھی۔ تاکہ عمر بھر جلنے کے بجائے ایک ہی دفعہ اپنی زندگی شعلوں کے نذر کیوں نہ کر دی جاوے۔ بعض وحشی اقوام میں آدم خوری کی رسم تھی اسی قسم کی رسوم کا منشاء [illegible] غرض کتنا ہی کمزور

بچون کے لیئے شفاخانے اور ستی ہونے والیون کے لیئے پنڈت ایشور چندر ودیا ساگر نے دوبارہ شادی کی تجویز قوم کے سامنے پیش کی مگر ایسی رسمین جو مخرب اخلاق ہوتے کر [illegible] رنگینی یا کسی قومی یادگار کو تازہ کرتی ہین یا کوئی برا اثر پیدا نہین کرتین انکے [illegible] مطالبہ کر سکتی ہے لہذا ہر قوم و ملت کا حق ہے کہ اپنے رسم و رواج کو قائم رکھے۔

۴- قانون | مسلمانون کی حکومت کا سیلاب جب پھیلا تو انکی یہ حکمت عملی [illegible] مفتوحہ اقوام کے رسم و رواج قانون و مذہب پر دست درازی نہین کی نہایت مفید بات ہے اسی طرح انگریزون نے ہر ملک کے قانون کو قائم رکھ کر آہستہ رفتہ رفتہ نیا قانون جاری کیا بر خلاف اسکے روسیون نے مفتوحہ اقوام کو فوراً روسی قوانین پر چلانا چاہا اسکی وجہ سے سخت انقلاب رونما ہوئے - وہ قوانین جو ہمیشہ سے کسی ملت مین رائج ہین اور ملی ترقی و زندگی کے مانع نہین انکو رائج رکھنے کا ہر قوم کو حق حاصل ہے اگر یکایک کوئی بلند تر قانون کسی پست یا نیم مہذب قوم مین رائج کر دیا جائے تو بدامنی کا نمودار ہونا ضروری ہے خواہ وہ قانون کتنا ہی اچھا ہو۔

۵- آزادی | ان سب باتون کے لئے ملی آزادی ضروری ہے مجموعی حیثیت سے ایک ملت کو دوسری ملتون کے سیاسی اثرات سے محفوظ رہنے کا حق ہے اور اخلاقی و دماغی آزادی حاصل کرنا ہر ملت و ہر فرد ملت کا فرض اولین ہے اگر کوئی حکومت اس حق کو چھینے تو اسکے خلاف جنگ کرنے سے زیادہ کوئی جنگ بہتر اور مفید تر نہین ہو سکتی یہ نہایت پاک اور مبارک جنگ ہوتی ہے جسمین اپنی ہر چیز کو جو عزیز ترین ہو قربان کر دینا انسانی فرض ہے کیونکہ عزت ملی بغیر قربانی کے حاصل نہین ہوتی۔

مقالہ چہارم - ملّت اصولِ قیامِ سلطنت ہے

ملت ہمیشہ قوی رہی

تاریخ عالم مین ہمیشہ سیاسیات اور سلطنتون پر ملّی رنگ غالب رہا ملی یکجہتی اور ملّی آزادی کے قائم رکھنے کے لیئے یونانیون کی جنگ زرکسیس شاہ ایران سے ہوئی اور جرمن اسی بناپر رومیون سے لڑے - رومی سلطنت کے دو حصے یعنی لاطینی و یونانی ملّی اختلاف کی وجہ سے ظہور مین آئے قدیم تاریخ مین اصول ملّت اتنے زور سے طریقہ سے کام نہین کر رہا تھا جتنا کہ موجودہ زمانے مین ہے آئرلینڈ و انگلستان کا اختلاف اصول ملّت پر ہے - بلغاریہ - سرویہ - یونان وغیرہ ترکی سلطنت سے ملّت کی وجہ سے الگ ہوگئین - لہذا اس زمانہ مین ملّت اصول سلطنت اور اصل سیاست مان لی گئی ہے -

نپولین اور ملل یورپ

جب نپولین نے چارلس اعظم کی سلطنت کو دوبارہ قائم کرنا چاہا تو ملّت فرانسوی اسکی قوت بازو تھی مگر فرانسیسی حکومت کو دوسرے اقوام نے نفرت و خوف کے ساتھ دیکھا اور نپولین عالمگیر حکومت یورپ پر نہ قائم کرسکا لیکن باوجود خداداد قابلیت کے نپولین اسوجہ سے قومون کے جذبات کو نہ پھیر سکا - کہ وہ اصول ملّت کے سمجھنے سے قاصر تھے جذبہ ملّی یا حس قومی اسوقت درجہ تکمیل تک نہین پہونچا تھا - اگرچہ عوام مین حس پیدا ہوچلی تھی تاہم روح ملّی بیدار نہین ہوئی تھی - ملّت فرانسیسی سے انگریز محض اسوجہ سے نفرت نہین کرتے تھے کہ دوسری اقوام کو فرانسیسی انقلاب سے سخت نفرت تھی بلکہ یورپ پر فرانسیسی اقتدار انکی تجارت کے لیئے نہایت مُضر ہوتا -

انگریزون نے باوجودیکہ اپنی سیاسی زندگی قائم کرلی ہے تاہم ملت کو بطور سیاسی اصل کے ہمیشہ مشکوک نظرون سے دیکھا وہ جانتے ہین کہ انکا جزیرہ مختلف ملتون کا مجموعہ ہے آئر لینڈ کی کلٹک قومی حس نے متواتر انکی ملی یکجہتی کے ٹکڑے اڑا دینے کی کوشش کی ہے کشور ہندوستان بھی اس ملی حس کے پیدا ہوجانے سے غیر محفوظ ہوگیا ہے اسی طرح اسپین کے باشندون نے جب فرانسیسون سے جنگ کی تو اپنی ملی یکجہتی کو محسوس کرلیا تھا اگرچہ یہ جذبہ ملی زندگی کے قیام کے بجائے اپنے کیتھولک مذہب اور اپنے بادشاہ کے بچانے کے لیے تھی انقلاب فرانس نے آزادی کا سرسری اعلان کیا تھا جو تسلط ہونے کے بعد پامال کردیا گیا ویانا کی کانگریس نے حقوق کی قطعی پروانہ کی اور مسلط شدہ خاندانون مین مختلف ملتون کے ملکون کو تقسیم کردیا۔ پولینڈ روس آسٹریا و جرمنی مین تقسیم ہوگیا اور باوجود اختلاف ملل کے بلجیم اور ہالینڈ کی ایک متحدہ سلطنت بنادی گئی۔

ہر قوم کے لئے نئی سلطنت انتہائی اصول۔

قوم سیاسی سوسائٹی کو نہین کہتے لیکن اگر یہ اپنی تہذیب کو محسوس کرے اور روح ملی کو بیدار پائے تو یہ فطرتی بات ہوگی اگر ایسی قوم اپنی پوری ہستی قائم کرکے اپنی واحد آزادی کو عملاً ظاہر کرسکے بالفاظ دیگر اپنی سلطنت قائم کرسکے۔

ملت کو عملی اصول سلطنت ماننے کے یہ معنی نہین ہین۔ کہ ملی زبان۔ تہذیب ورسوم کی حفاظت کی جائے بلکہ سلطنت خود ملی ہوجائے صاف الفاظ مین اسکا مفہوم یہ ہے کہ

"ہر قوم کو ضرورت ہے اور حق حاصل ہے کہ اپنی سلطنت قائم کرلے جس طرح دنیا مختلف قومیت
مین تقسیم ہے۔ اسی تعداد مین سلطنتون کا قائم ہونا بھی ضروری ہے یعنی ہر قوم کو علیحدہ حکومت
ہونا چاہیئے اور ملت سلطنت کی بنا یا اصل الاصول ہو" کیا یہ صحیح ہے؟ اسکے دریافت کرنے کے
لئے ہمین قوم اور سلطنت کا مقابلہ انکے حدود اور وسعت کے لحاظ سے کرنا چاہیئے اور یہ
دیکھنا چاہیئے کہ کیا کیا اختلافات رونما ہوتے ہین۔

۱- ایک ہی قوم مین کئی سلطنتین | اگر سلطنت کے حدود قوم کے حدود سے کم ہون تو دو متضاد صورتین ہمارے پیش نظر ہوتی ہین۔

(الف) علیحدگی | اگر باشندگان سلطنت کو اپنی سیاسی یکجہتی کا زیادہ احساس ہوتا ہے تو سلطنت اپنی قومون مین ایک نئی ملت کے علیحدہ قیام کا سبب بن جاتی ہے جیسے ممالک متحدہ امریکہ نے ایک نئی سلطنت انگریزی سلطنت سے الگ ہوکر قائم کرلی یہ علیحدگی کہلاتی ہے

(ب) اتحاد | جب ملی محسوسات کمزور ہونے لگتے ہین تو اسی ملت کی دیگر سلطنتین ملکر ایک بڑی متحدہ سلطنت قائم کرلیتی ہین مثلاً موجودہ جرمنی و اٹلی و جمہوریہ قفقاز وغیرہ۔

۲- ایک ہی سلطنت مین کئی قومین | اگر سلطنت کے حدود قوم سے وسیع ہون یعنی اسمین دو یا دو سے زیادہ قومین یا قومون کے حصے شامل ہون تو مندرجہ ذیل صورتین ہوتی ہین۔

(الف) انجذاب | کسی قوم کی بہتر تہذیب اور شائستگی دوسرے اجزا کو اپنے مین جذب کرکے پوری ملت کو قوم واحد بنا دیتی ہے مثلاً روس نے اہل پولینڈ کو روسی بنانا چاہا اور بولشوکون نے اہل بخارا اور دیگر اقوام کو اپنے اندر جذب کرلیا۔

(ب) علٰحدگی | مختلف قومین سیاسی علٰحدگی کی طرف متوجہ ہوتی ہین جیسے تحریک علٰحدگی۔
آئرلینڈ و انگلستان۔ پولینڈ و روس وغیرہ۔

(ج) اتحاد اختلاف | سلطنت بغیر کسی قوم سے ساتھ خصوصیت برتے ہوئے مختلف قومون
کو متحد رکھ سکتی ہے یا تو۔

۱۔ منصف حکومت کے ذریعہ سے جس مین مختلف قومون کے حقوق ترقی برابر ہون
جیسے سوئٹزرلینڈ مین کہ مختلف اقوام پہلو بہ پہلو آباد ہین اور مساوی حقوق رکھتی ہین۔

۲۔ قوت سے جس طرح اسٹریا کی مختلف سلطنتین دوسری سلطنتون کے مجموعی
دباؤ سے متحد ہین مگر ایسی حالت خطرناک ہوتی ہے۔

۳۔ فوجی طاقت اور اقوام محکومہ کی تفریق سے حکومت قائم رکھی جا سکتی ہے جیسے
ہند کی دفتری حکومت۔

حقوق ملّت کا خلاصہ

مندرجہ بالا تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصول ملّت اور سلطنت ایک دوسرے پر
اثر ڈالتے رہتے ہین لیکن یہ ضروری نہین ہے کہ ملّت اور قومیت تطبیق کرے یعنی بالکل
ایک ہون اسی وجہ سے ہم اصول ملّت کا کوئی خاص حق قائم نہین کر سکتے اور زیادہ
غور کرنے پر مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوتے ہین۔

۱۔ سیاسی قابلیت | ہر ایک قوم اس قابل نہین ہوتی کہ سلطنت قائم کر کے اسکو

باقی رہے وہی قوم سلطنت قائم کر سکتی ہے جس میں سیاسی قابلیت ہو۔ ناقابل قوموں کو زیادہ قابل ملتوں کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے کمزوروں کے لیئے ضروری ہے کہ وہ طاقتوروں کے سہارے سے کام کریں تاکہ رفتہ رفتہ خود بھی قوی ہو جاویں دراصل وہی قومیں جن میں صفات مردانگی دماغی قابلیت اور بہادری غالب ہوتی ہیں ایک ملی سلطنت قائم کر کے جاری رکھ سکتی ہیں بخلاف انکے وہ قومیں جنمیں یہ صفات نہوں ہمیشہ طاقتور ملتوں کی محکوم رہتی ہیں۔

۲۔ اختلاف باعث قوت ہی یا کمزوری — چونکہ ہر ایک قوم کا جوہر تہذیب ہے نہ کہ سیاسی اتحاد۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم اپنی تہذیب کو بجان بوجھ کر بھی سیاسی طور پر آپس میں اختلاف رکھتی ہو اسکا ایک حصہ شاہ پسند اور دوسرا حصہ جمہوریت پسند ہو۔ (مثلاً انگلینڈ) یہ اختلاف بعض اوقات سیاسی کمزوری کا باعث ہوتا ہے اسی اختلاف کی وجہ سے ہندوستان محکوم بنا ہوا ہے اور جرمنی اور اٹلی نے عرصہ دراز تک سیاسی ترقی نہ کی علاوہ بریں ایک ہی قوم کی دو سلطنتیں اس قوم کی ترقی کا باعث ہو سکتی ہیں جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور انگلستان۔

۳۔ سیاسی زندگی کا حق — وہ قوم جو اپنی زندگی کو محسوس کرتی ہے اسے فطرتاً سلطنت قائم کرنی ضرورت ہوتی ہے کسی قوم کی ہستی دارتقا کے حق کے سامنے افراد قوم کے ذاتی حقوق کوئی درجہ نہیں رکھتے بقول بسمارک "اقوام دنیا کو سانس لینے اور اپنے اعضا ہلانے کی آزادی ہونی چاہئے بشرطیکہ وہ زندہ رہنا چاہتے ہوں" یہ اس پاک حق کی بنیاد ہے جو ہر قوم کو اپنی متحدہ زندگی کے اظہار کے لیئے حاصل ہے تاکہ وہ اپنی سلطنت قائم کر سکیں۔

۴- سلطنت قومی | ملّی سلطنت مین پوری قوم کا شامل ہونا ضروری نہین ہے ایک بڑے اور
مضبوط حصہ قوم کا ہونا کافی ہے تاکہ وہ اپنی تہذیب کو سلطنت مین جاری کر سکے اصول ملّت
کو اگر بہت زیادہ بڑھا دیا جاوے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملّی سلطنت کو اتنا ہی بڑا ہونا چاہیے
جہانتک انکی زبان بولی جاتی ہے مگر یہ سلطنت کی ہستی کے قیام کے لئے ضروری نہین ہے
فرانس - اٹلی - جرمنی - ملّی سلطنتین ہین حالانکہ فرانسیسی اطالوی اور جرمنی قومون کے
کچھ حصے انکے قبضہ سے باہر ہین کوئی قوم جو ملّت کی حد تک پہونچ رہی ہو اپنے افراد کو جمع
کر سکتی ہے مگر یہ حق اسوقت قائم نہین رہتا جب بغیر انکو جمع کئے ہوئے یہ ملّت اپنی ہستی
کو قائم رکھ سکے - اور نہ اُسے یہ حق حاصل ہے کہ انکو اس سلطنت سے زبردستی چھین سکے جس سے
وہ خوش ہین - افغانستان کی زبان پشتو ہے اور اسے اپنے ملّی سلطنت کے قیام کے لئے کل
اقوام کو جو پشتو بولتی ہین جمع کرنا ضروری ہے بشرطیکہ بغیر انکے اسکی آزادی نہ قائم رہ سکے
اور وہ اقوام بھی اُسپر خوش ہون -

۵- بہترین سلطنت | سیاسی ترقی کی انتہا ملّت نہین ہے بلکہ انسانی ترقی کے لیے ضروری
ہے کہ نہ صرف قومین آزادی سے میدان ترقی مین مقابلہ کرین بلکہ ایک بالاتر اتحاد قائم کرین
قانون بجائے قومی خصوصیات کے زیادہ تر انسانی فطرت پر مبنی ہے مہذب اقوام کا ترقی یافتہ
قانون زیادہ تر انسانی اجتماع کی ضرورت پر منحصر ہوتا ہے بجائے اسکے کہ وہ ملّی رسم و رواج
کا پابند ہو مختلف ملکون مین سلطنت کے ضروری شعبہ ایک ہی قسم کے ہین اور سلطنت کا
بہترین تخیل یہ ہے کہ اسکی بنیاد انسانیت پر ہو -

لہذا ایک ملی سلطنت کئی ملل پر مشتمل ہو سکتی ہے نیز وہ سلطنت جو صرف ایک ملت پر مبنی ہے اپنی وسعت اور قوت بیرونی عناصر کے شامل کرنے سے حاصل کر سکتی ہے یعنی اسے دوسری ملتون کی تہذیب سے تعلق رکھنے مین عذر نہ کرنا چاہیئے اس قسم کا اختلاط ایسا ہے جیسا کہ چاندی مین تھوڑا سا تانبہ ملا دینا جس سے وہ زیادہ دیرپا اور مضبوط ہو جاتی ہے۔

۶- اتحاد | سلطنت کے اتحاد کے لیئے یہ زیادہ مفید ہوتا ہے کہ اسکی بنیاد ایک ہی ملت پر ہو جسمین آبادی کے دوسرے عناصر کا حصہ بہت ہی کم ہو جس طرح جرمنون کی تعداد روس مین یا یہودی جرمنی مین یا فرانسیسی شمالی امریکہ مین ہین بخلاف اسکے اگر کوئی ملت ایسی قومونکا مجموعہ ہو جو ایک دوسرے سے طاقت اور اہمیت مین سبقت لیجانا چاہتے ہون تو ایسی حالت مین ملی اتحاد کا قائم رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ انگلستان نے اسوقت کو رفع کرنے کے لئے پہلے سیکسن قوم کو نارمن سے اور پھر انگریز کو اسکاٹ لینڈ والون سے اور ان دونون کو اہل ائرلینڈ سے ملایا ہندوستان کی ملی تحریک مین ہندو مسلمان - پارسی - عیسائی سکھ اتحاد پر اسی درجہ زور دیا جا رہا ہے کہ بغیر اسکے قیام سلطنت ناممکن ہے۔

۷- مساوات | اگر کسی سلطنت مین مختلف اقوام ہین جو سب ملکر ایک ملت بن گئی ہین تو ایسی صورت مین حقوق کا مساوی ہونا لابدی ہے۔

۸- تاریخ کا فیصلہ | کوئی قوم کہانتک سلطنت قائم کرنے کے قابل ہے اسکا فیصلہ قانون بین الاقوام کے غیر مکمل ہونے کی صورت مین انسانی عقل فیصلہ نہین کر سکتی یہ فیصلہ ہمیشہ سے فیصلہ قدرانی پر منحصر رہا ہے جسے اس نے تاریخ عالم پر وقتاً فوقتاً ظاہر کیا ہے۔ انجمن

بین الاقوام ان سلطنتوں کے حقوق کا زیادہ خیال کرتی ہے جو زیادہ طاقتور ہیں اور ابھی تک مشرقی و مغربی دنیا کے اتحاد کی کوئی قانونی انجمن قائم نہیں ہوتی ہے لہذا ہمیں تاریخی اصولوں کی بنیاد پر یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ مسلسل اور عظیم جنگوں اور اپنے اوپر تکالیف اور انتہائی قربانی کرنے کے بعد کوئی ملت اپنا حق ثابت کر سکتی ہے۔

اگر کوئی سلطنت اپنا فرض ادا کرنا چاہتی ہے تو ضروری ہے کہ اسکے قوانین اور محکمے اپنے قوم کی ضروریات اور قابلیتوں کا خیال رکھیں مختصراً یہ حکومت ملی ہوگی لہذا وہ دستور العمل جو اپنی قوم کے خاص طرز عمل کو نظر انداز کرتا ہے اور جو اسکی روح اور تخیل سے تطبیق نہیں کرتا غیر فطرتی اور بیکار محض ہے اگر ایسی حکومت کسی غیر قوت کے ذریعہ سے لوگوں پر جبراً عاید کیجائے تو وہ اس ملت کی قوت کے زوال کے ساتھ یا قومی بیداری کے شروع ہوتے ہی فنا ہو جاتی ہے اور ہر صورت میں سیاسی نشو و نما کو ایسا صدمہ پہونچتا ہے کہ یہ قوم یا زوال پذیر ہو جائے یا کمزور ہو جائے۔

ہر قوم جو ملت و سلطنت بن سکتی ہے اسکا ایک خاص سیاسی نقطہ نظر اور خاص طرز حکومت ہوتا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ سلطنت پر اپنے طرز عمل کا اثر نہ ڈالے یہ معنی ہیں اس اصول کے کہ ہر قوم کو حق فطرتی حاصل ہے کہ وہ قومی دستور العمل بنائے دنیا کی اقوام کے مختلف دستور ہائے عمل ان خداداد قابلیتوں کو ظاہر کرتے ہیں جو خدا نے ان اقوام اور ملل کو ودیعت کئے ہیں ہر قوم اپنی ترقی کے تبدیل ہونے والے درجوں سے گذر جاتی ہے اور حقیقت میں یہ وہی قوم رہتی ہے جو پہلے تھی مگر اسکی ضروریات اور نصب العین اپنی

زمانۂ زندگی کے ضروریات کے مطابق تبدیل ہوا کرتے ہیں۔ ایک قومی اور ملی سلطنت اپنی ملی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہے لیکن اپنی ہستی کو مکمل طور سے کبھی ضائع نہیں کرتی ہے مگر زمانہ میں اگرچہ بہت کچھ تبدیلیاں ہوئیں لیکن اس کا رومی طرز عمل اور خصوصیات زائل نہیں ہوئیں رومیوں نے شاہی جمہوری اور شہنشاہی حکومت قائم کی مگر ان سب میں روم کی صاف جھلک موجود تھی انگریزی شاہی شاہان ٹیوڈر کے زمانے میں شاہان سٹورڈ سے مختلف تھی چونکہ اس قوم نے سولھویں اور اٹھارھویں صدی کے درمیان ترقی کرلی تھی اسی طرح اکبر کی سلطنت اورنگ زیب کی سلطنت سے مختلف تھی تاہم انگریزوں اور ہندوستانیوں کی جو خصوصیات تھیں وہ سلطنت کے تبدیل ہونے پر بھی قائم رہیں ہمارا مطلب صاف ظاہر ہے کہ ہر قوم کا یہ قدرتی حق ہے کہ وہ اپنے نظام حکومت کو زمانے کے مطابق تبدیل کرتی جاوے۔

مختصراً یہ کہ ہر سلطنت قطعی فطرتی ہوتی ہے اگر اسکا نظام حکومت کسی زمانے میں ملت کے خاص طرز عمل اور زمانہ ارتقا کے مطابق تبدیل ہوتا جائے۔ اور نظام حکومت کے بدلنے سے ملت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی ہستی قائم رکھتی ہے۔

مقالۂ پنجم۔ سوسائٹی (جماعت)

مدبرین فرانس نے (خصوصاً روسو کے زمانہ سے) سلطنت کو سوسائٹی کے مانند سمجھا ہے اور ملت و قوم کو سوسائٹی کا مترادف خیال کیا ہے۔ اسی وجہ سے علم سیاسیات مین پیچیدگیان پڑگئین اور سیاسیات کو نقصان پہونچا۔ جرمن مدبرین نے اسکو بہتر سمجھا اور سلطنت کو زیادہ مستقل بنیاد پر قائم کیا۔

سوسائٹی کا تعلق ملت و سلطنت سے

ملت ایک مستقل اور مکمل اجتماع ہے لیکن سوسائٹی افراد کے اتفاقیہ یکجا ہونیکو کہتے ہین۔ ملت ذی حیات باقاعدہ قانونی قوت اور آزادی رکھنے والی سیاسی ہستی ہے سوسائٹی بے قاعدہ غیر سیاسی اور بجائے ذاتی قوت آزادی اور نافذ قانون و انصاف ہونے کے صرف رائے عامہ رکھنے والی جماعت ہے اسمین شک نہین کہ سوسائٹی اور ملت ایک دوسرے پر اثر ڈالتے رہتے ہین اور سوسائٹی سلطنت کے لئے دماغی اور معاشرتی منبع ہوتی ہے اسکا زوال سلطنت کا زوال اور اسکی صحت و ترقی سلطنت کی قوت ہوتی ہے لیکن سوسائٹی ہمیشہ سلطنت کی ہم آہنگ نہین ہوتی بسا اوقات سوسائٹی سلطنت سے اپنے گوناگون مطالبات کے پورا کرانے مین ساعی ہوتی ہے اور اکثر سلطنت سوسائٹی سے اس قربانی و ایثار کی طالبگار رہوتی ہے۔ جسے سوسائٹی دینے مین تامل کرسکتی ہے اور اکثر کرتی ہے۔

سوسائٹی کا تعلق قوم سے

سوسائٹی کا تعلق قوم سے ہے اگرچہ ایک دوسرے

کا مترادف نہیں ہے سوسائٹی جو زبان مناسب سمجھتی ہے استعمال کرتی ہے مگر قوم کی خاص زبان اور خاص تمدن ہوا کرتا ہے ایک قوم دو سلطنتوں پر تقسیم ہوسکتی ہے مگر سوسائٹی کا تخیل ایک ہی سلطنت سے کے افراد تک محدود ہے قوم کا قدرتی نظام ہوتا ہے اور سوسائٹی صرف افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔

مقالہ ششم قبیلہ

جس طرح نسلیں مختلف قوموں میں تقسیم ہیں اسی طرح ایک ہی قوم کے متعدد قبیلے ہوتے ہیں اور ایک قوم کے متعدد قبائل اپنی زبان و رسم و رواج کی یکرنگی سے ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ہر قبیلہ کی انفرادی خصوصیات کچھ نہ کچھ ضرور ہوتی ہیں مگر اس وجہ سے وہ اپنی قوم سے علیحدہ نہیں ہو سکتے یہ صرف قوم کے اندرونی اختلافات کی مظہر ہوتی ہیں اگرچہ ملی زندگی میں ان اختلافات سے نیرنگی اور نئے خیالات کا ظہور ہوتا ہے لیکن اکثر سلطنت کے اتحاد کو ان سے نقصان پہونچتا ہے مثلاً روما کو اپنے مختلف سیاسی فرقوں کے اختلاف سے گو قوت حاصل ہوئی لیکن یہی وجہ یونان میں متحدہ سلطنت کے قائم ہونے سے مانع ہوئی۔

قبیلوں کا باہمی اختلاف

وسط ایشیا کے مختلف قبیلے ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرجنگ رہے اور بعض قبائل خانہ بدوش زندگی بسر کرتے رہے اسی طرح عرب کے قبائل ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے اور اپنے اختلافات کی وجہ سے متحدہ سلطنت کو قائم کرکے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رکھ سکے۔ اسلام نے عربی قبائل کی اس حالت کو بدلکر اتحاد قائم کرنا چاہا اور بجائے خانہ جنگی کے انکی جنگجو فطرت کو ان لوگوں سے جنگ کرنے پر رجوع کردیا جو گو ان کے قبیلوں کے دشمن نہ تھے لیکن ان کے مذہب کے دشمن تھے ایسی حالت میں اگرچہ متحدہ ملی احساس پیدا ہونا شروع ہوگیا مگر قبیلہ بندی کی عمیق حس دور نہ ہوئی اور بنی امیہ و بنی عباس پھر لڑنے لگے لیکن موجودہ زمانہ میں وسط یورپ کی

قبائل میں اتحاد قومی پیدا ہو گیا ہے اور اسی طرح افغانستان کے مختلف خیل قومی یکجہتی کی طرف مائل ہو کر سلطنت قائم کر چکے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ قبائل کا باہمی اختلاف دور ہو گیا ہے اور تعلیم نے بلند تر اتحاد کیطرف ان قبیلوں کو رجوع کر دیا ہے۔

قبیلہ ایک تخم ہے جس سے درخت قوم نمودار ہوتا ہے لیکن بجائے نئی قوم و تہذیب قائم کرنے کے ایک قبیلہ نئی سلطنت قائم کر سکتا ہے۔ اگرچہ وہ سلطنت نہایت ہی چھوٹی کیوں نہ ہو۔ وسط ایشیا کے متعدد قبائل نے گو نئی سلطنتیں قائم کر لی ہیں لیکن اُنکی تہذیب اور طرز حکومت ایک دوسرے سے بہت زیادہ مشابہ ہے

مقالہ ہفتم - ذاتیں

قوم اور قبیلہ کے حصے

قوم یا قبیلہ کے جغرافیائی حدود کے اندر ایسے اختلافات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ جو جغرافیائی حدود کے متوازی نہیں ہوتے گویا یہ سوسائٹی کے مختلف درجے ہیں جو سیاسی اہمیت و ترقی کے لحاظ سے بالاتر یا کم درجہ کے ہوتے ہیں یہ درجے ذاتیں طبقات خصوص۔ اور جماعات ہیں طبقات خصوصی کا ذاتوں سے یہ امتیاز ہے کہ انکی ترقی تاریخ کے اثر سے ہوتی ہے یورپ میں ذاتیں خاص طبقات میں تبدیل ہوگئیں ہیں اور انمیں مختلف تبدیلیاں پیدا ہوگئیں ہیں۔

ذاتوں کا نظام ہندوستان میں نہایت مکمل طریقہ سے موجود ہے مگر یہ ذاتوں کا اثر مصر و ایران میں بھی بہت کافی رہا ہے۔ لیکن ایشیائی آریوں کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں ذاتیں نمودار ہوئیں اسی طرح امریکہ میں بجائے ذات کے مسئلہ رنگ موجود ہے یعنی سفید رنگ کے انسان یا سیاہ حبشی یا سرخ امریکی کی گویا ذاتیں قائم ہیں زمانہ قدیم سے اکثر اقوام میں متعدد درجے یا طبقے موجود ہیں۔ یورپ کی ٹیوٹن اقوام نے ان درجوں یا طبقات خصوصی کو زمانہ قدیم میں درجہ کمال پر ظاہر کیا ہے ذاتیں قدرتی یا خدا کے مقرر کردہ درجے سمجھے جاتے ہیں۔ طبقات خصوصی تاریخی وجوہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور فنا ہوجاتے ہیں۔ اور جماعتیں حکومت کی قائم کردہ ہوتی ہیں۔ ذاتوں میں مذہب کا اثر۔ طبقات خصوصی میں اجتماعی زندگی اور معاشرتی و تعلیمی حالتوں کی قوت ظاہر ہوتی ہے اور جماعات سے ہر کی سیاسی قابلیت ظاہر ہوتی ہے

ذاتیں پیدائشی اور ناقابل تبدیل ہوتی ہیں۔ طبقات خصوصی پودوں کیطرح بڑھتے ہیں اور ملتوں اور سلطنتوں کیطرح ترقی کرتے ہیں قدیم زمانہ میں یہ بھی نسل ذاتوں کے پیدائش پر منحصر تھے مگر تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ جماعات کی صورت اختیار کرتے جاتے ہیں جماعات سلطنت کے نصب العین کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

ہندو ذاتیں افلاطون نے اپنی کتاب "جمہوریہ" میں انسان کو چار ذاتوں میں تقسیم کیا ہے (۱) حکومت کرنیوالی ذات۔ (۲) جنگ کرنیوالی ذات (۳) تاجر پیشہ (۴) خدمت گار تقریباً یہی تخیل ہندو ذاتوں میں عملاً ظاہر ہوا ہے۔ جسے ہم مختصراً درج ذیل کرتے ہیں

۱۔ برہمن منو کے دہرم شاستر نے برہمنوں کی ذات کو سب سے اوّل درجہ دیا۔ یہ گویا برہما کے سر سے پیدا ہوئے تھے اسی وجہ سے وہ دماغی و روحانی پیشوا قرار پائے گئے۔ مذہب اور قانون انکی حفاظت میں رہا۔ ذلیل ترین برہمن بھی بادشاہوں سے بلند مرتبہ رکھتا ہے اگرچہ دنیاوی کاروبار میں حصہ لینا اسکے لئے ممنوع نہیں ہے تاہم یہ ذات سراسر مذہبی اور علم و فن کی محافظ جماعت ہے اگر کوئی شخص کسی برہمن کو ایک تنکا بھی مار دے تو ابدالاباد کے لئے جہنم کا مستحق ہوجاتا ہے

۲۔ چھتری دوسری ذات جو برہما کے بازوں سے پیدا ہوئی۔ وہ چھتری ہے یہ گویا طاقت و قوت کے اوتار ہیں اور زیادہ تر بادشاہ راجہ اور صاحب حکومت لوگ ہوتے ہیں۔ یہ ذات جنگجو سپاہیوں کی ذات ہے انکا اصلی پیشہ جنگ کرنا ہے اگرچہ انہیں تجارت کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

۳۔ ویش	تیسری ذات ویش ہے انکا کام تجارت۔ زراعت اور جانوروں کا پالنا وغیرہ ہے۔ یہ ہندوؤں کا نہایت پرامن طبقہ ہے۔ جو صرف تجارت ہی کر سکتا ہے۔ اور مندرجہ بالا ذاتوں سے کسی قدر کم درجہ رکھتا ہے۔
۴۔ شودر	چوتھی نہایت ذلیل ذات شودر ہے۔ یہ برہما کے پیروں سے پیدا ہوئی ہے اس ذات کا فرض ہے کہ وہ اونچی ذات والوں کی خدمت کرے اور ذلیل پیشے اختیار کرے انکے لیے مذہبی تعلیم منع ہے۔

اس تقسیم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک ذات سے دوسری ذات میں چلا جانا ناممکن ہے اگرچہ ہم اس نتیجہ پر منطقی طور پر پہنچ سکتے ہیں اور بعض ہندو مذہب کی کتابیں بھی ظاہر کرتی ہیں کہ ذاتوں کی تفریق انسانی تقسیم کا نتیجہ ہے۔ اسکو مذہبی جامہ اسوجہ سے پہنا دیا گیا کہ ہندوستان قدیم میں ہر کام فطرۃً مذہبی سمجھ کر کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ تقسیم افلاطون کی تقسیم کی طرح انسانی درجۂ زندگی کو ظاہر کرتی ہے حالانکہ اب بجائے تقسیم عمل کے ذات محض پیدائش پر منحصر رہ گئی ہے۔ اصل وجہ اس تفریق کی یہ ہے کہ جب آریوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ تو یہاں کے اصلی سیاہ فام باشندوں کو بطور غلام رکھکر شودر کا لقب دیا گیا (جس طرح سے امریکہ میں سفید اقوام نے اصلی باشندوں کو غلام بنا رکھا ہے۔) ذات کا اصلی نام "ورنا" (یعنی رنگ) ہے اس سے ظاہر ہے کہ گورے رنگ والے آریہ سیاہ فام اصلی باشندوں سے بوجہ رنگ کی وجہ سے الگ ہو گئے تھے برہمن اور چھتری بہ نسبت ویش ذات کے زیادہ سفید رنگ ہیں (جیسا کہ عام طور پر آریہ قوم میں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ ہوتا ہے) ۔

برہمنوں کا اعزاز چھتریوں پر غالباً اسوجہ سے ہوا کہ پرانے لاتعداد دیوتاؤں کی پرستش کو چھوڑ کر برہمنوں نے برہما کے "مذہب ہمہ اوست" کو ترقی دی اور اسپر انکے بڑے بڑے رشی اور منی دنیاوی اعزاز اور طاقت کو چھوڑ کر ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اسطرح انکی عزت ہونے لگی۔

اس تاریخی ارتقا نے رفتہ رفتہ مذہبی رنگ پکڑ لیا اور ذاتیں الگ الگ ہو گئیں۔ یہ ذاتیں نہ تو آئین سلطنت میں داخل ہیں نہ نظام حکومت کا جزو ہیں ایسی صورت میں سلطنت کی ترقی اور استحکام ناممکن ہے سیاسی نصب العین تک کوئی قوم اس وقت نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ افراد قوم ایسی ناقابل تبدیل جکڑ بند سے نہ نکل سکیں جب تک اس نظام کو چھوڑ کر ہندو ذاتوں میں یکسانیت و مساوات نہ پیدا ہو گی انکا حکومت قائم کرنا مشکل ہے۔ اسی وجہ سے آجکل بعض روشن خیال اور دور بین مدبر چھوت کو دور کرنے اور اچھوت ذاتوں کو ترقی دینے میں ساعی ہیں ممکن ہے کہ بالاتر ذاتیں اپنی عزت و علمی حالت پر خوش ہوں مگر نیچ ذات والوں کے لئے یہ ابدی ذلت ہے اس سے نہ صرف نیچ ذاتوں کی آزادی مسلوب ہو گئی ہے بلکہ انمیں خودداری بھی کم ہو گئی ہے جو ہندوستانیوں کیلئے باعث شرم ہونے کے علاوہ انکی سیاسی و اجتماعی ترقی کو بہت کچھ روک رہی ہے

ذاتوں کی یہ تقسیم اس انتظام کو قائم رکھ سکتی ہے۔ مگر اس سے زندگی

مقالہ ہشتم

طبقات خصوصی (الف) یورپ

یوروپین اقوام میں بجائے ذاتوں کے طبقات خصوصی ہیں۔ مگر ذاتوں سے ان کا فرق ہے۔ کہ یہ تاریخ سے اثر پذیر ہو کر ترقی کرتے ہیں یورپ میں ذاتیں طبقات خصوصی بن گئی ہیں اور ان میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔

۱۔ طبقہ مذہبی | ملک غالیہ کے ڈرویڈ برہمنوں کے مانند کہے جا سکتے ہیں انکی حفاظت میں مذہب سائنس اور قانون ہوتا ہے۔ (اگرچہ وہ قومی امیروں سے قریبی تعلق رکھتے ہیں) زمانہ وسطی کے عیسائی پادری برہمنوں سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

۲۔ طبقہ امرا | طبقہ امرا یورپ میں ہر جگہ پایا جاتا تھا۔ اور برہمنوں اور چھتریوں کے فرائض کو انجام دیتا تھا یہ طبقہ پیدائش پر منحصر ہوتا تھا اس طبقہ میں پادری۔ قانون داں فوجی سردار۔ اور افسران اعلیٰ بھی ہوتے تھے۔ تجارت اور حرفت سے انکو واسطہ نہ تھا اور عموماً انکے ماتحت بہت سے آدمی ہوا کرتے تھے۔ اور وہ ہندوستان کے تعلقداروں کے مانند ان لوگوں سے اسامیوں کا سلوک کرتے تھے۔

۳۔ آزاد طبقہ | آزاد طبقہ کو پورے قومی حقوق حاصل تھے اور انہیں پر سلطنت اور حکومت کا دارمدار تھا طبقہ امرا ان سے بہتر حالت میں تھا مگر بخلاف اس کے کہ ہندوستانی رئیس کے مانند بلند تر ہستی سمجھا جاوے وہ انہیں میں سے ایک انسان ہوتا تھا جو کہ ترقی پا کر بلند رتبہ کا ہو جاتا تھا طبقہ آزاد عموماً زمینوں کا مالک اور انکی کاشت

کرنیوالا ہوتا تہا وہ لوگ تجارت میں بھی حصہ لیتے تھے مگر بہت کم۔ اگرچہ حکومت کے ماتحت رہنا انکا فرض تہا مگر کسی خاص رئیس سے وابستگی یا انحصار کا ہونا ان پر لازم نہ تہا۔

۴۔ نیم آزاد طبقہ

ان لوگوں کا تہا۔ جو زندگی کے ادنیٰ ضروریات کو مثل ہندستان شودروں کے مہیا کرتا تہا یہ بعض اوقات ملک مفتوحہ کے باشندے ہوتے تھے اور بعض اوقات وہ مفلس جو قرض کی وجہ سے دائمی غلامی میں آگئے ہوں ان کی حفاظت کے لیئے ایک امیر ہوتا تہا جسکو وہ اپنا سرپرست اور مربی سمجھتے تھے اور وہ قوم کے ایک جزو سمجھے جاتے تھے اور غلاموں سے انکا مرتبہ اعلیٰ اور آزاد طبقہ سے کم ہوتا تہا۔

یورپ میں طبقات بالا کا خاص قانون اور خاص طریقہ انصاف تہا اور ہر طبقہ جداگانہ قانون کا پابند تہا۔ اور ملی اتحاد کو ان اختلافات کی وجہ سے سخت صدمہ پہنچتا تہا۔ آخرکار یہ طبقے بجائے پیدائشی ہونے کے اختیاری ہو گئے اور آخری دور میں صرف چار طبقے رہ گئے۔ (۱) طبقہ مذہبی (۲) طبقہ امرا (۳) طبقہ مدنی (۴) طبقہ مزارعین قرون وسطی میں یہ طبقات زوال پذیر ہونے کے بعد بڑی حد تک مٹ گئے موجودہ زمانہ میں کہیں کہیں کوئی انکا شکستہ نمونہ مل جاتا ہے۔ ان طبقات کے سمجھ لینے پر موجودہ زمانہ کی سلطنتوں کی نشو نما اور سیاسی ترقی و تنزل کو پورے طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے۔

طبقات خصوصی (ب) ایشیا

ایشیائی اقوام خصوصاً اسلامی سلطنتوں میں چار طبقات خصوصیت تھے اور جو

جمہوریہ اسلام نے بہت جلد شاہی طرز حکومت اختیار کرلیا اسلئے یہاں وہی طبقات قائم
ہو گئے جو پہلے موجود تھے۔

۱۔ طبقہ علمائی | مذہب اسلام علما کو عزت و منزلت کا مستحق سمجھتا ہے۔ مگر بخلاف
یورپ کے (جہاں مذہبی طبقہ سلطنت سے قطعی آزاد تھا) وہ انکے اُن احکامات کو نہیں
مانتا تھا۔ جو یا تو اسکی قوت کو گھٹاتے یا اسپر ٹیکس عاید کرتے تھے) علما کا طبقہ قانون کے
سامنے کسی خصوصیت کا مستحق نہیں ہے۔ اُنکی عزت اُنکے علم و عمل کی وجہ سے
ہوتی ہے۔ اور ہر مسلمان علم حاصل کرنے کے بعد اس طبقہ میں داخل ہو سکتا ہے۔
ہندوؤں میں برہمنوں کا طبقہ علما کے طبقہ کا متوازی ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی
تنگدلی سے اسے محدود کرلیا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس طبقہ میں داخل نہیں ہو سکتا

طبقہ علما نسبی نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ اسی طبقہ کے پہلو بہ پہلو ایک وہ جماعت
ہے جسکی عزت صرف نسبی امتیاز کی وجہ سے علما سے بھی زیادہ کیجاتی ہے۔ یہ
سادات ہیں۔ انکی عزت و منزلت اسوجہ سے ہے کہ وہ آل رسول ہیں۔ اور زیادہ تر
حقیقت و معرفت آگاہ سمجھے جاتے ہیں۔

علما کا فرض ہے کہ تبلیغ دین کریں۔ اسی لئے وہ مذہبی پیشوائی اور دینی رہنمائی کی
خدمت انجام دیتے ہیں۔ اور اسلامی قانون کے ماہر اور سمجھانے والے ہوتے ہیں۔ اسوقت
اسلامی سلطنتوں میں انکا حکومت و انصاف سے گہرا تعلق ہے۔ لیکن سیاسی حکمت عملی
ہمیشہ عام مسلمانوں کی رائے پر منحصر رہی ہے۔

ہندوستان میں برہمنوں کی ذات اس طبقہ سے تھی لیکن اسکو حکومت سے کوئی تعلق
نہیں تھا سوائے اسکے کہ یہ قانون کی حفاظت کرتے اور سلطنت کے مذہبی رسوم کو ادا

اور ایسے مذہبی قوانین بناتے تھے جنکی وجہ سے راجہ کا اُن سے مشورہ لینا نہایت ضروری تھا۔

۲۔ طبقہ شاہی و امرا | اس طبقہ میں بادشاہ یا راجا اور اسکے رشتہ دار اور فوجی سردار شامل تھے ہندوستان میں اس طبقہ کے لوگ اکثر راجہ و نواب وغیرہ ہوتے تھے جنکے پاس باقاعدہ فوج ہوتی تھی۔ اور یہ کبھی حکومت بالا کے ماتحت اور کبھی آزاد رہتے تھے۔ شاہی نسل کے لوگ مختلف صوبوں کی حکومت یا فوجی خدمت انجام دیتے تھے اور دنیاوی اعتبار سے کل رعایا سے افضل و اعلیٰ سمجھے جاتے تھے۔ یہ طبقہ عام طور سے پیدائش پر منحصر تھا اور بعض اوقات معمولی طبقہ کا انسان اپنی غیر معمولی قابلیت یا حسن اتفاق سے اس رتبہ پر پہنچ سکتا تھا عرب کے قبائل کے شیوخ اور ایران کے امرا و وزرا افغانستان کی قوم دُرانی اسی طبقہ سے ہیں اور ایشیا میں یہ طبقہ اب تک باقی ہے۔

۳۔ طبقہ متوسط | یہ طبقہ فوجی خدمات و ملکی ملازمت و تاجر پیشہ لوگوں کا تھا یہ لوگ ایران و ہندوستان میں طبقہ امرا سے نیچے درجہ کے ہوتے تھے مگر عرب میں طبقہ امرا کو متوسط طبقے کے لوگوں سے بلند تر نہیں سمجھا جاتا تھا اس طبقہ میں عموماً دو درجے ہوتے تھے ایک وہ جو طبقہ امرا سے قریب تر ہوتا تھا اور دوسرا وہ جو ادنیٰ طبقہ سے کسیقدر ملتا تھا

۴۔ طبقہ ادنیٰ | اس میں غریب کاشتکار معمولی پیشہ والے لوگ نیم آزاد انسان اور ہندوستان کی شودر ذات۔ اور غلام وغیرہ شامل تھے۔

ایشیا میں ہر ملک کے اعتبار سے ان طبقات کی کچھ نہ کچھ خصوصیت دلوازمے تھے ... طبقات تر ... [illegible]

پاتے رہتے تھے صرف ہندوستان میں کاشتکاروں کی مختلف حالتیں تھیں بعض
جگہ وہ اپنے زمیندار کو کچھ لگان ادا کرتے تھے۔ اور بعض جگہ خود ہی زمین کے
مالک ہوتے تھے اور آزاد رہتے تھے اسی طرح عرب میں مختلف قبائل کے
سردار و عامی سپہ گری سوداگری اور جانوروں کے پالنے کا کام کرنے میں مشغول
رہتے تھے۔ بخلاف ہندوستان کے شام و ایران میں زراعت یا گلہ بانی کو معمولی
پیشہ نہیں سمجھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان طبقات کے قیام میں ملکی و
جغرافیائی اثرات کو بہت کچھ دخل ہے۔ ہم نے ایشیائی طبقات کو مجملاً بیان کیا ہے
حالانکہ ضرورت اسکی ہے کہ ہر ملک کے طبقات خصوصی کا مفصل مطالعہ کیا جائے
تاکہ وہاں کی سیاسی ترقی کو با آسانی سمجھا جا سکے۔

مقالۂ نہم غلامی

کسی خاندان یا قوم کے اندر غلام بحیثیت اجنبی کے داخل ہوتا ہے اور کبھی جزو قوم نہیں سمجھا جاتا یہی اس امر کی دلیل ہے کہ غلامی فطرت انسانی کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ سراسر خلاف ہے۔

خیالات ارسطو ارسطو نے نہایت لطیف منطق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض انسان فطرۃً آقا ہوتے ہیں اور بعض فطری طور پر غلام ہوتے ہیں۔ مگر اس دلیل سے ایک ایسی جماعت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے جو ادنیٰ خدمات بجا لا سکے نہ یہ کہ یہ دلیل غلاموں کی جماعت کے قیام کی تائید کرتی ہے جو کچھ بھی حقوق نہ رکھتی ہو۔ اسمیں شک نہیں کہ اعلیٰ قابلیتوں کے انسان کو اپنے فرائض کے انجام دینے کے لئے ایسے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں ارسطو نے "زندہ متاع" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یقیناً بعض انسان اس قسم کے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے فرائض کی انجام کے لئے کام لینے والے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو ایسی باہمی ضرورت ہے کہ آقا و ملازم۔ کاشتکار اور مزدور۔ تاجر اور کاریگر کا ایسا تعلق قائم ہو جنمیں ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ درجہ کا آدمی سمجھا جائے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انسان مثل پالو جانوروں کے اپنی انفرادی آزادی اور انسانی ہستی کو زائل کر دے۔ اور اپنے آقا کا غلام بن جائے اور اسکی سوداگری مثل بے جان چیزوں کے ہونے لگے۔ انسان قدرتی طور پر جاندار ہستی ہے۔ اس سے جیسے بے جان اشیا

کی طرح سلوک کرنا بہی طور غیر فطرتی ہے لہذا یقیناً وہ غلام نہیں ہو سکتا۔

رومی قانون رومی قانون سازوں نے اپنے نظریہ قانون میں اس سختی سے غلاموں کو بے جان اشیا کی مانند سمجھا۔ کہ قدیم زمانے کے لحاظ سے بھی تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے۔ انکے کوئی حقوق نہیں رکھے گئے اور محض اشیائے بے جان کی طرح سلوک کیا جانے لگا تاہم انکا خیال تہا کہ غلامی غیر فطرتی ہے اور اقوام عالم کے رواج کی وجہ سے جاری ہے لیکن اسکے متعلق اتنے سخت قوانین تہے کہ نہ تو غلام مال رکھ سکتا تہا نہ اسے شادی اور رشتہ داری کرنے کی اجازت تہی۔

یورپ کا غلام جرمن قوم اور عموماً ٹیوٹن اقوام اتنی سختی سے غلام نہیں رکہتی تہیں جتنا کہ رومن قوم کے قوانین سے ظاہر ہے مغربی یورپ سے غلامی نیم آزادانسان کی صورت میں تبدیل ہوکر انیسویں صدی کی ابتدا میں بالکل مٹ گئی روس میں ابتدا طبقہ کاشتکار آزاد تہا مگر امرا کے ظلم و سختی سے ان کی بہت کچھ آزادی چہن گئی تہی ۱۹ فروری سنہ ۱۸۶۱ء میں زار سکندر ثانی نے باوجود امرا کی مخالفت کے ایسا قانون جاری کردیا جس سے روس میں انفرادی آزادی کا نیا دور شروع ہوگیا۔

امریکہ کا غلام نئی دنیا میں غلامی نے اتنی ظالمانہ اور وحشی صورت اختیار کرلی تہی کہ بیان قاصر ہے۔ سیاہ رنگ کے حبشی چونکہ سفید قوم والوں کے غلام ہوتے تھے لہذا غلاموں کو نہایت ذلیل اور انسانیت سے خارج سمجہا جاتا تہا۔ بھلا یہ کیسے

ممکن تھا کہ سفید رنگ کا فرعون اپنے سیاہ غلام کو اسی فطرت انسانی اور ان ہی جذبات کا مالک سمجھے علاوہ خود یہ اسی وجہ سے ظلم کا دور دورہ تھا۔ کیا یہ برتاؤ انسانی اخلاق یا خدائی انتظام کے مطابق تھا۔

سخت کوششوں کے بعد ولبرفورس نے انگریزی مجالس قومی سے یہ قانون پاس کرادیا کہ انگریزی ممالک میں غلامی قانوناً ناجائز ہے آقاؤں کو ان کے ملازموں کا معاوضہ دیا گیا۔ اور غلاموں کی تجارت کو روکنے کیلئے بین الاقوامی معاہدے ہو گئے یہ ولبرفورس کی بہترین انسانی خدمت کا نتیجہ تھا۔ اسکے اثر سے امریکہ میں بھی بسنہ ۱۸۶۵ء یکم فروری میں غلامی کے خلاف قانون پاس ہوگیا مگر امریکہ کے سیاہ باشندوں کو ذاتی آزادی اور خانگی حقوق کے علاوہ کوئی حقوق نہیں ملے موجودہ امریکہ میں مسئلہ رنگ نے بہت سی پیچیدگیاں اختیار کر لیں ہیں اور وہی حبشی جو غلاموں کی حیثیت سے افریقہ سے آئے تھے اب مساوی سیاسی حقوق طلب کر رہے ہیں مگر سیاسی حقوق لینے کے لئے سیاسی قابلیت کا ہونا ضروری بتایا جاتا ہے اور اب تک سیاہ فام باشندے گورے چمڑے والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ مساوی حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔

غلامی پر ایشیا کا اثر
۱۔ ہندوستان

آریہ اقوام جب ہندوستان میں داخل ہوئیں تو انہوں نے یہاں کے اصلی باشندوں کو غلام نہیں بنایا بلکہ انکی وحشی حالت کو اپنی حالت سے بدتر پا کر انکا سوسائٹی میں ادنیٰ درجہ رکھا۔ اور وہ مثل غلاموں کے رہے۔ مگر انکو ذاتی مال و دولت رکھنے اور شادی بیاہ کرکے رشتہ داری اور دیگر حقوق ذاتی کی اجازت تھی صرف مذہبی تعلیم سے وہ الگ رکھے جاتے تھے اسی وجہ سے اب تک انکی حالت

نہایت قابل رحم ہے اور اس جہالت کی غلامی سے نجات دینا انسانیت کا فرض اولین ہے۔

۲ **چین** چین میں ایسی غلامی کبھی نہیں پھیلی جیسی کہ مغرب میں تھی نہ انکی تعداد کبھی اس قابل ہوئی کہ اسکی طرف توجہ کی جائے قحط کے زمانہ میں اکثر بچے معمولی قیمت پر فروخت کردئیے جاتے تھے یا قرض اور جرم کی وجہ سے انسان اپنی آزادی بیچ ڈالتا تھا تاہم وہاں زیادہ سختی و ظلم کی داستان موجود نہیں۔

۳ **جاپان** جاپان اور یورپ کے تصادم سے غلاموں کی تجارت جاپان میں پھیلی سولہویں صدی کی طویل خانہ جنگیوں اور کوریا پر فوج کشی کرنے کی وجہ سے جاپان اتنے مفلس ہوگئے تھے کہ اکثر خود سپاہی پرتگالی لوگوں کے ہاتھ فروخت ہوجاتے تھے۔ غلام اتنے سستے ہوگئے تھے کہ پرتگالیوں کے ملایا اور حبشی ملازم بھی جاپانی غلاموں کی تجارت کرنے لگے۔ انیسویں صدی میں جاپانی اور حبشی غلام امریکہ جانے لگے انکی حالت اتنی قابل رحم تھی کہ امریکہ میں انمیں سے اکثر نے افیون کھا کر بعض نے پہاڑ سے کود کر اور بعض نے سمندر میں گر کر جان دیدی مگر جاپان نے سیاسی ترقی بھی کی اور خود بخود جاپانی قلی (جو مثل ہندوستانی ٹھیکے کے قلیوں کے جزائر فجی وغیرہ میں بھیجے جاتے ہیں) مزدوری کرنے کے بجائے صنعت و حرفت کرنے لگے۔ اور غلامی کا دروازہ جاپان پر خود بخود بند ہوگیا۔

اسلام اور غلامی ٹھیک اس وقت جب کہ تمام یورپ تقریباً عیسائی ہوگیا تھا۔ ایک نیا مذہب عرب میں پیدا ہو رہا تھا۔

شاید اسوقت جب کہ انگریزی غلام روما میں فروخت

ہو رہے تھے مکہ میں اسلام غلاموں کو اپنی آغوش مساوات میں لیکر آزاد کر رہا تھا غلاموں نے اسلام کے واسطے نہایت استقلال کے ساتھ مصیبتیں اٹھائیں اور حضرت بلال جو ایک حبشی غلام تھے محض اسلام کی وجہ سے اس درجہ اعلیٰ پر پہنچے جو موجودہ زمانہ کے آزاد جمہوریہ کے شہری کو بھی حاصل نہیں ہے۔

پیغمبر اسلام کا یہ قاعدہ تھا کہ ہمیشہ اپنے غلام کو آزاد کر دیتے تھے۔ آپ نے آخری حج میں غلاموں کے متعلق فرمایا اور تمہارے غلاموں کے متعلق یہ کہ انہیں وہی خوراک کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور ایسا لباس پہناؤ جو تم خود پہنو اور اگر وہ ایسا قصور کریں کہ جسے تم معاف کرنے پر تیار نہیں ہو تو انہیں فروخت کر ڈالو کیونکہ یہ خدا کے بندے ہیں انہیں اذیت نہ دینی چاہیے" قرآن میں غلاموں کے لئے صاف احکام ہیں جن سے غلاموں کی آزادی کی بنا پڑی اور یہ خیالات اسلامی تمدن کے ساتھ ساتھ مغرب میں پہنچ کر انہیں محسوس کرا سکے کہ غلام بھی انسان ہے اور اس کا حق بھی آزاد ہونا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ "تمہارے ایسے غلام جو کچھ رقم ادا کرنے پر اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم اس کے متعلق تحریر دیدو تو تمہیں چاہیے کہ تم ایک تحریر لکھ دو اگر تم ان میں بہتری دیکھتے ہو اور انہیں خدا کی وہ نعمتیں دو جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں" اس سے واضح تر بات دوسرا قول یہ ہے کہ "تم کس نیکی کی شاہراہ کو سمجھ سکتے ہو یہ غلام کو آزاد کرنا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مسلمانوں کا طرز عمل مسلمان غلاموں پر سخت گیر ہو سکتے تھے اور اثر تعلیم اسلام

کا تعلیم مغربی دنیا کے صدائے حریت سے ہزار برس قبل بلند ہو چکی تھی اور اسی کا ثمرہ تھا کہ مغرب میں اس تحریک کو نشو و نما دیکے۔ غلام مسلمان ہوتے ہی آزاد ہو جاتا تھا چونکہ اسلامی شریعت میں کل مسلمانوں کو بھائی بھائی بتایا گیا ہے غلاموں کو مسلمانوں نے اتنی باقاعدہ تعلیم دی کہ ہندوستان میں خاندان غلامان سے بادشاہ ہوئے شاہ فیروز نے غلاموں کو فوجی اور تجارتی تعلیم دی تھی اسکے چالیس ہزار غلام شاہی محلوں کے محافظ ہوتے تھے بارہ ہزار ماہر فن غلام دلی میں تھے اور ایک لاکھ اسی ہزار غلام حکومت سے وظیفہ خوار تھے اسی طرح سلطان مصر نے چنگیز خان کی فوج سے بارہ ہزار سپاہیوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا جو بطور فوج کے رکھے گئے اور آخر کار اتنے طاقتور ہو گئے کہ انہوں نے اپنی پسند سے بادشاہ بنانا شروع کیا اور عرصہ تک مملوک سلطان حکومت کرتے رہے اسیطرح سلاطین ترکی نے ینی چری کو (جو غلاموں کی ایک فوج ہوتی تھی) اتنی عزت دی کہ وہ بہترین اور معزز ترین فوج سمجھی جاتی تھی۔ اور عرصہ دراز تک انکی قوت پر سلاطین عثمانیہ کا دار و مدار رہا مسلمانوں کے اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ کہانتک اسلام کا اثر ایسے زمانہ میں ہوا جبکہ غلامی کو رفتہ رفتہ کم کرنے کے علاوہ یکایک غلامی کو روک دینا بجائے اصول مساوات اور انسانی ہمدردی کے قیام کے زیادہ سختی سے غلامی کو رواج دے دیتا اور قرآن نے کس آسانی اور فطرتی طریقہ سے اس منحوس رسم کو دنیا سے مٹا دینے میں مدد دی۔

مقالہ دہم - جماعات

جماعات و طبقات خصوصی | جماعات کی ابتدا اور انکا انجام سلطنت کے ساتھ ہوتا ہے مگر طبقات خصوصی کا تعلق سلطنت سے کچھ نہیں ہوتا جماعات اتحاد قومی پر منحصر ہوتی ہے طبقات کو اسکی ضرورت نہین جماعات سیاسی حدود ہین جنکی بنیاد قومی اتحاد اور قومی قانون پہ ہوتی ہے بخلاف اسکے طبقہ ایسے گروہ یا مجمع کا نام ہے جسکی بنیاد قوم نہین ہوتی بلکہ انفرادی اور خانگی حقوق پہ ہوتی ہے مذہبی طبقہ مذہب کو سلطنت پر فوقیت دیتا ہے طبقہ امرا اپنا اور اپنے اجتماعی حقوق کا پہلے خیال کرتا ہے شہری اپنے کاروبار کو سب کچھ سمجھتا ہے اور کسان کا نصب العین کاشتکاری ہے ہر طبقہ مین مخصوص تعلیم و مخصوص طرز زندگی ہوتا ہے اور ان کا امتیاز زیادہ تر انکے پیشون کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ سلطنت کے مقرر کردہ قوانین نے ان مین افتراق و امتیاز پیدا کیا ہے طبقات خصوصی قدرتی طور پر سوسائٹی مین نمودار ہو جاتے مگر جماعات کی بنا ڈالنے والی سلطنت ہوتی ہے یہ قومی عقل و قوت عمل کا نمونہ ہوتی ہین اسی وجہ سے موجودہ زمانہ مین یہ جماعتین صرف ان ہی قومون مین موجود ہین جو مہذب کہی جاتی ہین ہر جماعت کے لوگ مختلف طبقات کے لوگون پر مشتمل ہوتے ہین جس سلطنت مین نظام جماعات اس طرح نہین بنتا وہان اجتماعی زندگی کافی ترقی نہین کرسکتی اگرچہ جماعات کی تقسیم اسی اعتبار

جس طرح طبقات خصوصی کی اور جماعات مین مختلف طبقات کے لوگ شامل نہ ہون تو خاص طبقات کے ذاتی فوائد سیاسی قوت کی مدد سے ملی فوائد پر جلد غالب آجائین گے اور سلطنت مین شدید اختلاف پیدا ہوجائیگا جیساکہ ہندوستان مین طبقہ امرا اور طبقہ مزارعین مین اختلاف رونما ہوکر سخت فسادات برپا ہوئے اور اسکے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔۔

اکثر جماعات کی تقسیم باعتبار دولت ہوتی ہے اس قسم کی تقسیم اس تقسیم کا مقابلہ نہین کرسکتی جو بجائے دولت کے سیاسی قابلیت کو معیار مقرر کرتی ہے اور جہانتک ممکن ہوتا ہے اسی بنا پر جماعات کی تقسیم کرتی ہے یہ تقسیم نہایت مشکل ہے لہذا عموماً موجودہ سلطنتون مین چار مختلف جماعات کا وجود تسلیم کیا جاسکتا ہے

۱۔ حکام | موجودہ زمانہ کی حکومت کرنے والی جماعت عموماً عہد قدیم کے طبقہ امرا یا شاہی طبقہ سے تعلق رکھتی ہے جمہوری حکومت کے اعلے حکام اپنی عمدہ تعلیم یا پیشہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے طبقہ امرا کے درجہ کے سمجھے جاتے ہین۔

۲۔ امرا | جماعت امرا اگرچہ حکومت کرنے والی جماعت نہین ہوتی لیکن سوسائٹی مین اسکا اعلے وارفع درجہ ہوتا ہے اور یہ جماعت حکام اور قوم کے عام افراد کے درمیان ممتاز درجہ رکھتی ہے ادنی جماعت کے لوگ وقتاً فوقتاً اس جماعت کے رتبہ پر پہنچتے رہتے ہین اور اکثر اس جماعت کے لوگ اپنی اہمیت کو زائل کرکے ادنی درجہ پر پہنچ جاتے ہین اس جماعت کے درجہ کو حاصل کرنا بغیر دولت یا عمدہ پیشہ یا اعلی تعلیم کے

مشکل ہے۔

۳۔جماعت ملاتی | تعلیم یافتہ جماعت (جماعت ملی) عوام اور جماعت امراء سے بالکل الگ ہے اُنکا امراء سے یہ فرق ہے کہ انہیں نہ تو یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے خاص حقوق (ملّی حقوق کے علاوہ ہیں) نہ وہ خاص اعزاز چاہتے ہیں وہ عوام سے اسلئے بالاتر ہیں کہ انکی تعلیم و تربیت اور معزز پیشہ عوام سے اچھے ہیں وہ زیادہ تر جسمانی محنت کو عوام کے لئے چھوڑکر دماغی محنت کرتے ہیں اس ضمن میں مندرجہ ذیل اقسام کے لوگ شامل ہیں۔

۱۔معمولی عمال حکومت (علاوہ حکامان اعلےٰ کے جو جماعت امرامین داخل ہیں)

۲۔علما مذہبی طبقہ۔ اور عموماً تعلیم دینے والے اصحاب۔

۳۔قانونی پیشہ۔طلبا۔اور تعلیم یافتہ اصحاب۔

۴۔ماہرین فن۔ڈاکٹر انجینیر اور اسی قسم کے پیشوں کے اعلیٰ ماہر۔

۵۔صنعت و تجارت پیشہ۔

۶۔صاحبان راس المال (سرمایہ دار)

۷۔بڑے زمیندار جو طبقہ امرامین داخل نہ ہوں۔

اس جماعت کے لئے ضروری ہے کہ اچھی تعلیم پائی ہو اور خدمات عام کیلئے کچھ وقت بھی صرف کرسکے چونکہ اسی جماعت سے لوگ زیادہ تر حکومت کی مختلف مجالس میں نمائندگی کرتے ہیں۔

۴۔جماعت ادنیٰ | اس جماعت مین وہ تمام باشندے شامل ہین جو متذکرہ بالاجماعتون
مین نہین ہین انہین عموماً عوام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ان مین مختلف پیشون اور
حالتون کے افراد ہوتے ہین مگر ہر ایک یکسان حق رکھتا ہے انکے جملہ حقوق جماعت
مدنی کی طرح ہوتے ہین اگرچہ ان لوگون کو اتنا وقت نہین ملتا کہ وہ جماعت مدنی کی
طرح خدمات عامہ انجام دین اس وجہ سے انکا درجہ جماعت مدنی سے کم سمجھا جاتا
ہے انکی ترکیب عموماً مندرجہ ذیل اجزا سے ہے۔

۱۔گلہ بان۔ملاح۔کان کن۔اور عموماً تمام مزدوری پیشہ جنکا کام زیادہ
تر جسمانی محنت پر مبنی ہوتا ہے۔

۲۔ادنیٰ جماعت مدنی خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہون خواہ کسی کارخانہ مین
کرتے ہون مثلاً جلاہے سبزی میوہ فروش وغیرہ وغیرہ۔

۳۔حکومت کے ادنیٰ ملازم اور معمولی منشی و کلرک فوج و پولیس کے سپاہی وغیرہ

۴۔نہایت ہی معمولی خدمتگار قلی وغیرہ۔

مندرجہ بالا تفریق کا معیار نہایت عمدہ ہے دماغی کام کے لئے اعلیٰ تعلیم اور
عمدہ طرز زندگی کی ضرورت ہے جسمانی کام کے لئے محض پیشہ کا سیکھ لینا اور معمولی
طرز زندگی کافی ہے قدرتاً انسان کے یہ دو درجے ایک دوسرے سے آسانی سے تمیز
کئے جا سکتے ہین اس جماعت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگرچہ سلطنت کا یہ
ضروری جزو ہوتے ہین لیکن ان مین حکومت کی اہلیت نہین ہوتی اسی وجہ سے

انکو رہنماؤں کی ضرورت ہے موجودہ زمانہ مین یہ جماعت مزدوری پیشہ جماعت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور اسکا متحدہ اثر اقتصادی و معاشرتی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا ہے یہ حکومتون کو بدل سکتے ہین اور نظام حکومت مین ردّ و بدل کرا سکتے ہین مگر ان مین حکومت کی اہلیت قطعی نہین ہوتی اس وجہ سے انقلاب کے بعد اپنی حکومت کو قائم نہین رکھ سکتے ۔

اس جماعت کی اہمیت کو ہندوستانی امرا نے سنہ ۱۹۲۱ء کی تحریک مزارعین مین محسوس کیا اسیطرح یورپ مین بھی یہ جماعت بہت زیادہ قوی ہو رہی ہے اور بولشوک تحریک کی بنا اسی جماعت نے ڈالی ہے ۔ اگر اس جماعت کو کسی مذہبی یا اجتماعی جذبے سے نہ روکا گیا تو امن عامہ مین جلد خلل ہونے کا اندیشہ ہے اس جماعت کے باقاعدہ نظام قائم ہونے کی ضرورت روز بروز بڑھتی جاتی ہے چونکہ اسی جماعت سے نہائت ادنی درجہ کے آوارہ گرد لوگ پیدا ہوکر جرم و بدامنی پھیلانے کا باعث ہوتے ہین اس وجہ سے انکا انتظام ضروری ہے اور انکے جذبات کو فائدہ مند راستون کے طرف پھیرنا مدبرون کا کام ہے ۔

اگرچہ اس جماعت مین حکومت کرنے کی قابلیت نہین ہوتی تاہم ان کا انتخاب اگر بلدی جماعتون اور دیگر قومی مجالس مین ہو تو کوئی مضائقہ یہ ہے اس جماعت کو قومی تحریکون اور خدمت عامہ کرنے کی فرصت اگر اس جماعت کے حقوق انتخاب بالکل جماعت مدنی کے برابر ہو

توجماعت مؤخرالذکر کے حقوق کو بے انصافی سے چھین لینے کے مترادف ہوگا اس جماعت کو بجائے حق نمائندگی کے سرپرستوں کی ضرورت ہے جو انکو باقاعدہ نظام میں قائم کرکے تعلیم دے سکیں۔

مقالہ یازدہم سلطنت کا خاندان سے تعلق

مدبرین قدیم اور موجودہ نے اس نظریہ کو مان لیا ہے کہ خاندان سلطنت کا نمونہ ہے اور انکا قول ہے کہ سلطنت مثل باپ کے اور ملتین اور قومین مثل بچون کے ہین۔

خاندان اور سلطنت کا فرق

مندرجہ بالا تمثیل خاص حد تک صحیح ہے چونکہ جب تک سلطنت پیدائی اقتدار کی بنا پر قائم ہوتی ہے اسوقت تک سلطنت خاندان کا نمونہ ہوتی ہے اور جب رفتہ رفتہ ملت یا انسانیت پہ سلطنت کی بنا قائم ہوجاتی ہے اسوقت یہ مثال غلط ہوجاتی ہے۔ لہذا خاندان و سلطنت کا فرق ہم ذیل مین درج کرتے ہین۔

۱۔ خاندان کی بنا شادی پہ ہوتی ہے اسی وجہ سے اسکے افراد ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوتے ہین بخلاف اسکے سلطنت کے افراد کا تعلق نہ شادی پہ ہوتا ہے نہ رشتہ داری پہ بلکہ اسکی مختلف جماعتین عموماً ایک دوسرے سے شادی کرنے کا صرف حق رکھتی ہین اور آپس مین رشتہ داری اور خون کا تعلق نہین ہوتا۔

۲۔ سلطنت کی بنیاد ملت و ملک پہ ہوتی ہے مگر خاندان مین یہ بات نہین ہوتی خاندانی سوسائٹی کا کسی خاص ملک سے تعلق نہین ہوتا۔ بخلاف اسکے بجائے خاندان کے سلطنت افراد پر مشتمل ہوتی ہے یعنی بجائے اسکے کہ کل خاندان متحدہ طور پر ایک فرد سمجھا جائے اسکے کل افراد کا الگ الگ حق ہوتا ہے۔

۳۔ دونون نظام اپنے اپنے طرز عمل مین علحدہ ہین خاندان مین بزرگ

سردار اپنے ماتحتوں کا رشتہ دار ہوتا ہے۔ سلطنت مین اگرچہ بادشاہ مثل باپ کے ہوتا ہے۔ مگر اسکا رعایا کی مختلف جماعتون سے کوئی رشتہ سوائے سیاسی رشتہ کے نہین ہوتا۔[1]

ان وجوہ سے خاندان سلطنت کے مانند نہین ہوسکتا۔ صرف خاندانی سلطنت اور خاندان ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہین۔ موجودہ سلطنتون مین خاندانی سلطنتون کا وجود باقی نہین ہے۔

عورتون کے سیاسی حقوق

(۱) مسلمان

مردنے اپنے متمرد و سرکشانہ طرز عمل سے ہمیشہ عورت کو اپنے سے کمتر سمجھا اور اسکو بہت کم حقوق دیئے تاہم مشرقی دنیا نے عورتون کی جتنی عزت قائم رکھی اسکا عشر عشیر بھی مغرب مین نہین ہے۔ چنانچہ قرآن مردون سے خطاب کرتا ہے "کہ عورتین تمہارا لباس ہین اور تم عورتون کے لباس ہو" اتنے تاریک زمانہ مین جبکہ انسانی تہذیب عام طور سے نہایت گری ہوئی تھی۔ بھلا عورتون کی کب عزت ہوسکتی تھی۔ مگر اس عبارت قرآنی نے یکایک عورتون کی مساوات کو نئی شان سے پیش نظر کر دیا۔ مگر ساتھہ ساتھہ مردون کو عورتون کا فطری سرپرست و محافظ قرار دیا۔

(ل) زمانہ جاہلیت مین عورتین مثل جانورون کے سمجھی جاتی تھین۔ اور سوائے مردون کی غلامی کے ان کا اور کوئی کام نہ تھا۔ مگر اسلام نے انکو حق میراث و ذاتی مال

[1] دیکھیئے باب نمبر ا مقالہ نمبر ا۔

و دولت رکھنے کا حق دیا۔

(ب) چونکہ تہذیب اور تمدن مین ہر شخص بغیر تعلیم کے کچھ ترقی نہین کر سکتا اسوجہ سے ہر مسلمان عورت کو تعلیم حاصل کرنا فرض ہوگیا۔ اور انکو اس دولت سے محروم نہین کیا گیا

(ج) جس طرح مرد کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت تھی اسیطرح بیوہ کو دوبارہ شادی کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بتلایا گیا کہ اخلاقاً و مذہبًا یہ فعل نہایت ہی مناسب ہے۔ اور اسکے ساتھہ عورت کو اپنے شوہر سے خاص خاص حالتون مین قطع تعلق کر لینے کا بھی حق ہے۔

(د) عام طور سے سامی نسل مین لڑکیون کو مار ڈالنے کی رسم تھی اس رسم کو قانونًا منسوخ کرکے عورتون کی اہمیت اور اجتماعی حیثیت کو بڑھایا گیا۔ مردون کو عورتون سے نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور عورتون کو ان کل معاملات مین جو خواہ سیاسی ہون یا مذہبی رائے دینے اور تنقید کرنے کا حق دیا گیا قانونًا دو عورتون کی شہادت ایک مرد کے برابر اور میراث مین عورتون کا حق مردون سے نصف رکھا گیا تھا۔ مگر یہ حکم اس وقت کے لئے تھا جب عورتون کا کوئی حق ہی نہ تھا۔ اور عورتون کو مردون کے برابر حقوق دیئے جانے کی ایسی شاہراہ کھول دی گئی تھی کہ رفتہ رفتہ عورتون کے بعض حقوق مردون کے حقوق سے بھی بڑھ گئے۔ اور عمومًا ہر اسلامی ملک مین عورتین صرف خانگی امور اور اجتماعی زندگی مین وہ درجہ پاگئین کہ مرد اُن کا خادم تصور کیا جانے لگا۔ اور عورتین مردون کی محنت پر اتنا انحصار کرنے لگین کہ اعتدال سے گذر جانیکا خوف

ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ عورتین (صرف مشرق مین) بیرونی دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جائین۔

(۲) ھندو | مسلمانون کے علاوہ مشرق مین دو قومون کی عورتین قابل ذکر ہین۔ اول ہندو۔ دوسرے چینی و جاپانی اقوام کی عورتین۔ موخر الذکر زیادہ تر مردون کے برابر حقوق رکھتی ہین اور مغربی تہذیب کے اثر کو نہایت سرعت سے قبول کر رہی ہین ہندو عورتون کو مذہب کی وجہ سے سخت پابندیون مین رہنا پڑتا ہے۔ اور وہ درج ذیل ہین

(۱) شادی | ہندو خاندانون کے اصول مذہباً آباؤ اجداد کی پرستش پر مبنی ہین اس وجہ سے پہلا اصول یہ ہے کہ ہر ہندو پر یہ فرض ہے کہ وہ شادی کرکے اولاد پیدا کرے تاکہ اپنے آباؤ اجداد کی خدمت انجام دینے کا سلسلہ جاری رہے[۵۱]۔ اس طرح ہندو شادی آرام یا آسائش کے واسطے نہین بلکہ مذہبی فرض سمجھکر کی جاتی ہے۔ لہذا اس اصول کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ۔

(ا) لڑکون کی خواہش بہ نسبت لڑکیون کے زیادہ ہو گئی۔ اور کثیر تعداد مین لڑکیون کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالنا شروع ہو گیا۔

(ب) اسی وجہ سے کئی شادیون کی خواہش مین ترقی ہوئی اور منو کے قانون کے مطابق برہمن کو چار۔ کھتری کو تین اور ویش کو دو بیویون کی اجازت دی گئی[۵۲]۔

---

۵۱ وشستھا باب ۹ صفحہ ۴۸ ترجمہ انگریزی مسٹر بارنٹ۔

۵۲ پارسکارا باب ۱ صفحہ ۴ - ۸۔

خاندان کے سب سے بزرگ مرد کے ماتحت کل بچے اور عورتین ہوتی ہین۔ اور ہندو قانون کسی عورت کو کسی طرح آزادانہ زندگی کی اجازت نہین دیتا۔ (یورپ سے مقابلہ کیجئے)۔ اُسے اپنے باپ یا شوہر یا بیٹے کی تابعداری مین رہنا ضروری ہے[۵۱]۔ عورت کے اس تخیل نے بدھ مذہب کے اس خیال کو ترقی دی۔ کہ وہ جب تک مرد کا جنم نہ لے نروان نہین حاصل کر سکتی۔

رگ وید کے زمانہ مین عورت کو کافی آزادی اور قوت حاصل تھی۔ اور خاندان کی زندگی نہایت مسرت بخش ہوتی تھی۔ مگر برہمنون نے یہ جدت کی کہ عورتون کو مردون کے ساتھ کھانا کھانے تک سے روک دیا۔ اور ویدون کی پاک تعلیم عورتون کے لیے قطعی بند کر دی گئی۔ جس وجہ سے عورتین جاہل مطلق رہنے لگین۔

(ب) سنتی | لڑکی کے سن بلوغ تک پہونچنے سے پہلے شادی کر دینے کو مذہبی قانون مان لیا گیا اور سوائے لاولد بیوہ کے کسی بیوہ کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی[۵۲]۔ مگر اجتماعی رسوم ایسی ہوگئین کہ وہ بیوائین جو نہایت صغیر سنی مین اس مصیبت مین مبتلا ہو جاتی تھین، تمام عمر شادی نہ کرتی تھین۔ اور نہایت تکلیف کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھین۔ یہ زندگی اتنی تلخ ہوتی تھی کہ عموماً اس

---

[۵۱] بودھیانا جلد ۲ صفحہ ۴۴-۴۵۔

[۵۲] گوتما باب ۱۸ صفحہ ۴-۱۷۔

زندگی پر آگ کے شعلوں کو ترجیح دیجاتی تھی اور ستی کی رسم عام طور سے ہندوستان
مین رائج ہوگئی تھی۔ ہندوؤن کے بعض محبان وطن و ہمدردان قوم اور انگریز کمپنی نے
اس منحوس رسم کے مٹانیکی بہت کوشش کی بعض ہندوؤن نے دوبارہ شادی کا
رواج ہندوستان مین شروع کیا۔ اور انگریزی قانون نے ستی کو جرم قرار دیا۔
مندرجہ بالا مشکلات کے مقابلہ مین موجودہ زمانہ کے مصلحان قوم کی کوششون سے
عورتون کو کافی آزادی اور عزت دیجارہی ہے۔ بیوہ کی شادی۔ تعلیم۔ اور ملی مجالس
مین عورتون کو مردون کے برابر حق نیابت و انتخاب دیا جارہا ہے۔ اور ان امور کے
متعلق اُنکو ترغیب و تحریص دیجارہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد
ہندوستان مین وہ زمانہ آنیوالا ہے۔ جب عورتون کا درجہ بہت بلند ہوجائے گا
لیکن اس حقیقت سے انکار نہین کیا جاسکتا۔ کہ مذہب کی آڑ مین ایسی بُری رسوم
جاری ہین جنکا مٹا دینا ضروری ہے۔ اور یہ کہ عورتین فطرۃً مردون کی امداد اور انکی
سرپرستی مین رہ کر (بہ نسبت آزادی مطلق کے) زیادہ ترقی کرسکتی ہین۔ لیکن اس سرپرستی سے
عورت کے درجہ مین کچھ فرق نہ آنا چاہیئے نہ اُنکو کمزور اور لطیف جنس ہونیکی وجہ سے کمتر
سمجھا جاسکتا ہے۔ عورت کی بہت سی ایسی خصوصیات ہین جو مرد مین نہین اور مرد و
عورت ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے ہین نہ یہ کہ مرد کے قوی ہونیکی وجہ سے وہ عورت
کو اپنا غلام سمجھنے لگے۔

عورتون کی حالت یورپ مین | چونکہ موجودہ زمانہ کی سلطنتون مین خاندان کی جگہہ فرد جد

نے لے لی ہے - اسوجہ سے سیاسی زندگی مین ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا ہے -
ایک خاندان کے مختلف افراد (بیٹے - بیٹیان - مان - باپ وغیرہ) مختلف سیاسی
خیالات رکھ سکتے ہین - اور مختلف سیاسی فرقون سے اپنا تعلق رکھ سکتے ہین - بخلاف
اسکے زمانہ قدیم مین پورا خاندان بجائے فرد واحد کے ہوتا تھا - اور بحیثیت مجموعی
ایک خیال کا پابند سمجھا جاتا تھا - خاندانی جماعتون مین جو محبت و اخلاص ایک خاندان
کے مختلف ممبرون مین آپس مین ہوتا تھا - وہ اب بہت کم ہوتا جاتا ہے - عورتون کا
اعتماد مردون سے اٹھتا جاتا ہے - اور وہ حق نیابت کے مساوی ہونے اور اپنے
طبقہ کو مردون سے قطعی الگ اور مساوی حقوق حاصل کرنیکی کوشش مین ہین - حتیٰ کہ
فوجی خدمت مین (جسمین جسمانی قوت کی زیادہ ضرورت ہے) بھی برابر کے حصہ کی طلبگار ہین

مِل | جان اسٹوارٹ مِل نے مندرجہ ذیل وجوہ عورتونکی نمائندگی کے متعلق ظاہر کئے ہین

(١) عورتون کو مردون کی مانند اسکا حق حاصل ہے کہ اُنپر عمدہ حکومت کیجائے
چونکہ انتخاب و نمائندگی کا مقصد یہی ہے کہ عمدہ حکومت ہو -

[لیکن بچونکو بھی اچھی حکومت کے ماتحت رہنے کا حق ہے (یعنی وہ بھی سلطنت کی
حفاظت چاہتے ہین) مگر اس سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہین کرتا کہ بچونکو بھی حق انتخاب ملنا
چاہئے - لہذا عمدہ حکومت کئے جانیکے یہ معنی نہین ہین کہ حکومت مین عورتین حصہ
بھی لین - بلکہ حق حفاظت کی ضرورت ہے - اور یہ حق محض مجہول حق ہے -
اور حقِ نمائندگی کا معیار ذاتی قابلیت ہے] -

(۲) حقوق عامہ اور حقوق ذاتی ایک دوسرے کی ضد ہین۔ نظامات حقوقیہ (ذاتی قانون) کے لحاظ سے عورتین اپنے شوہرون کی ولایت مین سمجھی جاتی ہین۔ مگر عورتون مین اپنے ذاتی مال۔ وملکیت کے انتظام کی اہلیت پیدا ہوگئی۔ اور انہین اس معاملہ مین مردون کے برابر کردیا گیا۔ مگر قانون عامہ مین یہ امتیاز باقی رکھا گیا۔

ہم عورتون سے ٹکس لیتے ہین مگر اُسکے خرچ پر رائے دینے کا حق نہین دیتے۔ یہ بات انصاف سے بہت دُور ہے۔ نظامات حقوقیہ مین عورتون اور مردون کے مساوی حقوق رکھنے کی وجہ سے عمدہ نتائج پیدا ہوئے۔ لہذا قانون عامہ مین بھی مساوات کا ہونا اغلباً عمدہ نتائج پیدا کریگا۔

(۳) ظاہرا ہمارے قانون مین ایک بڑا نقص یہ ہے کہ عورتون کو مساوی سیاسی حقوق تو نہین دئیے جاتے مگر انکا اعلیٰ ترین سیاسی حق (ملکہ ہونا) تسلیم کرلیا گیا ہے اسکی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بجائے ملکہ بنانیکے عورتون کو سلطنت مین ماتحت عہدون پر جگہ دیجائے۔ بہرحال اسکی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ تخت حکومت موروثی سمجھا جاتا ہے۔ اور میراث جس طرح مرد کو ملتی ہے اسی طرح عورت کو مل سکتی ہے۔

(۴) چونکہ عورتین خاندان مین زندگی بسر کرتی ہین۔ لہذا وہ اپنے خاندان کے بزرگ کے ساتھ رائے (ووٹ) دینگی۔ اسطرح اونکے بزرگونکی (جنپر سلطنت کا دارمدار

ہوتا ہے) سیاسی اہمیت بڑھ جائے گی۔

(۵) عورتوں کا خاص اثر سیاسات پر ہونا یقینی ہے مگر ابتک یہ اثر بالواسطہ اور غیر ذمہ داری کے ساتھ ہے اگر انہیں حق انتخاب دے دیا جائے تو یہ زیادہ اعتدال اور ذمہ داری کے ساتھ ہوگا۔

مخالف دلائل شاید مسٹر مل کی آخری دلیل سب سے زیادہ قوی ہے۔ مگر ان سب سے زیادہ قوی دلائل اسکے خلاف بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔

(۱) کل مذاہب و ملل کا اسپر تقریباً اتفاق رہ چکا ہے کہ عورتوں کو حق نیابت نہ ملنا چاہیئے۔ چونکہ ایسا کرنا انسانی اجتماعی زندگی اور حالات مسمرہ کے قطعی خلاف معلوم ہوتا ہے۔

(۲) عورت کا فطرتی درجہ یہ ہے کہ وہ خاندان کی روح رواں ہو۔ نہ کہ خدمات عامہ اور سیاسی پیچیدگیوں میں مبتلا ہوکر وہ اپنی خصوصیت کو زائل کردے۔ ماں اور بیوی کی حیثیت سے جو فرائض عورت کے ذمہ ہیں انکے نہ ادا ہونے سے سیاسیات پر بہت برا اثر ہوگا

(۳) سیاسی فسادات کی بنیاد زیادہ تر جذبات پر ہوجائیگی اور عقلی دلائل کم ہونے جائینگے لہذا سلطنتوں میں ایسے بیکار اور مجہول عناصر کے بڑھانے اور عملی عناصر کے کم کرنے سے سخت نقصان ہوگا۔

لہذا اگرچہ کسی عورت کا کسی قوم میں ملکہ ہوجانا مضرت رساں نہیں ہوسکتا تاہم عام طور سے عورتوں کو سیاسی حقوق دینا تباہ کن ہوسکتا ہے۔ لیکن اگرچہ عورتوں کے اس بالواسطہ حق کو روکا جاسکتا ہے مگر اُن کے بلاواسطہ مفید اثر سے انکار نہیں ہوسکتا۔ وہ عورتیں جنہوں نے

سیاسیات میں زیادہ حصہ لیا ہے۔ عموماً مضرت رساں ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی
نسوانی فطرت وجذبات انتقام و نفرت و حرص جب مشتعل ہو جاتے ہیں۔ تو دنیا میں
آگ کا شعلہ بھڑک اٹھتا ہے اسی بنا پر یورپ کے ایک مورخ نے اس امر کے ثابت
کرنیکی کوشش کی ہے اور دنیا میں جتنی جنگ و جدل ہوئی ہے اسکی وجہ عورت ہی
کی ذات ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کسی حد تک غلط ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیاسیات
میں عورتوں کا زیادہ حصہ لینا انکو اپنے تمدنی فرائض اور ذمہ داریوں کے اداکرنے
سے روک سکتا ہے۔ اور ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ مردوں کی سیاسی عزت کی
شریک ہوں۔ اگر عورتوں نے قومی ترقی کو خودداری اور استقلال سے مدد دی ہے ہر زمانہ
میں مردوں کا ہاتھ بٹایا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر مدبر اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ عورت
کو صرف خانگی امور تک محدود رہنا چاہیئے تاکہ وہ مردوں کی پریشانیوں اور دلی کدورتوں
کو کم از کم خاندانی زندگی میں دور کرسکے۔ عورت ایک نہایت مستقل مزاج اور تکلیف
برداشت کرنے والی ہستی ہوتی ہے اور اسی کے اثر سے مرد ایثار و قربانی کرتا ہے اور غیرت
ملی کے جذبہ سے مغلوب ہوکر ایسے کام کر گزرتا ہے جو بادی النظر میں اس کی طاقت سے باہر معلوم
ہوتے ہیں ہندوستان عرب۔ اور یورپ بلکہ ہر ملک کی تاریخ سے شہادت مہیا کیجاسکتی ہے کہ بعض عورتیں
مردوں سے زیادہ جری۔ معاملہ شناس اور عقلمند ہوتی ہیں۔ اور اکثر مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں۔ آجکل بھی ہندوستان
کی آزادی کی تحریک اور ترکی و مصر میں ہر ایک طبقہ میں ایسی عورتیں نظر آتی ہیں جنسے سیاسیات میں نورانی
بالکل پیدا ہوگئی ہے۔ بہرحال انگلستان۔ اٹلی۔ فرانس جرمنی میں عورتوں کو حقوق انتخاب دیدئے گئے ہیں
انمیں زیادہ تر انکی آزادی اور اکثریت کو دخل ہے۔

مقالہ دوازدہم سلطنت کا افراد سے تعلق

سلطنت کا ملکی و اجنبی سے تعلق سلطنت کا افراد سے دو گونہ تعلق ہوتا ہے۔ یا تو افراد اسی سلطنت و ملت کے ہوتے ہیں۔ یا اُس سلطنت و ملت کے نہین ہوتے۔ وہ لوگ جو کسی ملت کے فرد یا کسی سلطنت کے باشندے ہوتے ہین وہ مندرجہ ذیل صورتون سے ہوتے ہین۔

۱۔ پیدائیش ناجائز بچون کی مان اور جائز بچون کے باپ کو سلطنت کا ممبر ہونا ضروری ہے۔ اس طرح یہ بچے اُس سلطنت کے باشندے سمجھے جاتے ہین جسمین وہ پیدا ہون۔ اسی طرح لاوارث بچے بھی اسی سلطنت کے سمجھے جاتے ہین جسمین وہ پیدا ہون یا پائے جائین۔

۲۔ شادی شادی کر لینے کے بعد اجنبی بیوی اُسی سلطنت کی فرد سمجھی جاتی ہے جسمین وہ شادی کرے یعنی جس ملت کا شوہر ہوتا ہے اسی کی بیوی بھی ہو جاتی ہے

۳۔ اختیار وطن اگر کوئی اجنبی اپنا وطن ترک کر کے اپنی جائے سکونت کسی سلطنت مین مستقل طور پر بنا لے تو وہ کچھ عرصہ کے بعد اوسی سلطنت کا فرد سمجھا جاتا ہے۔ ہر سلطنت مین اس کے متعلق مختلف زمانون کی تعداد مقرر ہے۔ بعض سلطنتون مین مستقل قیام ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ اوس ملت کا فرد ہو جائے۔ اور بعض مین کچھ وقت کی تعداد یا سرکاری ملازمت کا ہونا ضروری ہے۔

ملکی شخص کے ذاتی حقوق	عموماً انقلابات حقوقیہ کے سامنے ملکی اور اجنبی حقوق برابر ہیں

ہین۔ بعض سلطنتوں (مثلاً سوئٹزرلینڈ) میں اجنبی شخص جایداد میں خرید سکتا بعض
میں چند خاص پیشیوں اور حرفتوں کی اجازت نہیں ہے۔

ملکی شخص کے حقوق عامّہ	قانون عامّہ مین اجنبی و ملکی کے امتیازات بےشک باقی ہیں۔ اور اسی وجہ سے۔

(ا) ملکی شخص کسی اجنبی سلطنت کو نہین دیا جا سکتا۔ اور اُسے اپنے ملک مین رہنے کا مستقل حق ہوتا ہے۔

(ب) اگر وہ کسی دوسری سلطنت مین چلا جائے تو اُسے اپنی حفاظت کا اپنی سلطنت پر حق ہوتا ہے۔

(ج) جماعت مدنی کے جملہ حقوق کے استعمال کا اُسکو پورا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ ملّت کی ملازمت کا حق بھی رکھتا ہے۔ اور یہ حقوق اجنبی شخص کو صرف اُسوقت مل سکتے ہین جب اُسے اُسکی اجازت ملے۔

سلطنت کا جماعت مدنی سے تعلق	جماعت مدنی کی خصوصیات اس سے پہلے بیان کی گئی ہین۔ یہ جماعت عوام الناس سے بلند درجہ رکھتی ہے۔ اور سلطنت

کا افراد سے تعلق اس جماعت مین پورا پورا ظاہر ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جملہ خصوصیات ملّی کا مرکز بھی جماعت ہوتی ہے۔

اس جماعت کے حدود مندرجہ ذیل ہین۔

عورت | (ا) عورتین مردون کے برابر سیاسی حقوق نہین رکھتین اگرچہ وہ اپنے حقوق
کو رفتہ رفتہ مردون کے حقوق کے مساوی کر رہی ہین۔

بچے | (ب) نابالغ بچے اسوجہ سے سیاسی حقوق سے محروم رہتے ہین کہ اُنکے استعمال کیلئے
عاقل ہونیکی ضرورت ہے اور سن بلوغ عقل کا معیار رکھا گیا ہے۔ اور ہر سلطنت مین
عاقل و بالغ ہوکر سیاسی حقوق حاصل کرنیکی عمر کی تعداد اکیس اور پچیس سال کے درمیان مقرر ہے

(ج) وہ لوگ جو جرائم پیشہ۔ نہایت ہی مفلس۔ دیوالیہ یا مجنون ہوتے ہین وہ اس
حق سے محروم ہوجاتے ہین۔

آمدنی | (د) بعض سلطنتون مین حق انتخاب اُسوقت حاصل ہوتا ہے جب رائے
دہندہ کی مقررہ آمدنی ہو یا مقررہ ٹکس ادا کرتا ہو۔

مذہب | (ہ) بعض سلطنتون مین اس ہی قوم کے مذہب کی پابندی حقوق تمدنیت
اور رائے دہندگی کے لئے ضروری تھی۔ یوروپ مین کیتھولک اور پراٹسٹنٹ فرقون
مین اسی بناء پر سخت اختلاف تھا۔ مگر رفتہ رفتہ وہان مذہب کو سیاسیات سے بالکل
علٰحدہ کر دیا گیا۔ لیکن اسکا یہ منشا نہ تھا کہ مذہب کے اصول برے سمجھے گئے یا سلطنت
نے مذہب کو ترقی دینے سے انکار کیا۔ تاہم امریکہ مین ۱۷۸۹ء جرمنی مین ۱۸۴۸ء آسٹریا
مین ۱۸۶۷ء اور سوئیٹزرلینڈ مین ۱۸۶۶ء مین مدنی و سیاسی حقوق کو مذہب کی
پابندی سے الگ کر دیا گیا۔ اسی طرح ملک ہندوستان مین ۱۹۱۶ء سے ہندو
مسلم جماعات متحدہ طور پر کام کرنے لگین۔ اور سیاسی نظام کو مذہب

الگ کر دیا گیا - اور ہر شخص اصول ملّی سے متفق ہونے پر اُس کا ممبر ہو سکتا ہے - اسی طرح اُن جمہوریتوں میں جو وسط ایشیا میں قائم ہوئی ہیں ہر شخص کو حق انتخاب مساوی طور پر حاصل ہے - افغانستان میں بھی مذہب کی تفریق سیاسی امور سے ہٹا لیگئی ہے - اور ہر فرد ملّت کو مساوی حقوق ہیں - سوائے سویڈن ناروے کے دیگر مہذب سلطنتیں مختلف المذاہب افراد کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہیں اسپر بھی مذہب کا خاص درجہ (خصوصاً یورپ میں) شامل ہے یعنی عیسوی مذہب کے پیشوا (پادری) غیر مذاہب کے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کو صلیبی جنگ بتاتے ہیں اور یہی مذہبی اور مغربیت کا تفاخر مشرقی مذاہب اور ملل کو مٹانا اپنا فرض سمجھتا ہے

رنگ | امریکہ کے سیاہ رنگ اور سرخ رنگ کے باشندے اگرچہ آزاد جمہوریہ کے باشندے ہیں مگر سفید انسان کے مقابلہ میں اپنے رنگ و نسل کی وجہ سے مساوی حقوق نہیں حاصل کر سکے - اور اس حق سے محروم رکھنے کی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ سفید رنگ کی اقوام کے علاوہ دوسری نسلوں میں اتنی سیاسی اور دماغی قابلیت نہیں ہوتی کہ وہ برابر کے حقوق حاصل کر سکیں -

حصہ ثانی

سلطنت کی خارجی (طبعی یا جغرافیائی) کیفیتین -

مقالہ اول - آب وہوا - زرخیزی زمین وغیرہ

۱ - آب وہوا | اگرچہ انسان نے سائینس کے زور سے فطرت پر بہت کچھ فتح
حاصل کر لی ہے - اور سخت گرم ملک مین سردی اور سرد ملک مین گرمی کے سامان مہیا
کر سکتا ہے - تاہم اوس پر ملکی آب وہوا کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے - اسی وجہ سے گرم ملک
کے باشندے زیادہ آرام پرست وکاہل ہوتے ہین - سرد ملک کے لوگ محنتی ہوتے
ہین اور قطب شمالی کے لوگ سوائے ضروریات زندگی کے بہم پہونچانے اور کسی
شعبہ زندگی کی طرف رجوع نہین کر سکتے - گرم ملک کے لوگ اس وجہ سے کاہل ہوتے
ہین کہ وہان قدرتاً کم محنت کے بدلے مین زیادہ پیداوار حاصل ہو جاتی ہے -
اور سرد ملکون مین محنت کی ضرورت پڑتی ہے - اسی بنا پر
یہ اصول قائم کیا گیا ہے کہ عموماً منطقہ حارّہ کی نسبت منطقہ معتدلہ
کے لوگ زیادہ محنتی اور قابل ہوتے ہین - اور منطقہ باردہ مین
اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لئے وقت ہی مشکل سے ملتا ہے -
چونکہ ان کا زیادہ وقت تلاش معاش مین صرف ہو جاتا ہے -
اسی ضمن مین یہ بیان کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ قومی خصوصیات

و قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ دارالسلطنت ملیہ ایسے مقام پہ بنایا جائے۔ جہاں
کی آب و ہوا بلحاظ دیگر حصص ملک کے زیادہ معتدل ہو۔ یہ خیال کہ قانون سے
ت قومی خصوصیات کو تبدیل کیا جا سکتا ہے غلط ہے۔ لیکن تعلیم ہی ایک ایسا ذریعہ
ہو سکتا ہے جو ان قومی عیوب کو جو آب و ہوا کی وجہ سے پیدا ہو جائیں دور کرے۔
مثلاً سرد ممالک کے باشندے عموماً محنتی اور شراب کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اس عادت کو
امریکہ کی حکومت نے قانون کے ذریعہ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن تعلیم ہی
ایک ایسا ذریعہ ہے جو اس قسم کے قومی خصایل بد کو اخلاقی ترقی کے ساتھ دور کر سکے۔
گرم ممالک کے باشندے قدرتاً جلد بالغ ہو جاتے ہیں۔ اور ناتجربہ کاری اور کم عقلی سے
ایسے زمانہ میں جو نتائج بد پیدا ہو سکتے ہیں اون کو قانون نے اتنا کم
نہیں کیا جتنا تعلیم نے کیا ہے۔

۔ ممالک کی قدرتی خصوصیات

اس زمانہ سے بہت پہلے ارسطو نے اس امر کو محسوس کر لیا تھا۔ (دیکھو سیاسیات ارسطو) کہ انسان پر ملک کی قدرتی اور طبعی خصوصیات کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ ان طبعی اثرات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) دریا

ابتداے عالم سے جتنی مہذب سلطنتیں تاریخ پر نظر آتی ہیں وہ دریاؤں کے کنارے آباد نظر آئینگی۔ دریاؤں سے سڑکوں کا کام لیا جاتا تھا اور اس سے تجارت۔ زراعت

اور آمد و رفت مین قدرتی طور پر بہت مدد ملتی تھی - مثالاً اون قومون کی تمدنی ترقی پر غور کیا جائے جو پنجاب - دوآبہ گنگ و جمن - دجلہ و فرات اور دریائے نیل کی وادیون مین آباد تھین تو معلوم ہوگا کہ اُن کی ترقی مین دریاؤن کا بہت بڑا اثر اور دخل تھا -

(ب) سمندر - اسی طرح وہ ممالک جو سمندرون کے کنارون پر آباد ہین یا جزیرہ اور جزیرہ نما ہین وہ جلد ترقی پا گئے تھے - جہازرانی - ماہی گیری - تجارت کے لئے سمندر نے اچھا اثر کیا - یونان - اطالیہ - پرتگال - انگلستان - جاپان وغیرہ ممالک نے سمندر کی وجہ سے سیاسی اہمیت حاصل کی -

(ج) پہاڑ - پہاڑون کی عظمت و شان نے انسانی دل و دماغ مین بلند خیالی پیدا کی - عموماً پہاڑی اقوام محنتی - جنگجو اور جفاکش ہوتی ہین - پہاڑی اقوام کو روزمرہ کی ضروریات کے لئے معمول سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور پہاڑون کی وجہ سے مختلف وادیون مین مختلف قبائل پیدا ہو جاتے ہین - اور ایک دوسرے سے معمولی باتون پر لڑتے لڑتے جنگجو ہو جاتے ہین - علاوہ ازین پہاڑ کی یہ خصوصیت ہے کہ پہاڑی باشندے ہمیشہ آزادی پسند ہوتے ہین - وجہ یہ ہے کہ ان اقوام کو مشکل سے دوسری قوم قبضہ مین لاسکتی ہے - اور اگر کوئی قوم اُن پر قبضہ کر بھی لے - تو اُس قبضہ کا قائم رکھنا نا ممکن ہو جاتا ہے - وعلیٰ ہذا -

افغانستان - اناطولیہ اور نیپال کے باشندے مثالاً پیش کئے جاسکتے ہین -

(د) ریگستان | جسطرح پہاڑی اقوام شجاع اور جفاکش ہوتی ہین اسی طرح وہ اقوام جو ریگستانی علاقون مین رہتی ہین اگرچہ نہایت آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہین تاہم اُنکی قدرتی زندگی اُنہین جری اور جفاکش بنادیتی ہے - یہ لوگ قدرتاً نہایت فیاض - مہمان دوست اور شجاع ہوتے ہین - عرب اور راجپوتانہ کے ممالک کی آب وہوا نے نہ صرف انسان پر اپنا اثر ڈالکر بہادر اور جری بنادیا ہے بلکہ دونوں ملکون کے حیوان (مثلاً گھوڑے) تک اس صفت سے اثر پذیر ہوتے ہین -

موجودہ زمانہ مین وسائل آمد و رفت کی آسانی کی وجہ سے ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک کے باشندہ سے قریب ہوجاتا ہے اور قدرتی مناظر - آب وہوا - اور موسمی تبدیلیون کا اثر گذشتہ زمانون کی نسبت کم ہو رہا ہے - اور امید کیجاسکتی ہے کہ مستقبل قریب مین کوئی ایسی صورت اتحاد عام کی پیدا ہوجائے کہ دنیا بحیثیت مجموعی مثل ایک مکان کے ہوجائے جس مین ہر کمرہ ہر فرد کے لئے بغیر کسی رکاوٹ کے اعلا ہوا ہے اور فطرتی مناظر سے ہر شخص بہرہ اندوز ہوکر اس مکان کی مجموعی مسرت مین اضافہ کرے - لیکن تعلیم کا ہونا ضروری ہے - اور گرم ملک کے باشندے سرد ملک والون کو اور سرد ملک کے باشندے گرم ملک والون کو اپنے اپنے جدید تجربات اور تخیلات سے فائدہ پہنچاکر نہایت تیزی سے ترقی کرسکتے ہین -

۲-زرخیزی زمین	بلحاظ زرخیزی زمین کے تین بڑے حصے کیے جاسکتے ہین۔

(ا) نہایت زرخیز-

(ب) کم زرخیز-

(ج) بنجر

ا-نہایت زرخیز	عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ملک جو نہایت ہی زرخیز ہوا ور

تھوڑی سی محنت مین زیادہ سامان زندگی مہیا کرسکے وہ انسانی تہذیب وترقی کیلئے مفید ہوگا مگر یہ خیال کسی حد تک غلط ہے - ایسی سرزمین مین تین باتین ضرور پیدا ہوجاتی ہین-

ا-کاہلی عام طور پر پھیل جاتی ہے - اور انسان محنت نہ کرنے کی وجہ سے نہ تو تجارت مین ترقی کرسکتا ہے اور نہ تمدن مین اضافہ ہوتا ہے- چند افراد قوم زیادہ مالدار ہوجاتے ہین - اور نہایت کثیر تعداد مین مزدوری پیشہ اور کسان اسوجہ سے ناقدری کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین کہ اکثر ایسے ممالک مین آبادی نہایت تیزی سے بڑھتی ہے اور قحط یا جنگ کے زمانہ مین غربا کی تعداد غیر محدود ہوجاتی ہے - اسلئے ان ملکون مین درمیانی طبقہ کے باشندے بہت کم ہوتے ہین - یا تو نہایت ہی مالدار ہوتے ہین یا نہایت ہی غریب -

(ب) بنجر زمین	بخلاف اسکے وہ زمین جسمین کچھ پیدا نہین ہوسکتا یا نہایت

کم اور مشکل سے کاشت کی جاسکتی ہے - وہان عام طور پر تلاش معاش سے اتنی

فرصت نہین ملتی کہ متمدن ہون اور اجتماعی ترقی کی طرف رجوع کرین۔ ایسے ممالک کے لوگ فرقہ بندی کرکے لوٹ مار کے عادی ہو جاتے ہین اور شکار وغیرہ پر خانہ بدوش زندگی بسر کرتے ہین۔ جس طرح مغل۔ یا تاتار یا بعض قبائل عرب اور ہندوستان کے سرحدی پٹھان یا راجپوتانہ کے بھیل و سنتھال وغیرہ ہین۔ اور جب تک یہ لوگ کسی زرخیز زمین پر آباد نہ ہون تمدنی زندگی مین ترقی نہین کر سکتے۔

(ج) کم زرخیز زمین | ایسا ملک جو کم زرخیز ہو انسانی ترقی کے لیے نہایت مفید ہے۔ ایسے ملک مین نہ تو بہت زیادہ محنت کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ بہت کم محنت سے کام چلتا ہے۔ اعتدال کے ساتھ محنت کرنے سے ضروریات زندگی فراہم ہو جاتی ہین اور مال و دولت کی تقسیم تقریباً مساوی ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ دوسرے اثرات بھی کام کرتے ہین۔ تاہم اگر ممالک متحدہ امریکہ کو وسط امریکہ و شمالی امریکہ سے مقابلہ کیا جائے اور شمالی ہندوستان کا مقابلہ جنوبی ہندوستان اور ہسپانیہ سے ہو یا اطالیہ و فرانس کا مقابلہ شمالی روس سے کیا جائے تو مندرجہ بالا امور پایہ ثبوت کو پہنچ جائین گے۔

علم المعیشت کی ضرورت | حکومت ملکی خصوصیات کو اگرچہ تبدیل نہین کر سکتی مگر زمین کی زرخیزی تجارت کی ترقی مین اعتدال پیدا کرتی ہے اور مزدوری پیشہ کے لئے ایسے ذرائع بہم پہنچا سکتی ہے جس سے تقسیم دولت تقریباً مساوی ہو اسلئے اگر کوئی قوم اپنے ملک کی خصوصیات کا لحاظ نہ کرکے ترقی

کرنا چاہے تو وہ ناپائدار اور مخدوش ہوگی ۔ اور برے اثرات کا پیدا ہو جانا ضروری ہے ۔ اسی وجہ سے وہ علم جدید جسے معاشیات کہتے ہیں قومی اور ملی ترقی کے لیئے ضروری ہے ۔

مقالہ دوم ۔ ملک اور اسکی تقسیم

سلطنت کی ملکی وسعت جس طرح سلطنت کی داخلی بنیاد انسانی فطرت پر منحصر ہے ۔ اسی طرح خارجی بنیاد ملک پر ہوتی ہے ۔ وہ حصہ زمین جو کسی سلطنت کے ماتحت ہوتا ہے اُسے "ملک" کہتے ہین ۔ اور ملک کی وسعت کا سلطنت کی اہمیت اور اسکے نظام عمل پر خاص اثر پڑتا ہے ۔ ملک اور ملت ایک دوسرے پر اپنا اثر کرتے رہتے ہین مثلاً اگر ملک چھوٹا اور ملت بڑی ہو تو یہ نوآبادیان قائم کرنے پر مجبور ہوگی یا دوسری سلطنت پر حملہ کریگی ۔ بخلاف اسکے جو ملتین جو قلیل التعداد ہین اور ملک وسیع ہے ۔ اپنی حفاظت کے لئے دوسری اقوام سے اتحاد قائم کرینگی یا ملک کی وسعت کی وجہ سے ایک ہی ملت کے کئی ٹکڑے ہوجاینگے اور اپنی جداگانہ سلطنت قائم کرلینگے ۔

موجودہ تہذیب نے ملکی وسعت کی بنا ڈالی اگرچہ زمانہ گذشتہ مین اکثر سلطنتون کی ملکی وسعت بہت زیادہ تھی مگر درحقیقت اُسی سلطنت کے اندر متعدد خود مختار سلطنتین قائم ہوجاتی تھین ۔ بعض اوقات مختلف قصبے اور گاؤن تک آزاد ہوتے تھے اور اپنی حفاظت خود کرتے تھے ۔ اس کے متعدد وجوہ ہین ۔

(۱) سڑکون اور وسائل آمدورفت کی کمی ۔

(۲) اپنے ذاتی اور خاص حقوق قائم کرنے کی خواہش۔

(۳) ذرائع جنگ اور روپیس کی خرابی اور حیات ملی اور اتحاد کی کمی۔

بخلاف اسکے موجودہ زمانہ میں وسیع سلطنتوں کی بنیاد ان وجوہ سے پڑی جو متذکرہ بالا وجوہ کی ضد ہین۔ اور انکا اعادہ فضول ہے سلطنت کی قوت زیادہ تر اس سلطنت کے باشندون کی تعداد پر منحصر ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ وسعت ملک کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔

زمانہ قدیم مین یہ خیال تھا کہ سلطنت کی وسعت اتنی ہونی چاہئے جہانتک کہ وہ اپنے دارالسلطنت سے بہ آسانی اثر اور انتظام قائم رکھ سکے۔ مگر زمانہ موجودہ مین دخانی کلون کی وجہ سے فاصلہ بالکل بے بنیاد ہوگیا ہے اور سلطنت کی ملکی وسعت کی کوئی حد مقرر نہین کی جا سکتی۔ اور تمام دنیا ایک ہی سلطنت مین داخل ہو سکتی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیشہ سلطنت کی قوت اس وسعت سے زیادہ نہین ہو سکتی۔ چونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک وسیع سلطنت لڑائیون سے کمزور ہو کر دور دراز ممالک پر سلطنت نہ قائم رکھ سکے اور چھوٹی سلطنت اپنی خوش انتظامی کی وجہ سے اُس سے طاقتور ہو جائے۔

حدود — سلطنت کے ملکی حدود عموماً مستقل ہوتے ہین۔ اور سوائے جنگ یا خاص معاہدون کے تبدیل نہین ہوتے۔ حدود قدرتی ہوتے ہین۔ یا مصنوعی۔ قدرتی حدود۔ دریا۔ پہاڑ۔ سمندر بیابان وصحرا ہین۔ مصنوعی حدود بذریعہ دیوار

خندق یا کٹہرے وغیرہ کے بنائے جاتے ہین - بعض اوقات کئی ملک مل کر بڑی اور وسیع سلطنت بنا لیتے ہین - ایسی صورت مین ممالک متحدہ یا تو اپنی جداگانہ ہستی قائم رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے مساوی درجہ رکھتے ہین (مثلاً امریکہ کی مختلف ریاستین) یا ایک ملک شہنشاہی ملک ہو جاتا ہے اور دوسرے ممالک ماتحت سلطنتون یا نوآبادیون مین تقسیم ہو جاتی ہین (جیسے انگلستان اور اسکے ماتحت ممالک اور نوآبادیان ہین) -

مگر جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے - سلطنت کی وسعت کی کوئی خاص حد مقرر نہین کی جا سکتی - اور سیاست کا حقیقی تخیل یہ چاہتا ہے کہ کل دنیا سلطنت واحد بن جائے اور انسانیت کو بنائے سلطنت قرار دیا جائے - اور کل دنیا کے انسان مل کر متحدہ ملت کی صورت مین آجائین اور یہ اسوقت ہو سکتا ہے جب کل ملتین جو حکومت کی قابلیت رکھتی ہین حکومت خود اختیاری حاصل کر لین اور قانون ملل قانون عالم ہو جائے -

سلطنت کی سیاسی تقسیم | حکومت کی غرض سے عموماً سلطنت کے مختلف حصے کر دئے جاتے ہین - خواہ وہ مندرجہ ذیل اسباب مین سے کسی سبب (یا اسباب) سے ہون -

۱- سیاسی وجوہ -

۲- قدرتی (مثل دریا و پہاڑ وغیرہ) حد بندی -

۳۔ تجارتی وجوہ۔

(۴) تاریخی وجوہ

صوبہ کسی سلطنت کے وسیع حصۂ زمین کو جو بطور خود ایک چھوٹی سلطنت کہی جاسکتی ہو صوبہ (یا ولایت) کہتے ہین اور صوبہ کی حکومت عموماً علیحدہ ہوتی ہے اور وہ مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتی ہے۔

حلقہ یا قسمت صوبے کے بڑے حصّے جو ملک مین کئے جاسکتے ہین حلقے کہلاتے ہین یہ تقسیم مقامی خصوصیت یا خاص قبائل کی آبادی کی وجہ سے نہین بلکہ نظام حکومت کے قیام اور باقاعدہ حکومت کی غرض سے کی جاتی ہے اسے ہندوستان مین کمشنری کہتے ہین۔

ضلع حلقہ کے سیاسی حصون کو ضلع کہتے ہین اور یہ حلقہ کے نظام حکومت کے ماتحت ہوتے ہین۔ ضلع انتخاب اور انصاف مین آسانی پیدا کرنے [illegible] ہے

تحصیل ضلع مختلف تحصیلون مین تقسیم ہوتا ہے اور یہ تقسیم ہندوستان کی حکومت موجودہ مین زیادہ تر مالگذاری وصول کرنے کی آسانی کی وجہ سے ہے۔

باب خامس

سلطنت کا نصب العین

مقالہ اوّل سلطنت اصل مقصود ہے یا ذریعہ مقصود؟

نظریۂ قدیمہ قدیم یونانیوں کا یہ نظریہ تھا کہ انسانی کوششوں کا آخری مقصد سلطنت قائم کرنا ہے اور افرادِ ملت سلطنت کے ایسے اجزا سمجھے جاتے تھے جیسے اعضائے انسانی جسم و بدن ہوتے ہیں اور جس طرح اعضائے بدن جسم کی خدمت کر کے خود بھی قائم رہتے ہیں اسی طرح افرادِ ملت کا فرض صرف سلطنت کی خدمت کرنا ہے اسی وجہ سے ان کے ذاتی حقوق کی اتنی پرواہ نہیں کی جاتی تھی جتنی کہ موجودہ زمانہ میں ہے افراد کو سلطنت کی اغراض کے لیے اپنی ہستی کو قربان کر دینا پڑتا تھا اور ان کی ہستی و مفاد کا صرف اس وقت تک خیال کیا جاتا تھا جب تک کہ وہ سلطنت کی بہتری اور خدمت کے لیے کارآمد ہو سکتے تھے اس طرح انفرادی آزادی ملی آزادی کا جزو تصور کی جاتی تھی۔

نظریۂ جدیدہ موجودہ امریکن اور انگریز مدبرین کا تخیل متذکرہ بالا اصول کے بالکل خلاف ہے وہ سلطنت کو افراد کی سلامتی اور ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں ۔۔۔ کا نے اپنے مضامین میں متواتر لکھا ہے کہ عہد قدیم کے مدبرین خصوصاً مشیاولی کی یہ غلطی ہے کہ وہ اس اصول کو کہ سوسائٹی اور قانون صرف انفرادی مسرت کی ترقی کی غرض سے ہے نہیں مانتے موجودہ مدبرین سلطنت کو مشین کے مانند سمجھتے ہیں جو ان کی جان و مال آزادی امن و مسرت کی محافظ ہے اگر سلطنت کو صرف افراد کا مجموعہ سمجھ لیا جائے تو اس خیال سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور ۔۔۔ کا خیال صحیح

مانا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں نظریہ کے ذریعے سے ترقی ہوئی۔

نظریات بالا کی یکطرفی

اس میں شک نہیں کہ نظریات بالا میں حقیقت کی کچھ نہ کچھ جھلک پائی جاتی ہے مگر دونوں تصویر کے ایک ہی رخ کو دیکھتے ہیں دوسرے رخ کا خیال نہیں کرتے یہ سوال کہ سلطنت اصل مقصود ہے یا ذریعہ مقصود خود ہی غلط ہے اور اسی کی وجہ سے یکطرفہ رائے قائم ہوتی ہے ایک نقطہ نظر سے وہی چیز ذریعہ مقصود ہو سکتی ہے اور دوسرے نقطہ نظر سے اصل مقصود۔ کسی مصور کے لئے تصویر کشی ذریعہ مقصود بھی ہو سکتی ہے (یعنی اس کے معاش کے حصول کا ذریعہ) اور اس کی محنتوں کا اصل مقصود بھی یہ ہی تصویر ہو سکتی ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ بذات خود تصویر ہی اسکے تخیلات کا مرکز وحید ہو یہ ہی سلطنت کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے یعنی سلطنت ملت کے بہتری کا ذریعہ بھی ہے اور بذات خود سلطنت اصل مقصود بھی ہے جس کے لئے افراد ملت ماتحت کارگذاروں کے مانند ہیں۔

نظریہ قدیم نے افراد قوم کی کچھ پرواہ نہ کی اور انکی آزادی و سلامتی کو خطرے میں ڈالکر سلطنت کو رفتہ رفتہ شخصی حکومت کے مانند ظالم بنا دیا۔ موجودہ تخیل نے سلطنت کی عظمت کی پرواہ نہ کی اور اسے افراد کا مجموعہ سمجھکر بغاوت اور انقلاب پسندی میں ترقی دی۔

عہد قدیم کے خلاف موجودہ زمانہ کی سلطنت نے انفرادی آزادی اور ذاتی نشوونما میں بہت مدد دی ہے۔ اور حکام کی مرضی افراد ملت کی مرضی سے

خلاف عمل نہیں کر سکتی۔ عوام الناس کے بہتری کے لئے کثیر تعداد میں مختلف محکمے قائم ہوتے جاتے ہیں مگر ایک منطقی اور سیاسی غلطی یہ ہے کہ سلطنت کے قیام کو صرف انفرادی ہستی کے قیام اور ترقی کے واسطے سمجھا جاتا ہے۔

ہر قوم میں ایسے افراد کی تعداد کثیر ہوتی ہے جو اپنے ذاتی مفاد کو ملی اغراض کیلئے قربان کر دیتے ہیں گو یا یہ اپنی ہستی کو سلطنت کی ہستی پر مقدم سمجھتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت محض مجموعہ افراد نہیں ہے بلکہ اس سے بالاتر درجہ رکھتی ہے لہذا ملی سلامتی انفرادی سلامتی کے مجموعہ کا مترادف نہیں ہو سکتی۔ ۸ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ افراد اپنی سلامتی کے لئے سلطنت سے امداد طلب کرتے ہیں اور سلطنت ان کی سلامتی کو قائم رکھنے کے لئے افراد ملت سے سخت محنت اور ایثار کا کام لینے پر مجبور ہوتی ہے مختصر یہ کہ سلطنت بعض اوقات انفرادی فوائد کا سبب ہوتی ہے اور بعض اوقات افراد ملت سے انکی خدمت طلب کرتی ہے مقالات آیندہ میں ان دونوں وجوہ کے اسباب سے بحث کیجائے گی۔

مقالہ دوم سلطنت کی غلط نصب العین

۱۔ سلطنت کا نصب العین حاکم کے اقتدار کو قایم رکھنا ہے

بعض مدبرین کا یہ خیال ہے کہ بادشاہوں کے اقتدار کو قائم رکھنا اور اُن کے واسطے انفرادی مسرت اور آزادی کی قربانی سلطنت کا حقیقی نصب العین ہے اگر یہ خیال صحیح ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ صرف شخصی حکومت کا قیام انسانی کوششوں کا مطمح نظر ہے۔ ایسی صورت میں ملّی آزادی اور انفرادی خصوصیات کا نشو ونما ہونا ناممکن ہے۔ بادشاہ بھی مثل دیگر انسانوں کے ایک انسان ہے اور تنگ بالاخیال پوری ملّت کی غلامی کو جائز سمجھتا ہے۔ وہ کل دلائل جو غلامی کے خلاف استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ اس تخیل کے خلاف بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ یہ تخیل فطرۃً ناقابل تسلیم ہے کسی قوم و ملّت کا سردار درحقیقت اُسکا سردار نہیں ہوتا۔ بلکہ عربی مثل کے مطابق اُسکا خادم ہوتا ہے۔ اور یہ بات اسوقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جبتک کسی حاکم یا بادشاہ کے اقتدار ہی کو قائم رکھنا اور صرف اُسکی قوت کے لئے ذاتی و ملّی مفاد کی قربانی جائز رکھی جائے

۲۔ سلطنت کا نصب العین الٰہی حکومت کا قیام ہے

زمانہ وسطیٰ کی بعض سلطنتیں اور زمانہ قدیم کی

ہندو اور جاپانی حکومتیں بادشاہ کو خدائی قوتوں کا شریک اور دیوتا سمجھتے تھے۔ اسکی دنیاوی حکومت کو ایسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسا کہ خدا کی حکومت ہے اور خدائی احکام کی مانند بادشاہی احکام میں چون و چرا کی گنجائش نہیں سمجھی جاتی تھی۔ یہ تخیل عیسائی اور مغل اقوام میں رائج تھا اور اس امر کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا کہ خدا اپنی مخلوق پر حکومت کرتا ہے اور بادشاہ جن لوگوں پر حکومت کرتا ہے وہ اس کی مخلوق نہیں ہیں بلکہ ایسے انسان ہیں جو بالکل اسی کی مانند ہیں۔ کسی بادشاہ کو خدا کی مانند سمجھنا اسکو مغرور، خود رائے۔ اور غیر ذمہ دار بنا دینے کے لئے کافی تھا۔ موجودہ زمانہ میں مذہب کی وقعت قائم رکھتے ہوئے اس غلط اصول کو چھوڑ دیا گیا ہے اور مذہبی حکومت اسی حد تک قابل تسلیم سمجھی جاتی ہے جہاں تک کہ بادشاہ یا حاکم بحیثیت ایک خادم ملت و انسانیت کے کام کرے۔

مقالہ سوم سلطنت کے ناکافی یا مبنا آمیز نصب العین

۱۔ ذاتی حقوق اور مال کی حفاظت

جرمن فلاسفر کانٹ اور انگریز فلاسفر لاک ایک دوسرے سے اس امر پر متفق ہیں کہ سلطنت کا نصب العین یہ ہے کہ وہ بیرونی دشمنوں اور اندرونی فسادات سے انسانی آزادی کو محفوظ رکھے۔ اگرچہ موجودہ زمانہ میں بھی سلطنت کا یہ فرض ہے کہ افرادِ قوم کے قانونی حقوق کی حفاظت کرے مگر صرف اسی حد تک محدود رہنا گویا انسانی بلند خیالی اور قوتِ ارتقا کو محدود کرنا ہے۔

اس خیال کے تاریک پہلو

موجودہ زمانہ میں اس تخیل پر عمل کرنا تہذیب و ترقی کو محدود کرتا ہے اور اسی وجہ سے اس اصول کو ماننے والی سلطنتیں معاشی و تمدنی ترقی نہیں کر سکتیں کیسی قوم کے قانونی حقوق کی حفاظت اس قوم کے ذرائع معاش کو وسیع نہیں کر سکتی۔ معاشرت کے لئے ریل۔ تار۔ سڑکیں نہریں وغیرہ ضروری ہیں۔ اور قانونی حفاظت کا اس معاشی ترقی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ علاوہ بریں ملت کو اپنے دماغی نشوونما کے لئے علوم فنون کے مرکز۔ تعلیمی مدارس۔ حفظانِ صحت کے محکمہ قائم کرنے پڑتے ہیں جنھیں انفرادی کوششوں تک محدود کر دینا ملی تنزل

کا باعث ہو سکتا ہے ان باتوں کو سلطنت ہی بہتر انجام دے سکتی ہے اور اس اصول کو اگر عملی جامہ پہنایا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

(الف) معاشی مقاصد سے لاپرواہی ہو جاتی ہے۔

(ب) دماغی نشو و نما سے لاپرواہی ہو جاتی ہے

(ج) جذبات عامہ کو فنا کر کے ملی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

(د) مقدمہ بازی کی عادت پڑ جاتی ہے جس سے سلطنت کی وقعت کم ہو جاتی ہے

(ہ) یہ امر فراموش ہو جاتا ہے کہ ملت اس سیاسی ہستی کا نام ہے جو صرف نفاذ قانون اور حقوق ذاتی کی محافظت ہی کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ بلکہ بلند ترین سیاسی حکومت اور ارتقائے حریت سے تعلق رکھتی ہے

مسرت | جس طرح متذکرہ بالا اصول نہایت محدود ہے اسی طرح یہ اصول کہ سلطنت کا نصب العین مسرت عامہ کا حاصل کرنا ہے نہایت ہی وسیع اور مبالغہ آمیز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی دماغی اور جسمانی قوتیں اور تخیلات ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ ہر شخص کا معیار مسرت جداگانہ ہے اور حکومت و سلطنت ہر شخص کی مسرت میں ترقی نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے اس کا تعلق صرف انفرادی کوششوں پر ہے جس طرح تمام مادی و روحانی فوائد صرف انسان کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہوتے ہیں اور سلطنت میں یہ قوت نہیں ہے کہ انہیں وہ جذبات و محسوسات

پیدا کرسکے جن سے وہ فطرۃً محروم ہے مثلاً نہ تو سلطنت کسی انسان کو شاعر بنا سکتی ہے نہ محبت و مذہب کے جذبات پیدا کرسکتی ہے۔ اسی طرح سلطنت کا نصب العین گوناگون انفرادی مقاصد کا مترادف نہیں ہوسکتا اور نہ سلطنت کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اُنکے حصول کی ذمہ دار بن سکے۔

اس اصول کے خطرناک نتائج

اس اصول سے متعدد نتائج بد پیدا ہوسکتے ہیں جن میں چند خاص اثرات مندرجہ ذیل ہیں:—

(الف) سلطنت کو اپنا دائرہ اثر اتنا وسیع کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی مقررہ حد سے باہر ہوجاتی ہے۔

(ب) چونکہ سلطنت گوناگون انفرادی مقاصد کے حصول کا بار نہیں اٹھا سکتی لہٰذا اس سعیٔ لاحاصل میں بجائے ترقی مسرت کے تنزلِ مسرت ہوتا ہے۔

(ج) چونکہ سلطنت اپنی قوتوں کو ان مقاصد کے حصول میں صرف کرتی ہے جو اُسکے دائرہ اثر سے باہر ہیں یا جن کے لئے اُس کی قوتیں ناکافی ہیں لہٰذا اسکا لازمی نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقیقی اور جائز مقاصد سے دور ہوجاتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی سے قاصر ہوجاتی ہے۔

مقالہ چہارم سلطنت کا حقیقی نصب العین

صرف ایک نصب العین ہو سکتا ہے

سلطنت کا صرف ایک ہی تخیل ہو سکتا ہے اگرچہ مختلف اقوام نے مختلف زمانوں میں اسپر مختلف طریقوں سے عمل کیا ہے ہمیں ایسے نصب العین کی تلاش ہے جو ہر سلطنت کے لئے موزوں ہو یعنی عالمگیر بھی ہو اور فطرت انسانی کے منافی بھی نہ ہو یہ اعلیٰ و ارفع مقصد وحید کیا ہو سکتا ہے؟

انصاف نہایت محدود ہے

اگر یہ کہا جائے کہ سلطنت کا نصب العین انصاف[51] (عدل) ہے تو یہ مقصد نہایت محدود ہو جاتا ہے[52]۔ اس میں شک نہیں کہ قانون یا ان سلطنت کا ایک زبردست ستون ہے۔ مگر مقصود سلطنت نہیں ہے یعنی

---

[51] انصاف کے اس جگہ وہ معنی لئے گئے ہیں جو قانون عامہ اور قانون ملکی میں لئے جاتے ہیں۔ اگر انصاف (عدل) کو ہم اس فلسفیانہ تخیل کا مترادف سمجھیں جو افلاطون و ارسطو نے بتایا ہے تو انصاف کل اخلاقیات کا بنیادی اصول ہونے کی وجہ سے اخلاقیات کا مترادف ہو جاتا ہے اسکا مفصل بیان آئندہ

[52] مقالہ دوم دیکھئے۔

ملی زندگی قانونی زندگی کو نہیں کہتے بلکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ملی زندگی معاشی۔ دماغی اور تمدنی زندگیوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

اخلاق نہایت وسیع ہے

سب مدبروں سے پہلے افلاطون نے یہ بتایا ہے کہ سلطنت کا نصب العین اخلاق ہے۔ غالباً اس تخیل سے متاثر ہو کر عموماً تمام مسلمان سلطنتوں نے اخلاق کو سلطنت کا نصب العین قرار دیا تھا۔ مگر اخلاق کو درست کرنے اور قابو میں رکھنے والی دو قوتیں ہیں۔ (۱) خدا (۲) انسانی قوت ارادی۔ اور یہ دونوں قوتیں سلطنت کے حلقہ اثر سے باہر ہیں۔ اسی وجہ سے اخلاقیات کے حدود سیاسیات سے وسیع تر ہیں۔ اور سلطنت کے لئے اس اصول پر کاربند ہونا ناممکن ہے اور اگر اخلاقیات کو اپنے دائرہ اثر میں محدود کرنا چاہے تو اس پر خراب اثر پڑنا ضروری ہے۔

سلطنت کے نصب العین کو عموماً اس وجہ سے غلط سمجھا گیا ہے کہ زیادہ توجہ یا تو افراد کے مجمع پر دی گئی ہے یا حکام کے مظالم پر اور اس طرح ملت کی ہستی کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے اور یکطرفہ یا مبالغہ آمیز خیالات قائم کر لئے گئے۔

بہبودی عامہ

اہل روما نے سلامتی اور بہبودی کو سلطنت کا نصب العین قرار دیا۔ یہ خیال بہت کچھ صحیح ہے۔ ہر مدبر کو اپنی ملت کی بہبودی کا خیال ہوتا ہے اور ہر فرد ملت کو سلطنت کی بہبودی مد نظر ہوتی ہے۔ لہذا بہبودی عامہ سیاسی حکمت عملی کا جزو لاینفک ہے۔ دراصل ملی ترقی سلطنت کا فرض اولین ہے اس تعریف میں نہ صرف قانونی ترقی بلکہ انسانی قوتوں کا نشو و نما شامل ہے۔ روسیوں کا یہ اصول

بجائے محدود ہونے کے اتنا وسیع ہو سکتا ہے کہ سلطنت اپنے فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہ سکتی ہے۔

بہر حال یہ اصول ایک نقطۂ نظر سے ناکافی ثابت ہوتا ہے یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سلطنت کو اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے بہبودی عامہ کو اس پر سے قربان کردینا پڑتا ہے۔ اور ایسی صورت میں انفرادی آزادی و مسرت کو (جو عزت کے ساتھ ہرگز قائم نہیں رہ سکتی) ملک و ملت پر قربان کردینا سب سے بڑا ایثار سمجھا جاتا ہے۔

اگرچہ ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی سلطنت کے زیر اثر رہ کر یہ سلطنت تھوڑی سی آزادی قائم رکھ سکے۔ مگر اس آزادی کے مقابلہ میں مرنا بہتر سمجھا جاتا ہے۔

دنیا میں اس قسم کی لاکھوں مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ اکثر سلطنتیں اور قومیں اس طرح سے لڑ کر فنا ہو گئیں یا سخت مصیبت و ایثار کے بعد فاتح اور آزاد سلطنت قائم کر سکیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض سلطنتیں اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ وہ کسی طرح اپنی آزادی کو قائم نہیں رکھ سکتیں اور اُن کو یا تو فنا ہو جانا پڑتا ہے یا مجبوراً کسی بڑی سلطنت کا جزو بننا پڑتا ہے۔ مثلاً جرمنی کی متعدد سلطنتیں فنا ہو کر ایک وسیع سلطنت کی صورت میں نمودار ہوئیں۔ مندرجہ بالا صورتوں میں اگر سلطنت کا نصب العین بہبودی عامہ کو مانا جائے تو وہ یقیناً ناکافی ہے۔

حقیقی تعریف | یہ کل اعتراضات اُس وقت دور ہو جاتے ہیں جب ہم سلطنت کے نصب العین کو مندرجہ ذیل طریقہ پر ترتیب دیں۔ کہ سلطنت کا حقیقی نصب العین ملّی قوتوں کا ارتقا۔ ملّی زندگی کی ترقی اور تکمیل ہے۔ بشرطیکہ یہ ترقی اصول انسانیت کے منافی نہ ہو۔

اس نظریہ میں سلطنت کا ہر جائز فعل شامل ہے اور وہ تمام افعال جو سلطنت کے دائرہ سے باہر ہیں خارج کردئے گئے ہیں یہ نظریہ نہ تو محدود ہے۔ نہ بہت زیادہ وسیع ہے۔ اس اصول سے سلطنت کے مقصد کی توحید قائم رہتی ہے مگر اس کی ترقی کے مختلف ذرائع نہ تو فنا ہوتے ہیں نہ اُن کے استعمال سے مقصد میں خرابی اور دورنگی پیدا ہو سکتی ہے۔

جس طرح ہر انسان کا یہ فرض ہے کہ اپنی خداداد قابلیتوں کو ترقی دیکر اپنے جوہر ذاتی کو ظاہر کرے اسی طرح سلطنت کا فرض ہے کہ اپنی ملّی خصوصیات کو ترقی دے کر اپنے مخفی اور اصلی جوہر کو ظاہر کرے۔ لہذا اس اصول کے مطابق سلطنت اپنے دونوں فرائض نہایت اعتدال کے ساتھ انجام دے سکتی ہے۔ یہ دو فرائض یہ ہیں کہ اپنی ملّی قابلیتوں کو قائم رکھنا اور ان کو حتی الامکان ترقی دینا۔ اور وسائل ترقی مہیا کرنا

باب سادس

اقسامِ حُسن

مقالہ اول حکومت کی تقسیم

دو ہزار برس سے زیادہ ہوئے جب ارسطو نے حکومت کی وہ تقسیم کی تھی جو ابتک مانی جاتی ہے۔ ارسطو نے اس تقسیم کو اس تحقیق سے شروع کیا کہ سلطنت میں ایک مرکز حکومت ہوتا ہے جس کے ماتحت سلطنت کا ہر ایک شعبہ ہوتا ہے یہ مرکز حکومت سلطنت پر عام اثر ڈالتا رہتا ہے اور حکومتوں کی تقسیم قدرتاً اسی بنیاد پر ہوتی ہے۔

اصلی صورتیں ارسطو نے اُن سلطنتوں کو جو جماعت و قوم کی بہبودی چاہتی ہیں اصلی یا حقیقی بتایا ہے اور اُن سلطنتوں کو جو صرف حکام کے فوائد کو مدنظر رکھتی ہیں معکوس یا منقلب قرار دیا ہے۔ لہذا ارسطو کے خیال کے مطابق تین اصلی شکلیں ہیں اور انکی تین معکوس صورتیں ہیں۔ حکومت یا تو ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتی ہے یا چند آدمیوں یا بہت سے آدمیوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یعنی:۔

(۱) شاہی سلطنت جو فردِ واحد کی حکومت ہوتی ہے۔

(۲) حکومت الاشراف (یا حکومت امرا) جو چند بہترین افراد ملت کی حکومت کا نام ہے

(۳) جمہوری حکومت۔ جو عوام کی حکومت کو کہتے ہیں۔

معکوس صورتیں مندرجہ بالا اقسام حکومت کی تین معکوس صورتیں ہیں۔

(۱) خود مختار شخصی یا استبدادی حکومت جو صرف بادشاہ کے ذاتی مفاد کے لئے ہوتی ہے

(۲) حکومت خواص یا چند مالداروں کی حکومت محض اپنے فائدے کی غرض سے ہوتی ہے۔

(۳) حکومت عوام۔ یہ حکومت غریب اور جاہل عوام الناس کی حکومت ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا تقسیم میں ارسطو نے اُن انسانوں کی تعداد پر زیادہ زور دیا ہے جو حکومت میں حصہ لیتے ہیں لیکن دوسری جگہ وہ ایک ضروری اصول بتاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ حکومت کی تقسیم میں زیادہ توجہ حکومت کرنے والوں کی صفات پر رکھنی چاہیئے اور تعداد حکام کو اتنا ضروری نہ سمجھنا چاہیئے یعنی حکام کی صفت کو اُنکی کمیت پر ترجیح دینی چاہیئے۔ تاہم اُس نے کہیں اس اصول کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا۔

حکومت الٰہیہ تاریخ بتاتی ہے کہ ارسطو کی تقسیم نامکمل ہے۔ دنیا میں ایسی سلطنتوں کا بھی وجود پایا جاتا ہے جو ان تینوں قسموں میں سے کسی میں داخل نہیں ہیں تقسیم بالا میں حکومت کی قوت صرف انسانوں کے ہاتھ میں رکھی گئی ہے۔ مگر ایسی سلطنتیں بھی موجود

ہیں جنہیں یہ قوت یا تو خدا سے منسوب کیجاتی ہے یا کسی مافوق الفطرت ہستی یا ایسے انسانوں سے جنہیں حکومت کا حق کسی نہ کسی طرح خدا سے پہنچا ہے ایسی حکومت کو الٰہی حکومت اور اس کی معکوس صورت کو حکومت شیطانی یا ملحدانہ کہہ سکتے ہیں

حکومت مخلوط یہ تقسیم درحقیقت خیالی ہے۔ عملی دنیا میں اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ بعض اوقات شاہی حکومت جمہوری حکومت کی مانند ہوتی ہے اور شاہی حکومت کسی قدر جمہوری حکومت سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ تاہم یہ قدیم تقسیم بے معنی نہیں ہے اور اس میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ نظام حکومت پر طرز حکومت کا کافی اثر پڑتا ہے لہٰذا ہم ایسی حکومت کو جس میں شاہی آئینی۔ اور جمہوری حکومتیں دوسرے سیاسی اثرات سے اپنے اختیارات محدود کریں حکومت مخلوط کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً انگلستان کے بادشاہ کی شاہی حکومت دارالامرا اور دارالعوام کے زیر اثر ہے۔ اس قسم کی محدود حکومت شخصی آئینی اور جمہوری حکومتوں سے بہتر ہوتی ہے۔ بشرطیکہ یہ حکومتیں اپنے اختیارات کا بیجا استعمال نہ کریں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی مخلوط حکومت کوئی نئی حکومت نہیں ہوتی اسلئے کہ ایسی حالت میں بھی حکومت یا تو شاہی یا آئینی یا جمہوری کہی جاسکتی ہے۔

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر قوت حکومت کو بادشاہ۔ اشراف اور جمہور میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ انکی حکومتیں پہلو بہ پہلو اور ایک دوسرے سے آزاد رہیں تو اس قسم کی مخلوط حکومت اول تو نہایت ہی خراب ثابت ہوگی اور دوسرے

بلکہ اسکا جاری رہنا ناممکن ہو جائیگا۔ یہ خیال حکیم طیسیطوس کا ہے

حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی قوت کی تقسیم ایسی سلطنت پیدا کر دے گی جسمیں دو رنگی ہوگی اور یہ سلطنت کے تخیل کے منافی ہے جسے بحیثیت ذی روح ہستی ہونیکے اس امر کی ضرورت ہے کہ یہ واحد ہو یعنے اسمیں یکرنگی پائی جائے ہر ایک جاندار ہستی کے مختلف اعضا اپنا اپنا کام انجام دیتے ہیں اسمیں بعض کا اعلیٰ اور بعض کا ادنے درجہ ہوتا ہے۔ اور اُن سب میں ایک عضو ایسا ہوتا ہے جسمیں قوت حکومت کا مرکز ہوتا ہے اسی طرح سلطنت کے لئے ایک ایسے عضو کی ضرورت ہے جو اُس کی قوتوں اور شعبوں کے اختلاف کو یکرنگ کر کے توحید پیدا کر دے۔ یہ مرکز حکومت کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اس امر کی ضرورت ہے کہ سلطنت کی یکرنگی اور توحید کو قائم رکھنے کے لئے مرکز حکومت کئی حصوں میں تقسیم نہ ہو بلکہ واحد ہو

اقسام حکومت بلحاظ صفت کمیت یا تعداد حکام پر اگر زور نہ دیا جائے اور صرف حکام کی صفت کا لحاظ رکھا جائے تو سلطنت کی چار مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔

۱۔ حکومت الٰہیہ پہلی قسم حکومت الٰہیہ (یا مذہبی حکومت) ہے اسمیں حاکم یا بادشاہ کو یا تو مافوق الفطرت انسان (دیوتا۔ اوتار) سمجھا جاتا ہے جو قدرتاً اور سب انسانوں سے بلند پایہ رکھتا ہے یا کسی نہ کسی صورت میں خدا کو سلطنت کا اصلی حکمران مانا جاتا ہے

۲۔ حکومت جمہوری | مذہبی یا الٰہی حکومت کی ضد جمہوری حکومت ہے
مذہبی حکومت میں انسان ایسی قوت کا ماتحت ہوتا ہے۔ جو اس سے الگ اور ممتاز
درجہ رکھتی ہے حکومت جمہوری میں انسان خود اپنا حاکم ہوتا ہے یعنی بحیثیت مجموعی کل
ملت حاکم ہوتی ہے انفرادی حیثیت سے ہر فرد ملت محکوم ہوتا ہے۔

۳۔ حکومت الاشراف | حکومت الاشراف میں ایک جماعت بالا حاکم بنجاتی ہے
اور دوسری جماعتیں رعایا ہو جاتی ہیں لیکن جماعات ادنیٰ کو اگرچہ حکومت سے
کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ تاہم جماعت اشراف کا ہر شخص علیحدہ علیحدہ بحیثیت رعایا کے
سمجھا جاتا ہے اور یہ لوگ صرف مجموعی حیثیت سے حاکم ہوتے ہیں۔

۴۔ شاہی حکومت | شاہی حکومت میں بادشاہ اور رعایا کا فرق اظہر من الشمس
ہے ایسی حکومت میں ایک ہی شخص بادشاہ یا حاکم اعلیٰ ہوتا ہے جو خود رعایا میں شمار نہیں
ہو سکتا۔ یہ قوم کی تمام قوتوں کا مرکز وحید ہوتا ہے اور بادشاہ اپنی پوری سلطنت
کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔

اقسام بالا کا امتیاز | حکومت الٰہیہ اور حکومت شاہی ایک نقطہ نظر سے
حکومت اشراف اور حکومت جمہوری سے بالکل الگ ہوتی ہیں ان حکومتوں
میں حکمران افراد اپنی سلطنت و ملت کی تمام قوتوں اور قابلیتوں کا مرکز ہوتے ہیں اور
خود محکوم یا رعایا کی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ سرور سلطنت کے مفاد کی نمائندگی کرتے
ہیں اور اپنے ذاتی مفاد کی پرواہ نہیں کرتے۔ بخلاف اسکے حکومت الاشراف اور

حکومت جمہوری میں رعایا اور حاکم کا فرق اتنا صاف نہیں ہوتا۔ اور وہی لوگ بعض اوقات حاکم ہوتے ہیں اور بعض اوقات محکوم اسی وجہ سے وہ نہ صرف سلطنت کے مفاد کا خیال کرتے ہیں بلکہ اپنے مفاد کو بھی مد نظر رکھتے ہیں جمہوریت میں یہ کام تمام افراد ملت کا ہوتا ہے اور حکومت الاشراف میں صرف حکومت کرنے والی جماعت تک محدود رہتا ہے۔

دوسرے نقطۂ نظر سے حکومت الاشراف۔ اور حکومت شاہی ایک دوسرے سے قریب تر معلوم ہوتے ہیں اور انکی ترتیب اس طرح سے ہوتی ہے کہ حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں اور حکومت اُن کے نام سے ہوتی ہے۔ یہ صفات شاہی حکومت میں زیادہ واضح اور روشن ہوتی ہیں۔ بخلاف اسکے مذہبی (یا الہی) اور جمہوری سلطنتوں کی حکومت ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے۔ الہی حکومتوں میں ایک درمیانی طبقہ کے ذریعہ سے حکومت ہوتی ہے۔ یہ طبقہ کاہنوں یا ملاؤں کا ہوتا ہے جمہوری سلطنتوں میں یہ درمیانی طبقہ قاضیوں اور مفتیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ملّا اور قاضی بذات خود رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اُنکو حکمرانی کی قوت صرف بحیثیت وکیل کے ہوتی ہے۔ یہ طبقہ بادشاہوں اور اشراف کی طرح اپنے نام سے حکمرانی نہیں کرتا۔ بلکہ ہمیشہ اس بات پر مجبور رہوتا ہے کہ اپنی کارروائی کا استصواب اپنے سے بالاتر قوت (خدا یا ملت) سے کرتا رہے

سلطنت اور انسان کا مقابلہ بعض سر یہ خیال کرتے ہیں کہ سلطنت کی ترقی

وتنزل اسی طرح ہوتا رہتا ہے جس طرح بچہ جوان ہو کر بڈھا ہو جاتا ہے۔ اسی اعتبار سے سلطنت کی چار عمریں ہوتی ہیں جو انسانی عمر کے متوازی سمجھی جاتی ہیں اور جس طرح ہر انسان دوسرے سے کچھ نہ کچھ امتیاز رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر سلطنت میں ایک صفت ذاتی ہوتی ہے بعض انسانوں کی طبیعت میں خواہ وہ بڈھے ہی ہو جائیں لڑکپن باقی رہتا ہے اور بعض لڑکپن ہی کی حالت میں پُر تمکنت اور باوقار ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض اقوام اگرچہ نہایت قدیم ہیں مگر ان میں بچپن پایا جاتا ہے جیسے افریقہ کی سیاہ نسل۔ اور بعض اقوام اگرچہ ابھی عالم ارتقا کے پہلے درجوں میں ہیں مگر اُن میں وقار و تمکنت موجود ہے جیسے افغان

اقسام حکومت بلحاظ حقوق رعایا

نظام حکومت سلطنت کے جسم کا گویا سر ہوتا ہے اسی لحاظ سے اسکا اثر ملت کے پورے طرز عمل پر پڑتا ہے لیکن رعایا کا بھی خاص اثر حاکموں کی جماعت پر پڑتا ہے جس طرح حکومت کے معاملہ میں حاکموں کی صفات پر نظر کیجاتی ہے اسی طرح رعایا کے معاملہ میں اس بات پر نظر کیجائیگی کہ رعایا کو حکومت اور قانون سازی میں کہاں تک دخل ہے اور رعایا کی صفات کے لحاظ سے سلطنت کی تقسیم کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس طرز تقسیم کے مطابق مندرجہ ذیل قسمیں ہو سکتی ہیں جو تقسیم بالا کے لحاظ سے جو حاکموں کی صفات پر مبنی تھی (یعنی اقسام اولی) اقسام ثانوی کہی جا سکتی ہیں

۱۔ غیر آزاد اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محکوم قوم مجہول گروہ کی مانند حکمراں قوت کی

قطعی تابعدار ہوتی ہے۔ نہ انہیں قانون سازی کا اختیار ہوتا ہے نہ اسمیں کسی قسم کا دخل ہوتا ہے اس قسم کی سلطنت کو رعایا کے لحاظ سے غیر آزاد کہا جاسکتا ہے

۲۔ نیم آزاد | ایسی حکومتیں بھی ہوتی ہیں جنمیں رعایا کے بعض خاص افراد کو جو جماعات اعلیٰ سے متعلق ہوتے ہیں قانون سازی میں کچھ دخل ہوتا ہے لیکن قوم کے باقی ماندہ افراد کو نہ کارہائے عامہ میں دخل ہوتا ہے نہ انہیں کسی قسم کے سیاسی حقوق اور آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم کی سلطنتیں نیم آزاد کہی جاسکتی ہیں

۳۔ آزاد | اُن سلطنتوں کو جنمیں تمام جماعتوں کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور پوری ملت قانون سازی میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے اختیار سے حکومت کرتی ہے آزاد سلطنت کہتے ہیں اس قسم کی سلطنت کا دوسرا نام سلطنت جمہوری ہے۔

تقسیم ہذا کا اقسام اربعہ سے تعلق | اگر ہم اقسام ثانوی کو جو اوپر بیان کئے گئے ہیں اُن چار قسموں سے مقابلہ کریں جنکا پہلے بیان کیا جاچکا ہے تو مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

(۱) الٰہی حکومت کا رجحان زیادہ تر غیر آزاد سلطنت کی طرف ہوتا ہے۔ مگر اس حکومت کا مطلق العنان ہونا ضروری نہیں ہے یہ ممکن ہے کہ یہ نیم آزاد یا آزاد سلطنت سے زیادہ قربت حاصل کرلے۔ یہ اسوقت ہوتا ہے جب احکام الٰہی کی تعمیل جماعت اشراف کے متعلق ہوتی ہے یا پوری ملت کی امداد اور شرکت سے یہ حکومت کیجاتی ہے اسلامی حکومت اس لحاظ سے مذہبی جمہوریت تھی۔

(۲) حکومت اشراف عموماً نیم آزاد سلطنت ہوتی ہے لیکن بعض اوقات جماعت اشراف کے حقوق بالکل صلب کرلئے جاتے ہیں اور رعایا میں سے کوئی شخص حکومت میں دخل نہیں دیسکتا تو وہ غیر آزاد ہو جاتی ہے۔

(۳) حکومت جمہوری قدرتاً آزاد حکومت ہوتی ہے مگر یہ حکومت بھی قلیل التعداد اقوام کے لئے شخصی حکومت کی طرح پیش آسکتی ہے بعض اوقات جمہوری حکومت نیم وحشی رعایا کے مقابلہ میں نیم آزاد سلطنت کا درجہ رکھتی ہے (مثلاً امریکہ میں حبشی اقوام کے مقابلہ میں جمہوریہ ریاستہائے متحدہ)

(۴) شاہی حکومت کا اقسام ثانوی سے کئی طرح کا تعلق ہے مطلق العنان شخصی حکومت بالکل غیر آزاد ہوتی ہے۔ ایک شخصی سلطنت جو مذہبی یا قومی اثر کے ماتحت کام کرتی ہوں نیم آزاد ہوتی ہیں۔ اور موجودہ زمانہ کی وہ شاہی حکومت جو نمایندگان ملت کی مجالس سے محدود ہو جاتی ہیں آزاد سلطنت کہے جانے کا حق رکھتی ہے۔

مقالہ دوم - حکومت الٰہیہ (مذہبی حکومت)

زمانہ قدیم کی الٰہی حکومت

سب سے پہلی اور سب سے قدیم سلطنتیں ایشیا اور شمالی افریقہ میں قائم ہوئیں۔ یہ سلطنتیں مذہبی تھیں۔ اسکی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے[1] ابتدائی زمانہ کے انسانوں پر قدرت کی مخفی قوتوں کا خوف بہت غالب تھا اور قدرتی اثرات بہ نسبت زمانہ موجودہ کے اُس زمانہ میں زیادہ مہیب اور دلفریب تھے ان اقوام میں ایسے انسانوں کی کافی تعداد ہوتی تھی جو جادوگر، کاہن، یا دیوتا کے نام سے موسوم کئے جاتے تھے اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ لوگ خدا سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ ایسی اقوام میں ایسی جماعت ضرور موجود ہوتی تھی جنہیں پجاری کہتے ہیں اور وہ خدا کے محبوب یا اُس کی خدائی کے حصہ دار اور شریک مانے جاتے تھے سوائے ان لوگوں کے نہ تو کوئی شخص خدا کی مرضی و خواہش معلوم کر سکتا تھا اور نہ اُسکے احکام سمجھ سکتا تھا۔

بعض سلطنتوں میں براہ راست پجاری خدا (یا دیوتاؤں) کی قائمقامی کرکے حکومت کرتے تھے بعض میں ایک بادشاہ ہوتا تھا جو پجاریوں یا کاہنوں کی مجلس کے زیر اثر ہوتا تھا (ہندوستان) اور بغیر اُن کی اجازت کے کوئی حکم نہیں دے سکتا تھا نہ نیا قانون بنا سکتا تھا۔ اس قسم کی سلطنتوں کے اقسام مندرجہ ذیل ہیں

---

[1] ملاحظہ کیجئے باب۱ مقالہ اول وحشی اقوام کا مذہب

میرو حبشیوں کی خالص مذہبی حکومت میرو میں قائم تھی۔ اسمیں کاہنوں یا پجاریوں کی جماعت کو اختیار اعلیٰ حاصل تھا یہ اپنی جماعت سے چند اشخاص کو نامزد کر دیتے تھے اور ایک نہایت سنجیدہ اور موثر دعا کے بعد انہیں سے ایک شخص کو خدا پسند کر لیتا تھا۔ اور عوام الناس اسکو خدا کا جانشین یا نمایندہ سمجھکر اسکی اطاعت اور تعظیم کرتے تھے لیکن اس سردار کی قوت قوانین الہیہ سے نہایت محدود ہو جاتی تھی۔ اور یہ قوانین خدا کی طرف سے پجاریوں اور کاہنوں پر نازل ہوتے تھے جنکو وہ عوام کے سامنے پیش کرتے تھے پجاریوں کے سردار کو (جو بادشاہ سمجھا جاتا تھا) کسی رائے کے قائم کرنے یا اپنی مرضی سے کوئی حکم جاری کرنیکا اختیار نہ تھا۔ ہر جگہ پجاری اسکے گرد وپیش رہتے تھے۔ اور بادشاہ کو خدائی احکام کے مطابق مشورہ دیتے رہتے تھے۔ بادشاہ کو اپنی زندگی پر بھی کوئی اختیار نہ تھا اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ پجاریوں کے ذریعہ سے خدا کی ناراضگی ظاہر ہوتی تھی اور اُس وقت بادشاہ کو خدا کی ناراضگی دور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہوتا تھا۔

مصر مصر میں کاہنوں کی مخلوط سلطنت پائی جاتی تھی۔ روایات قدیم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پہلے یہ خیال تھا کہ خدا براہ راست حکومت کرتا ہے چند صدیوں کے بعد خدا کے جانشین یا بادشاہ ہونے لگے لیکن یا تو وہ دیوتا یا دیوتاؤں کی اولاد سمجھے جاتے تھے۔ اور اُن کی قوت خدائی قانون سخت رسوم اور مذہبی یا پجاریوں کی ذات کے زیر اثر ہوکر نہایت محدود ہو جاتی تھی حتیٰ کہ اُنکی خوراک

بھی ہمیشہ کے لئے خدا کی طرف سے مقرر ہوجاتی تھی اور وہ اپنی پسند سے کوئی چیز نہ کھا سکتے تھے مگر پجاریوں کو یہ اختیار نہ تھا کہ اُنکی زندگی میں اُن سے باز پرس کرسکیں مرنیکے بعد البتہ اُن کی زندگی پر فیصلہ صادر کیا جاتا تھا جس پر اُنکی عزت کا دارومدار ہوتا تھا اور اسی فیصلہ پر اُنکی نجات کا انحصار تھا۔ مصریوں کو زندگی بعدالموت کا اتنا یقین تھا کہ وہ مردہ لاش کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھتے تھے اور ہر طرح سے اُسکو مزین کرتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پجاریوں کا فیصلہ بعدالموت ہر حکمران کو نہایت ہی امید و بیم کی حالت میں رکھتا تھا اور اسی پر پجاریوں کی عزت و وقعت کی بنا تھی

ھندوستان قدیم ہندوستانی سلطنتیں مصری سلطنتوں کے مشابہ تھیں ذات کے اعتبار سے بادشاہوں کا درجہ برہمنوں سے کم تھا۔ اگر کوئی برہمن اپنی لڑکی کی شادی کسی راجہ سے کرتا تو وہ اور اُسکی لڑکی دونوں یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا رتبہ کم ہوگیا تاہم بادشاہی عزت و وقار اتنا کیا جاتا تھا کہ کسی نہ کسی دیوتا کو راجہ کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔ قوانین منو کے مطابق بادشاہ کا جسم پاک اور متبرک ہے۔ جو اُن عناصر سے مرکب ہے جنکا اخذ دنیا کے آٹھ محافظ دیوتاؤں سے ہے جس طرح سورج آنکھوں اور دل کو اندھا کردیتا ہے اور کوئی شخص اُسپر نگاہ نہیں قائم کرسکتا۔ چونکہ خدا نے اُسکو کل مخلوقات کی حفاظت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح راجہ ہے کسی شخص کو نہ چاہئے کہ اُسکے بچپن میں بھی اُسے نظر حقارت سے دیکھکر یہ کہے کہ وہ ایک فانی انسان ہے چونکہ اُس میں ایک زبردست خدائی قوت رہتی ہے

ہندوستانی راجہ کے پاس اکثر پجاری رہتے تھے۔ اور راج گدی پر بٹھانے کی رسوم برہمن ہی ادا کرتے تھے۔ برہمن ہی زیادہ تر مشیر و وزیر ہوتے تھے اور بغیر اُنکی رائے اور مشورہ کے راجہ کوئی نیا کام نہیں کر سکتا تھا وہ سخت رسوم کا پابند ہوتا تھا اور اگرچہ منو نے صراحت کے ساتھ اصول حکومت نہیں بتلائے تھے تاہم یہ صاف صاف بتایا تھا کہ "بیوقوف راجہ جو اپنی رعایا پر ظلم و ستم کرتا ہے۔ وہ بہت جلد نہ صرف اپنا راج بلکہ اپنی اور اپنے پورے خاندان کی جان ضائع کر دیگا"

ہندوستانی سلطنتوں کا ماخذ آریہ نسل سے تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ نسبت میرد اور مصر کی سلطنتوں کے زیادہ آزاد تھیں۔ اور بادشاہی شان و شوکت ان سلطنتوں میں زیادہ ترقی یافتہ تھی لیکن ذات پات کی سختیاں قومی ترقی کی مانع تھیں اور برہمنوں کے ہاتھ میں زیادہ طاقت تھی۔ مصر میں اس مذہبی گروہ کا ایک ثلث زمین پر قبضہ تھا اور ہندوستانی قانون کے مطابق ہر راجہ پر فرض تھا کہ اگرچہ وہ خود تنگدستی سے مر رہا ہو پھر بھی نہ تو کسی برہمن پر ٹیکس عائد کر سکتا تھا۔ اور نہ اُسکو فاقہ سے مرنے دے سکتا تھا۔ البتہ نیچ ذاتیں نہایت خراب حالت میں رہتی تھیں اور اُنکو اپنی حالت درست کرنیکا کوئی موقع نہ تو ملتا تھا نہ دیا جاتا تھا بہ خلاف اسکے مصری دہقان تقریباً غلاموں کی مانند تھے اور وہ بادشاہوں اور فوجی سرداروں اور پجاریوں کی زمینوں کو جوتتے تھے اور زراعت کرتے تھے۔ گلہ بان اور حرفت پیشہ اس امر پر مجبور تھے کہ اپنے آبائی پیشہ انجام دیتے رہیں

ان لوگوں کا کوئی حصہ سیاسی امور میں نہ تھا۔ اور ان ممالک میں جبریہ مزدوری (بیگار) عام طور سے رائج تھی۔

سیکڑوں برس سے یہ الٰہی سلطنتیں اور طرز حکومت مشرق میں رائج ہے لیکن اب بادشاہوں کی دنیاوی قوت زیادہ بڑھ گئی ہے اور مذہبی طبقہ کا قدیم اثر باقی نہیں رہا سب سے پہلے یہ خیال تھا کہ خدا خود براہ راست حکومت کرتا ہے اور حکام (پجاری) اُسکے قائم مقام یا وکیل سمجھے جاتے تھے۔ اسکے بعد یہ حکومت خدا سے منتقل ہو کر مذہبی جماعت کے ہاتھوں میں آگئی (جس میں یا تو کوئی پجاری یا آخر زمانہ میں جنگجو سردار حکومت کرتا تھا) اور سب سے آخیر میں بادشاہ خود دیوتا کی مانند سمجھا جانے لگا۔ اور مافوق الانسانی حکومت شخصی کی بنیاد پڑی۔ ایسی حکومت ایران، ہندوستان اور چین میں رائج تھی بعض مسلمان بادشاہ (مثل اکبر) بھی اسی طرح دیوتا سمجھے جاتے تھے۔

ایران حضرت مسیح سے ایک ہزار برس پہلے ایران میں ایک شخص زرتشت نامی ظاہر ہوا اور اُس نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا اور ہر قسم کے احکام خواہ مذہبی ہوں یا دنیاوی جاری کرنے شروع کئے۔ اسکا مذہب عام طور سے ایران میں رائج ہوگیا۔ ژند اوستا قدیم ایرانی زبان میں اُنکی مذہبی کتاب ہے۔ اس میں ہندوستان کے خلاف بادشاہوں کو فوجی طبقہ میں نہیں رکھا بلکہ مذہبی یا پجاریوں کی خدمات اُنکے سپرد ہوئیں۔ یہاں سیاسی نظام پورے طور پر

مذہبی احکام کی پابندی میں تھا۔ اور قانون و اخلاق میں کوئی فرق نہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ بادشاہوں کی حیثیت تبدیل ہوگئی اور مذہبی طبقہ کے علاوہ اور جماعتوں سے بھی بادشاہ ہونے لگے۔ اسوقت ایران کی مذہبی سلطنت مطلق العنان شخصی حکومت کی صورت میں تبدیل ہوگئی اور پجاریوں اور کاہنوں کی طاقت بہت زیادہ گھٹ گئی۔ شاہی دربار یزدانی دربار کی نقل سمجھا جاتا تھا اور بادشاہ کی عزت ہرمزد کی عبادت کی طرح کیجاتی تھی عوام الناس بادشاہ کو سجدے کرتے تھے اور اس کے سامنے نذرانے اور قربانیاں (جو صرف خدا کے لئے مخصوص ہیں) پیش کرتے تھے۔ یہ رسوم ساتویں صدی عیسوی تک ایران میں جاری رہیں اور اسی اثر سے رومی بادشاہ بھی انکی نقل کرنے لگے تھے مگر اسلام نے ان سب مشرکانہ رسوم کو مٹا دیا۔

بہرحال یہ مطلق العنان شخصی حکومت مذہبی حکومت سے اس لحاظ سے بہتر تھی کہ جو احکام نافذ کئے جاتے تھے وہ کسی بیرونی طاقت یا توہمات و نجوم وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہوتے تھے بلکہ انسانی عقل کو (خواہ وہ قطعی خودغرضی کی حالت میں استعمال میں لائی گئی ہو) استعمال کرتے اور حکومت کی بنیاد انسانی قوت ارادی پر رکھنے کا باعث ہوتی تھی۔ اس طرح انسانی ضروریات کے مطابق سیاسی حالات تبدیل ہونے لگے اور مذہبی احکام جو مشکل سے تبدیل ہوسکتے تھے صرف مذہب کے لئے محدود کردئے گئے ایران نے اسی وجہ سے نہایت قدیم زمانہ میں ذات پات کی بندشوں سے نجات حاصل کرلی۔

یہودی سلطنت حضرت موسیٰ کی شریعت کے مطابق یہودی خدا کی وحدانیت کے قائل تھے اور انکی حکومت بھی خالص مذہبی حکومت تھی۔ یہودی خدا کو بادشاہ سمجھتے تھے جسکا نام یہوا یا یہوہ ہے وہ فانی مگر برگزیدہ بندوں کا غیر فانی بادشاہ تھا۔ موسوی قانون درحقیقت خدا کی وحی سمجھی جاتی تھی جو اس نے کوہ سینائی اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ پر وقتاً فوقتاً ظاہر کیا۔ الہی قانون کی پابندی اور ہمیں خدائی حکومت نے بنی اسرائیل کو علیٰ درجہ پر پہنچا دیا اس سے قبل ایک عرصہ میں انکی حالت نہایت ذلیل تھی مگر اب وہ اپنے آپکو خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے سمجھنے لگے اور انکے مختلف قبائل نے (جو حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوب اور حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں سے تھے) ایک برادری قائم کرلی

ملک میں انصاف یہوا کے نام سے کیا جاتا تھا اور خدائی قانون کے سامنے امیر غریب سب برابر تھے۔ ملک یہوا کا تھا اور مختلف قبائل اسکا استعمال اسکا استعمال کیا کرتے تھے اور آمدنی کا دسواں حصہ مذہبی غرض کے لئے معبدوں میں جمع کر دیتے تھے۔ ہر ساتواں برس زمین کے آرام کا ہوتا تھا اور زراعت نہیں کیجاتی تھی جس طرح ساتواں دن آرام کا ہوتا ہے اسی طرح سات گنا سات (یعنی ۴۹) برس کے بعد عام مسرت کا سال (جبلی یا یوبیل) ہوتا تھا جبکہ زمین تمام سے نئے سرے سے تقسیم کیجاتی تھی اور جو لوگ زیادہ مالدار ہو جاتے تھے انہیں زمین سے دست بردار ہونا پڑتا تھا۔ کوئی یہودی غلام نہیں ہو سکتا تھا اور وہ اگر اپنے نفس کو فروخت کر دیتا تھا تو محض ملازم کی حیثیت

رکھتا تھا اور مسرت کے سال میں آزاد کر دیا جاتا تھا۔ یہودیوں میں غلام ہمیشہ اجنبی نسل سے ہوتے
بہرحال آخرکار یہ مذہبی حکومت شاہی حکومت میں تبدیل ہو گئی لیکن یہ حکومت بھی ... ...

سے مذہبی طبقے کے اثر میں تھی

تبت اسی طرح تبت میں بودھ مذہب کی بدولت ایک خاص مذہبی سلطنت قائم ہوئی۔ ایک مذہبی گروہ (دلائی لاما) حاکم ہوا تھا۔ سترھویں صدی عیسوی میں چند عیسائی پادری اس ملک میں گئے اور انہیں معلوم ہوا کہ پوپ کی مذہبی حکومت اور رسوم کی طرح لاما گردھی لمبی ٹوپیاں پہنتے اور خوشبو جلا کر دھویں اڑاتے تھے اور دلائی لاما سفید پوشاک زیب تن کئے ہوئے ہے انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ رومی عیسائیوں کی بہت سی رسمیں مشرق ہی سے ماخوذ ہیں۔

چین چینی اپنے مذہبی خیال میں بہت پکے ہوتے ہیں۔ ان میں مادہ تحقیقات و تنقید موجود ہے مگر تجارتی زندگی میں یہ لوگ اتنے محو ہیں کہ تخیلات میں بلند پروازی بہت کم ہو گئی ہے۔ تاہم توہمات کی مضبوط بندش میں پوری قوم جکڑی ہوئی ہے۔ لاکھوں آدمی اپنے آپکو ایک ہی خاندان کے افراد خیال کرتے ہیں اور اپنے بادشاہ کو خدا کا اوتار سمجھتے ہیں۔

مسلمان مسلمانی سلطنتیں بھی مذہبی رنگ میں نظر آتی ہیں۔ ہر اسلامی سلطنت پر مذہبی رنگ غالب ہے اور رہ چکا ہے۔ ابتدائی زمانہ اسلام میں خلافت کی بنیاد بالکل مذہب پر تھی اور وہ حقیقی مذہبی حکومت کہی جا سکتی ہے مگر خلافت راشدہ

کے زمانہ کے بعد سوائے چند خلفا کی حکومت کے جنکا زمانہ حکومت ایک دوسرے سے قریب نہ تھا یہ حکومت مذہبی نہیں ہی اگرچہ عام طور پر اکثر اسلامی سلطنتوں میں مذہب کے زیر اثر حکومت کیجاتی تھی مسلمانوں کا کبھی یہ اعتقاد (مثل یہودیوں کے) نہیں رہا کہ خدا براہ راست اپنے بندوں پر حکومت کرتا ہے۔ نہ اُس کی قوت میں اُس کے پیغمبروں کو شریک کیا جاتا تھا مسئلہ جبر و قدر کی وجہ سے اگرچہ فرقہ بندی ہوگئی تھی اور نہایت گرما گرمی سے مباحثہ ہوتے تھے مگر اس خیال سے کسیکو انکار نہ تھا کہ انسان مجبور محض نہیں ہے مسلمانوں کو دنیاوی معاملات میں ہر قسم کی آزادی اُسوقت حاصل تھی جبتک کہ اُسکے افعال اخلاق۔ مذہب کے خلاف نہوں مسلمانوں کی مذہبی حکومت محلوط حکومت تھی یعنی یہ حکومت مذہبی جمہوریت تھی۔ اور انتخاب عام سے سردار قوم چناجاتا تھا اس قسم کی جمہوریت کی ابتدا رسول عربی کی وفات کے بعد ہی شروع ہوگئی جسے خلافت کہتے ہیں

خلافت خلافت رسول عربی کی نیابت و جانشینی کا نام ہے اور یہ جانشین کل دنیائے اسلام کا سیاسی۔ مذہبی اور کل دینی و دنیاوی تعلقات کا مرکز سمجھا جاتا ہے قیام و بقائے خلافت کے لئے رسول عربی نے اپنی زندگی میں احکام نافذ کردئے تھے۔ اور فرمایا تھا کہ خلافت کا قائم رہنا اور ہر مسلمان کو خلافت سے تعلق واثق رکھنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر کسی خلیفہ کی بیعت یا اطاعت کئے ہوئے مرجائیگا تو وہ ایسا ہے کہ گویا جاہلیت کی موت مرا یعنی اُسے کفر کی موت نصیب ہوئی۔ اسی طرح

دوبارہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مسلمان نے ایک رات بھی ایسی بسر کی جبکہ وہ کسی خلیفہ کا ماتحت نہ تھا تو اُس نے وہ رات معصیت و نافرمانی میں بسر کی۔

ابتدا میں خلفا کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوتا تھا اور خلیفہ کو کتاب اللہ سنت رسول اور سنت خلفاء کے مطابق حکومت کرنی پڑتی تھی۔ مگر زمانہ کے تغیرات نے جمہوریہ اسلام کو شاہی سلطنت میں تبدیل کر دیا یہ شاہی سلطنتیں امراء اور علماء کے اثر سے محدود رہتی تھیں اور بہت کم مطلق العنانی کی صورت اختیار کر سکیں۔ اور عموماً کوئی حکم اسلامی قانون کے خلاف رائج نہیں کیا جاتا تھا

خلافت کی خصوصیات

(۱) خلیفہ رسول عربی کا نائب سمجھا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کا دینی اور دنیاوی پیشوا سمجھا جاتا ہے اور اسکی اطاعت ہر مسلمان پر لازم ہے۔

(۲) خلافت ناقابل تقسیم ہوتی ہے یعنی ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے

(۳) خلیفہ کے لئے شرع اسلامی کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

(۴) چونکہ مختلف اسلامی سلطنتوں کا مرکز وحید خلیفہ رسول ہی ہوتا ہے لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے اگر کوئی بادشاہ خلیفہ وقت کی نافرمانی کرے یا اس کی ماتحتی سے آزاد ہو جائے تو اُسکی حکومت ناجائز ہو جاتی ہے اسی بنا پر ہندوستان۔ افغانستان اور دیگر ممالک اسلامی کے بادشاہ خلیفہ وقت سے اجازت حکومت حاصل کرتے تھے اور خلیفہ ہی کے نام سے حکومت کرتے تھے۔ اکثر بادشاہوں کے

سکون پر خلیفہ وقت کا نام بھی کندہ ہوتا تھا اور کل ممالک اسلامیہ میں اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا

(۵) خلیفہ کے لئے خادم حرمین الشریفین ہونا ضروری تھا۔

اتحاد اسلامی خلیفہ کو کل دنیا کا مرکز وحید بنا دینے سے شارع اسلام کا یہ مقصد تھا کہ نہ صرف مسلمان بلکہ کل دنیا کے انسان ملک و نسل قوم و رنگ کی تفریق کو بھولکر باہمی اختلافات کو چھوڑ دیں اور دنیا آزاد انسانوں کا متحدہ گھر بنجائے خدا خود قرآن میں فرماتا ہے کہ "دنیا میں مرد عورت نسل اور قبیلہ صرف ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے بنائے گئے ہیں ورنہ امتیاز تو اسی کو ہے جو پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے" اسی وجہ سے مسلمانوں کا عالمگیر اتحاد محض اس وجہ سے نہیں کہ سید جلال الدین افغان مرحوم یا کچھ سیاسی چالبازوں کی چالاکی (بقول مدبران فرنگ) سے دوبارہ زندہ کیا جارہا ہے بلکہ خدا کے حکم کے مطابق کہ "بیشک تمہاری ملت ایک ہی ملت ہے اور ہم ہی تمہارے پروردگار ہیں" ہر مسلمان کا فرض ہے کہ عالمگیر اتحاد اسلامی میں کوشش کرے اور کل مسلمانوں کا مرکز اتحاد خلیفۂ وقت ہو۔ اسی طرح قرآن کریم میں دوبارہ ارشاد ہوتا ہے کہ "دین الہی کی رسی کو سب ملکر پکڑ لو۔ اور متفرق نہو"

اسی سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے چند فقرے درج کردینا نہایت ضروری ہے کہتے ہیں "ہم میں سچا پان اسلامزم بالفاظ دیگر رشتہ اخوت دینی باقی

سلہ خلافت اور ہندستان از سید سلیمان ندوی صاحب ملاحظہ کیجئے ۱۲

نہیں رہا...... اس کا افسوس ہے...... تمام دنیا کے مسلمانوں سے ہمارا صرف ایک ہی رشتہ ہے یعنی دینی اخوت اور پان اسلامزم کا ۔ مگر ترکوں سے ہمارے دو رشتے ہیں پہلا اخوت دینی کا کہ وہ بھی مسلمان ہیں اس لئے خدا نے ہمکو ہمیشہ کے لئے اُن کے رنج و راحت کا شریک بنا دیا ہے دوسرا اس سے بھی قوی تر رشتہ قرابت دینی اور اسلام کے آخری سیاسی مرکز ہونیکا کہ آج کلمۂ اسلام کی حفاظت کی آخری تلوار صرف اُنکے ہاتھ میں ہے اگر کسی اور حصہ کے اسلام کی حکومت مٹتی ہے تو ہم روتے ہیں کہ ہمارا ایک عضو کٹ گیا لیکن ترکوں پر جب کوئی آفت لائی جاتی ہے تو تڑپ جاتے ہیں کہ ہمارا دل دونیم ہو گیا ہم جب ترکوں کے لئے مضطرب ہوتے ہیں تو ہمارا اضطراب مسلمانوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے لئے ہوتا ہے۔''

موجودہ زمانہ میں احیائے اتحاد اسلامی کی دنیائے اسلام میں کوشش بلیغ کی جا رہی ہے لیکن یہ کوششیں براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہیں اگر بجائے مسلم لیگ جمعیت خلافت ۔ انجمن اتحاد ترقی وغیرہ کے جمعیت اتحاد اسلامی ہر دیار و امصار میں قائم کیجائے تو زیادہ مناسب ہو اور اتحاد اسلامی میں کافی ترقی ہو جائے جو خلافت کا اصل الاصول ہے۔

مذہبی حکومت کی خصوصیات

عموماً مذہبی سلطنتوں کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہوتی ہیں

(۱) مذہب اور قانون عموماً مخلوط ہوتا ہے۔ اور مذہبی عنصر غالب ہوتا ہے اور حیات بعد ممات کا خیال واثق اتنا غالب ہوتا ہے کہ

(الف) بعض اوقات عیسائی حکومتوں کی طرح مذہب کی آڑ میں عوام کو دنیاوی ترقی کا

موقع نہیں ملتا اور تحقیقات سائنس و قانون کی ترقی محدود ہو جاتی ہے۔

(ب) اور بعض آزاد خیال مذاہب (مثلاً اسلام) مذہبی جمہوریتوں کے قیام کا باعث ہوتے ہیں اور دنیاوی ترقی کو دینی ترقی کا ایک جزو لاینفک سمجھا جاتا ہے۔

(۲) علاوہ اسلامی سلطنتوں (جس میں شرک کی قطعی گنجائش نہیں) مذہبی حاکم کی طاقت کو مافوق الانسان اہمیت دیجاتی ہے۔ اور تمام سیاسی اور اجتماعی زندگی کا اسی پر انحصار ہوتا ہے۔ اور رعایا کا حاکم میں انسانی تعلق نہ ہونے کی وجہ سے قومی اتحاد اور وطن پرستی نہیں پیدا ہوتی۔ اور حاکم کی شان نہایت ارفع اور اعلیٰ سمجھی جاتی ہے حتیٰ کہ اُسے خدا کا نائب یا دیوتا سمجھنا شروع کیا جاتا ہے

(۳) ایسی حکومتوں میں جو وقتی ضروریات کے لحاظ سے تبدیل قوانین نہیں کر سکتیں اور مثل یہودیوں کے ایک آسمانی کتاب (توریت) پر عمل ہوتا ہے قانون کی ترقی ناممکن ہو جاتی ہے اور سلطنت ایک خاص درجہ سے آگے ترقی نہیں کر سکتی بخلاف اسکے مسلمان اگرچہ آسمانی کتاب (قرآن) پر عمل پیرا ہوتے ہیں مگر اُنکو اس امر کا اختیار ہے کہ اگر امت کثیر تعداد میں کسی مسئلہ پر (جو اخلاقیات و مذہب کے خلاف نہو) اجماع کرے تو نیا مسلک اختیار کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی اور نظام عمل زمانہ کے لحاظ سے تبدیل ہو سکتا ہے

(۲) تعزیری سزائیں نہایت سخت ہوتی ہیں اور عموماً معمولی جرائم بھی خدائی قانون کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے سخت سزاؤں سے روکے جاتے ہیں۔

عموماً تعلیم مذہبی پیشواؤں اور پجاریوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے اور علوم وفنون کو اسی حد تک ترقی دیجاتی ہے جہاں تک کہ اُن کا فائدہ مدِنظر ہوتا ہے اُن کی قدر و عزت اس وجہ سے نہیں کیجاتی کہ انسانی دماغ کے ماحصل ہیں۔ بلکہ مذہب کی خدمت کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں۔

مقالہ سوم حکومت شاہی

دنیا میں زیادہ تر ایسی سلطنتیں ہیں جو شاہی حکومت کے ماتحت ہیں۔ ابتدائے عالم سے اس وقت تک اسی قسم کی سلطنتیں موجود رہی ہیں۔ لیکن شاہی حکومتوں کی اقسام اتنی جداگانہ ہیں اور انکی اشکال اتنی مختلف ہیں کہ ان کی باقاعدہ تقسیم اور خاص قسموں کی تنظیم نہایت دشوار ہے۔

مطلق العنان شخصی حکومت

ایشیا میں مطلق العنان شخصی حکومتوں کا زور تھا۔ مذہبی حکومت جب شاہی حکومت میں تبدیل ہوتی ہے تو اکثر حکومت مطلق العنان قائم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی حکومت میں عموماً بادشاہ کا درجہ مافوق الانسان سمجھا جاتا ہے اور وہ رفتہ رفتہ اپنے اختیارات کو مطلق العنانی کے ساتھ استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ مطلق العنان حکومت شخصی کی شناخت یہ ہے کہ کل حقوق اور طاقت کا مرکز بادشاہ بنجاتا ہے اور کسی شخص کو بادشاہ کے خلاف نہ تو کوئی حق اور نہ آزادی عمل کا اختیار رہتا ہے۔ بادشاہ بذات خود مذہبی یا اخلاقی فرائض اور حدود کو مانکر انکا رواج دے سکتا ہے لیکن اُس کی قوت میں دخل دینے یا اُسے محدود کرنیکا حق رعایا کو نہیں ہوتا۔ رعایا مثل غلاموں کے سمجھی جاتی ہے اور اُن کی جان و مال کا مالک صرف بادشاہ ہوتا ہے۔

ایسی مطلق العنان حکومتیں عموماً اپنی قوت کا جواز خدا کی طرف منسوب کرتی ہیں اور بادشاہ کو عوام الناس ظل اللہ یا دیوتا وغیرہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اس

قسم کی حکومتیں زیادہ تر مذہبی حکومتوں سے مشابہ ہوتی ہیں اور اس میں وہی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو عموماً مذہبی حکومتوں میں ہوتی ہیں۔ چنگیز خاں۔ نادرشاہ وغیرہ کی حکومتیں ایسی ہی تھیں۔

مہذب سلطنت شاہی | شخصی حکومت عموماً غیر مہذب شاہی حکومتوں کو کہتے ہیں۔ وہ اقوام جو آریہ نسل سے ہیں۔ اس قسم کی حکومت کو نہایت قدیم زمانہ سے پسند کرتی ہیں۔ اور بادشاہوں و شاہزادوں کے حقوق کے ساتھ ساتھ مختلف جماعتوں اور افراد کے حقوق کو بھی مانتی ہیں اور رعایا کو اتنا ذلیل نہیں سمجھتیں کہ مثل غلاموں کے سمجھیں بلکہ اُنکو آزاد سمجھا جاتا ہے۔ اور جب کبھی ایسا اتفاق ہوا ہے کہ شاہی حکومت کا طرز عمل بدلکر شخصی حکومت کی طرف رجوع ہوا تو رعایا نے اس کو ناانصافی اور ظلم سمجھکر جہانتک جلد ممکن ہوسکا بادشاہ کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اُن کے حقوق کی عزت کرے۔ لہذا مہذب سلطنت شاہی بہ نسبت شخصی حکومت کے بہت زیادہ محدود ہوتی ہے اور رعایا کے مجموعی جذبات سے مؤثر ہوکر مطلق العنانی سے باز رہتی ہے۔ اس قسم کی حکومت میں بادشاہ کا درجہ زیادہ بلند ہوجاتا ہے۔ چونکہ بہ نسبت غلاموں اور بے وقوفوں کی حکومت کے آزاد اور عقلمند انسانوں کی حکومت زیادہ معزز اور قابل تعریف ہے کسی قوم کے افراد جتنے زیادہ آزاد ہوکر اپنی قوتوں اور طاقتوں کو اتحاد عمل کے ساتھ کام میں لائیں اتنا ہی اُسکا انتظام زیادہ مکمل اور زیادہ منطقی ہے۔ مہذب سلطنت شاہی میں اس قسم کی آزادانہ ترقی ممکن ہے جیسا کہ

ہندوستان کی شاہی سلطنتوں میں رعایا کو آزادی عمل حاصل تھی لیکن یہ ترقی شخصی حکومتوں میں اکثر ناپید ہوتی ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ افراد قوم بادشاہ کے اصولوں سے اسوقت تک متحد نہیں ہوتے جب تک کہ وہ آزاد نہ ہوں اور جب اتحاد عمل نہیں ہوتا تو ترقی کا مسدود ہو جانا ضروری ہے

ازمنہ مختلفہ میں انسانی دماغ نے اکثر یہ کوشش کی ہے کہ مختلف اقوام میں شاہی حکومت کی۔ اُن حدود کو دریافت کرے جو اسپر عاید ہونی ضروری ہیں

پدری بادشاہی

ان میں سے ایک نہایت ہی قدیم طرز سلطنت۔ پدری بادشاہی ہے۔ بادشاہ (یا راجہ) خاص خاندان کا سردار مانا جاتا ہے۔ اور وہ نسل کا بزرگ یا باپ سمجھا جاتا ہے۔ یہ طرز حکومت جو ہندوستان قدیم اور جرمن قبیلہ کونگ میں پایا جاتا تھا اور اُن تعلقات اور رسوم کے زیر عمل قائم رہتا تھا جو کسی ایک خاندان کے قیام کے لئے ضروری تھی اسی طرح ذاتی مال اور ذاتی سلامتی و حفاظت کے متعلق ازمنہ وسطی میں وہ پادشاہت تھی جو یا تو مقاطعجی صورت میں ہوتی تھی یا نوابی و تعلقہ داری کی صورت میں۔ اس طرز حکومت میں خاندانی حقوق اور نسلی خیالات کا اثر مثل مندرجہ بالا طرز حکومت (یعنی پدری بادشاہی) کے غالب ہوتا ہے لیکن اسمیں نئی بات یہ ہوتی ہے کہ سلطنت (یا بادشاہ) کا قبضہ زمین اور مال پر بھی ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا دو اقسام حکومت ایسے ہیں کہ اُن میں سیاسی حس کا نشوونما پورے طور پر نہیں ہوا۔ اور انکو بادشاہی حکومت کے غیر مکمل درجوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ فوجی حکومت شاہی حکومت شاہی متعلق بہ قضاۃ

حکومت شاہی میں جب سیاسی بیداری درجۂ کمال تک پہنچتی اور حکومت کے صرف ایک شعبہ پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے تو اس وقت یکطرفہ بادشاہی حکومت کا ظہور ہوتا ہے۔ اس قسم کی سلطنتوں میں دو قسمیں قابل ذکر ہیں:۔

(الف) فوجی حکومت اس سلطنت میں فوجی یا جنگی قوت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور اسی پر حکومت کی بنا ہوتی ہے۔ یہ حکومت زیادہ مطلق العنان اور زوردار ہوتی ہے۔ اسکی مثال کوروں اور پانڈوں کی حکومت ہندوستان قدیم میں تھی۔ یا ایران قدیم میں اس قسم کی سلطنت قائم تھی جس میں جنگی عنصر غالب ہوتا تھا اور بادشاہ یا تو خود پہلوان ہوتا تھا یا فن سپہگری میں کامل ہونے کی وجہ سے سپاہیوں کا سردار مان لیا جاتا تھا۔

(ب) حکومت متعلق بہ قضاۃ۔ ایسی حکومت میں قاضی یا منصف کی حکومت ہوتی ہے۔ یہ طرز حکومت زیادہ محدود اور پُر امن ہوتا ہے۔ یہ طرز حکومت حضرت موسیٰ کے بعد فلسطین میں قائم ہوا۔ اور تقریباً چار سو برس تک قائم رہا جہیں قاضی حکومت کرتے تھے۔ یہ حکومت کسی قدر مذہبی حکومت بھی ہوتی تھی۔

۴۔ مہذب مطلق العنان حکومت شاہی

جب بادشاہ میں سیاسی بیداری درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے اور مرکزی قوت اُسکے ہاتھوں میں آجاتی ہے تو رعایا کے سیاسی حقوق باقی نہیں رہتے غیر مہذب مطلق العنان حکومت شخصی کے مقابلہ

میں یہ مہذب مطلق العنان حکومت ہوتی ہے لیکن اسکا فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ بادشاہ کے ماتحت محکمہ قضاءت قائم ہوتا ہے اور وہ اس محکمہ کی عزت و وقعت کو برقرار رکھتا ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ حکومت زیادہ مطلق العنان تھی مگر موجودہ زمانہ میں یہ طرز حکومت زیادہ محدود ہو گئی ہے

۵۔ محدود حکومت شاہی

شاہی حکومت کی مختلف قسموں میں محدود حکومت زیادہ معزز اور بہتر ہوتی ہے۔ اس میں دو باتیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ مرکزی قوت کا اتحاد اور اُسکی بزرگی قائم رہتی ہے اور دوسرے یہ کہ قوم کے جملہ طبقات و جماعات و افراد کی آزادی مرکزی قوت سے وابستہ رہتی ہے گذشتہ زمانہ میں یہ حکومت امرا اور طبقات خصوصی کے حقوق کی وجہ سے محدود ہو جاتی تھی۔ موجودہ زمانہ میں اصول نمائندگی اور آئینی صورتوں نے اس حکومت کو محدود کر دیا ہے اس قسم کی مثال موجودہ زمانہ میں سلطنت برطانیہ اور جاپان وغیرہ سے دی جا سکتی ہے۔

۶۔ بادشاہی اور شہنشاہی

بادشاہی حکومتوں کے ساتھ ساتھ ہمیں شہنشاہی حکومت کو دیکھنا ضروری ہے۔ بادشاہی حکومت کا تخیل قومیت وا حد سے متعلق ہے شہنشاہیت کا تعلق انسانیت سے ہے۔ بادشاہی حکومت صرف ایک ملی سلطنت کا اعلیٰ ترین نظام ہے شہنشاہیت تمام دنیا کا بہترین نمونہ حکومت ہے جس طرح مختلف ملتوں کا درجہ انسانیت کے درجہ سے کم ہے اسی طرح بادشاہت

کا درجہ شہنشاہیت سے کم ہے۔ شہنشاہ کا تخیل بحیثیت ایشیائی اقوام میں یہی رہا ہے کہ وہ کئی بادشاہوں کا بادشاہ ہوتا ہے لیکن اس تخیل کی تکمیل اسوقت تک پورے طور سے نہیں ہو سکتی جبتک کہ دنیا نظام انسانیت کی درستگی میں عالمگیر ترقی نہ کر لے۔

موجودہ زمانہ میں شہنشاہیت نے اپنی بنیاد انسانیت پر رکھنے کے بجائے خود غرضی پر رکھی ہے۔ اور مرکزی حکومت یعنی شہنشاہی قوت کا اب صرف یہ کام رہ گیا ہے کہ اُن ملکوں پر قبضہ کیا جائے جہاں سے اُنکو خام اشیاء مل سکیں اور جن کی صورت بدل کر وہ پھر اُن ہی ملکوں میں دس گنی اور بیس گنی قیمت پر فروخت کر سکیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے محکوم اقوام کو ایسی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کیجاتی ہے اور ہر ظلم کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ جو زمانہ قدیم کی وحشی سے وحشی قوم بھی ہرگز جائز نہ رکھ سکتی۔ بہرحال ہم شہنشاہیت کے روشن و تاریک پہلوؤں پر آئندہ بحث کریں گے۔ اس وقت صرف اتنا جان لینا کافی ہے۔ کہ شہنشاہیت کی بنیاد اگر انسانیت پر نہ ہو تو وہ نہایت ذلیل سبعیت و درندگی و خود غرضی کا نمونہ ہوگی۔

مقالہ چہارم - آئینی حکومت شاہی

(۱)

آئینی حکومت موجودہ زمانہ میں نشو ونما پاکر ایشیا و یورپ کے اکثر ممالک میں نہایت مقبول ہوئی ہے۔ حکومت مطلق العنان کا نام و نشان دنیا سے تقریباً مفقود ہو گیا ہے لیکن اس کی ابتدا آج سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اور زمانہ قدیم و زمانۂ وسطیٰ میں بادشاہ کی طاقت کبھی نہ کسی قوت سے محدود ہوتی تھی۔ اکثر اوقات نہایت ہی جابر و ظالم بادشاہ بھی اپنے ظلم کے خوف اور اسکے اثرات و انقلاب کے ڈر سے ایسی حکومت کرتا تھا جسمیں ایک فریق کثیر اُس کا ہمنوا ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ حکومت الاشراف کی بنا پڑی اور بادشاہ کی طاقت امرا میں تقسیم ہو گئی۔ یا شاہی قوت و اقتدار امرا کے اثر سے محدود ہو گیا۔ ایسی صورت میں رعایا کی بہبودی کا خیال کم ہو گیا۔ اور سلطنت کی وحدانیت و یکرنگی غائب ہو گئی۔ اسکے بعد دوبارہ ملی اتحاد کی روح پیدا ہوئی اور موجودہ جمہوری اور آئینی حکومتوں کا دور شروع ہوا۔

انگلستان میں آئینی حکومت کی ابتدا

آئینی حکومت کی ابتدا انگلستان سے ہوئی۔ یورپ کے کسی ملک میں بادشاہوں کو اتنی قوت حاصل نہ تھی جتنی انگلستان میں زمانہ وسطیٰ میں تھی۔ مگر حق یہ ہے کہ امرا اور عوام کے حقوق کی نگہداشت بھی کسی ملک میں انگلستان سے زیادہ ہمت و مضبوطی سے نہیں کی گئی۔ تیرہویں صدی کے وسط میں امرا نے یہ کوشش کی کہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں اسکا نتیجہ ہوا کہ دارالعوام کی بنیاد پڑی اور قصبوں سے وکلا کا انتخاب شروع ہوا۔ دوسرا انقلاب ۱۶۸۸ء میں ہوا جس کی وجہ سے آئینی حکومت شاہی قائم ہوئی۔

آئینی حکومت کی خصوصیات

آئینی حکومت کل تمام سلطنت کا مجموعہ ہے۔ یہ حکومت بڑے سے بڑے اختلاف کو قائم رکھتے ہوئے سلطنت کے اتحاد و یکرنگی کو قائم رکھتی ہے۔ اگرچہ امرا (اشراف) کو اپنی سلطنت میں اپنی قوتوں کے استعمال میں کامل آزادی ہوتی ہے۔ تاہم عوام کے جذبہ حریت و جمہوریت پر کوئی دست اندازی نہیں کیجاتی۔ قانون کی اتنی وقعت و عزت کیجاتی ہے کہ گویا انسان نہیں بلکہ خدا براہ راست حکومت کر رہا ہے لیکن کل قوتیں بادشاہ کے اثر میں رہکر اپنے اپنے جائز تعلقات کو قائم رکھتی ہیں جو نظام سلطنت کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔

یورپ

یورپ کی آئینی سلطنتوں پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کی بادشاہی حکومت ایک مضبوط امرا کی طاقت سے محدود ہے اور زیادہ تر پارلیمنٹ کی کثرت پر بادشاہ کو عمل کرنا پڑتا ہے لیکن روز بروز مزدوری کا پیشہ

جماعت کی قوت بڑھتی جاتی ہے اور غالباً جلد امراء کی قوت کا زوال ہو جائیگا۔ باقی یورپ میں (جسے عموماً براعظم کہتے ہیں) اتنی مضبوط اور معزز جماعت امرا نہیں ہے یہاں جمہوری عنصر زیادہ غالب ہے اور روز بروز ہوتا جاتا ہے۔ جنگ کے بعد سے روسی حکومت اشتراکی اور مشرق قریب کے اثر سے کل سلطنتیں آئینی یا جمہوری ہو گئی ہیں اور ہر ایک سلطنت اپنے رقیب کو زیر کرنے کی فکر میں ہے۔ جذبہ ملی کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور نمائندگان و وکلائے قوم پر رائے عامہ کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ اشتراکی ریشہ دوانیاں نہ صرف ہر ملک میں جاری ہیں بلکہ اسکا اصل الاصول عملاً روسی حکومت نے جاری کر کے ایسی حکومت کا منطقی اور عقلی ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اور اب جمہوریت سے بتدریج اشتراکیت کی طرف میلان شروع ہو گیا ہے۔ عوام کی طاقت کا اس سے بہتر اور ثبوت نہیں ہو سکتا۔

افریقہ افریقہ میں مراکش کے اعراب نے سخت کشمکش کے بعد ہسپانیوں سے گلو خلاصی کی ہے۔ اور جمہوری حکومت کا قیام کرنا چاہا ہے۔ باقی اور ممالک افریقہ یورپ کی شہنشاہیت پسند سلطنتوں کے ماتحت ہو کر ان کی تجارتی غلامی میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ مگر امید کیجاتی ہے کہ عرصہ دراز کے بعد جب نو آبادیوں میں سفید اقوام کے اثر سے جمہوریتوں کا قیام ہو تو شاید سیاہ باشندوں کو بھی کچھ آزادی مل جائے۔

ایشیا ایشیا میں ایک عام بیداری ہو گئی ہے اور صبح امید طلوع ہو چکی ہے۔

سوائے اُن ممالک کے جو یورپین اقوام کے زیر حکومت ہیں ہر ملک میں یا تو آئینی حکومت قائم ہوگئی ہے یا جمہوریت کا علم بلند ہو چکا ہے۔ اور ترکوں اور اشتراکیوں کے نصب العین کے مطابق بہت جلد عالمگیر مغربی اثرات سے نجات ملنے والی ہے۔

امریکہ | امریکہ میں ممالک متحدہ کی وجہ سے جمہوری حکومت بہت زیادہ مقبول ہوگئی ہے۔ اور ہر ملک میں اس قسم کی حکومت قائم ہونے کی وجہ سے انسانی ترقی میں کافی مدد مل رہی ہے مگر افسوس ہے تو یہ کہ سیاہ اور سرخ نسل کے اصلی باشندوں کو ابتک بہت کم حقوق آزادی دیئے گئے ہیں اور بعض ممالک میں اُن کو قطعی مٹا دیا گیا ہے۔

(۲)

حکومت آئینی کے متعلق غلط خیالات

غلطیاں | تقریباً ہر مہذب سلطنت نے آئینی حکومت شاہی کو پسند کرلیا ہے اور حکومت مطلقہ یا کمزور اور غیر متحدہ سلطنتوں پر اس طرز حکومت کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس وجہ سے اس نظام حکومت کے بنیادی اصولوں کو بیان کرنا نہایت ضروری ہے لیکن پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم کچھ غلطیوں اور مغالطوں سے جو اس مضمون سے متعلق ہیں بچ جائیں۔

۱۔ بادشاہ صرف قوتِ اجرائی رکھتا ہے | انقلاب فرانس نے روسوں کے اس تخیل کو نمایاں کردیا کہ سلطنت میں دو قوتیں ہوتی ہیں۔ (۱) قوتِ

ارادی یا قانون سازی کی قوت اور (۲) جسمانی قوت یا قوتِ اجرائی نیز اسمیں آئینی حکومت کا اصول یہ سمجھا جاتا تھا کہ رعایا ارادہ کرتی ہے اور بادشاہ اُس ارادہ کا اجرا کرتا ہے۔ اسی خیال نے رعایا کو بادشاہ کے خلاف کھڑا کر دیا اور بادشاہی حکومت کو قطعی رعایا کی خواہش کے تابع فرمان بنا دیا۔ بخلاف اسکے اگر بادشاہ کی قانون سازی کی قوت کو رعایا کی قوت ارادی کے برابر درجہ دیا جائے تو ایسی صورت میں ایک حکومت دوگونہ قائم ہو جاتی ہے۔ جو سلطنت کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور یا تو صرف سلطنت شاہی قائم رہسکتی ہے یا جمہوریت باقی بچ جاتی ہے۔

۲۔ بادشاہ مجہول محض ہے — اس خرابی کو دور کرنیکے لئے سائیس نے ایک نئی تجویز پیش کی کہ آئینی نظام کی بنیاد اس پر رکھی جائے کہ بادشاہ مجہول محض سمجھا جائے۔ نپولین نے جو پیدائشی بادشاہ تھا اس اصول کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ ایک معزز اور عقلمند انسان کس طرح گوارا کرسکتا ہے کہ ایک ناپاک جانور کی طرح بیس لاکھ آدمیوں کی دولت پر پرورش پائے۔

۳۔ شاہی قوت کا استعمال وزراء کے ہاتھ میں ہے — ایک اور عام اصول یہ بتایا جاتا ہے کہ بادشاہ حکومت کرنے کا حق رکھتا ہے لیکن اس طاقت کا استعمال وزرائے سلطنت کے ہاتھ میں ہے۔ بعض ممالک میں یہ تعلق قائم رہ چکا ہے اور اب تک ہے لیکن اگر یہ اصول مستقل طور سے مانا گیا تو ایک زمانہ وہ آئیگا کہ بادشاہ کو مستعفی ہونا پڑیگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر وہ بادشاہ ہیں کا حق ...

اپنی طاقت استعمال کرے اس سے مستقل طور سے محروم کر دیا جائے اور دوسرے لوگ اس طاقت کو استعمال کریں تو یقیناً بادشاہ کی طاقت ان اشخاص کے ہاتھ میں بہت جلد چلی جائیگی جو اسکو استعمال کرتے ہیں جب حکومت کی اصلی قوت اس طرح منتقل ہوکر وزرا کے ہاتھ میں ایک دفعہ چلی جاتی ہے تو وہ بادشاہ صرف نام کا بادشاہ رہجاتا ہے۔

۴۔ بادشاہ کا ذاتی طرز عمل غیر ضروری ہے

لہٰذا یہ کہنا کہ آئینی حکومت میں بادشاہ کا ذاتی طرز عمل غیر ضروری ہے قطعی مہمل ہے اور یہ کہ اُس کی ہستی کا ہونا یا نہ ہونا اُس کا عقلمند ہونا یا کم عقل ہونا نیک طینت ہونا یا بدمعاش ہونا سلطنت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا مگر آئینی حکومتِ شاہی کا مقصد یہ ہے کہ بادشاہ جہانتک ممکن ہو کم مضرت رساں ہو اور زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے انھیں معنوں میں اُس کی طاقت محدود سمجھی جاتی ہے نہ کہ وہ صرف وزرا کے ہاتھ میں مثل ایک کٹھ پتلی کے ہو۔ یہ نہایت بیہودگی ہے کہ سلطنت کے اعلیٰ حاکم کو سب سے کم سیاسی آزادی دیجائے۔ ایسے نام نہاد بادشاہ سے نہ تو لوگ محبت کر سکتے ہیں اور نہ اظہار وفاداری۔ اس اصول کے ماننے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسا مخبوط الحواس بادشاہ تخت نشین ہو کہ جسمیں نہ تو عقل ہو اور نہ ذاتی قوتِ ارادی پائی جائے۔ کیا اس قسم کی سلطنت زندہ ملتوں کی خواہشات کو پورا کر سکتی ہے؟

۵- بادشاہ سلطنت کرتا ھے مگر حکومت نہیں کرتا	یہ ایک مشہور کلیہ ہے کہ بادشاہ سلطنت کرتا ہے مگر حکومت نہیں کرتا۔ آئینی حکومت کے

لئے بھی یہ کلیہ سراسر غلط ہے۔ لفظ "سلطنت" سے یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ بادشاہ عظمت اور شان کا حق رکھتا ہے اور لفظ "حکومت" سلطنت کی حکمت عملی کے عاملانہ شعبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ دونوں حقوق سلطنت کے اعلیٰ حاکم کے لئے مخصوص ہیں اگر حق حکومت سے وہ محروم کر دیا جائے تو گویا وہ ایک بُت بیجان ہے۔

۶- بادشاہ کو جمہور کی رائے پر عمل کرنا چاہئے	دوسرے لوگوں نے رعایا کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہوئے اس اصول کو مانا ہے کہ آئینی حکومت میں

بادشاہ کو رعایا کی کثرت رائے کا لحاظ رکھکر حکومت کرنا ضروری ہے۔

ایسی حکومت جسمیں رعایا کی کثرت رائے پر حکومت ہو جمہوری حکومت کہتے ہیں ایسی صورت میں بادشاہ کا وہ حق چھن جاتا ہے جو شاہی حکومت کے لئے قائم تھا بادشاہ کا یہ حق اور فرض ہے کہ وہ قلیل التعداد جماعت کی حفاظت کثیر التعداد طبقہ کی بیجا دست درازیوں سے کرے اگر بادشاہ اپنی رعایا کی کثرت رائے پر عمل کرنا شروع کر دے تو ایسی صورت میں بہت جلد وہ زمانہ بھی آسکتا ہے جب وہ اپنے حقوق سلطنت سے اُن کی رائے کی خلاف ورزی کرنے پر برطرف کر دیا جائے۔

(۳۱)

اصول شاہی کا آئینی حکومت شاہی سے تقابل

آئینی حکومت حقیقی حکومت ہونی چاہئے نہ یہ کہ صرف اس حکومت کا

ایک خاکہ ہو۔

شاہی سلطنت کی خصوصیات

شاہی حکومت کا مقصد یہ ہے کہ سلطنت کی عزت و شان کو فرد واحد میں جمع کر دے مذہبی حکومت سے اسکا فرق یہ ہے کہ یہ حکومت کرنے کے حق کو بادشاہ کی طرف منسوب کرتی ہے بجائے اسکے کہ خدا کے کسی نمائندے کی طرف منسوب کرے جمہوری حکومت سے اس کا یہ فرق ہے کہ اس میں رئیس الجمہوریہ اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے آپکو امرا یا عوام کا خادم یا نمائندہ سمجھے بخلاف اسکے بادشاہ ان قوتوں کا محکوم نہیں ہوتا بلکہ ایک آزاد حاکم ہوتا ہے (جمہوری حکومت میں سیاسی قوت کا اظہار مجموعی حیثیت سے ہوتا ہے) اور بادشاہی حکومت میں انفرادی حیثیت سے بادشاہ گویا سلطنت کی روح سمجھا جاتا ہے اس تخیل میں دو پہلو ہیں جن کا بادشاہ میں ہونا ضروری ہے۔

(۱) سلطنت کے حاکم اعلیٰ کی ذاتی عظمت بحیثیت نمائندہ واحد اور قوت اعلیٰ کے استعمال کنندہ کے ہوتی ہے

(۳) سلطنت کی قوت اعلیٰ اور اعزاز کا بادشاہ میں مرکوز ہو جانا ضروری ہے
مندرجہ بالا خصوصیات کی مفصل کیفیت حسب ذیل ہے:۔

(۱) اول الذکر اصول کے ساتھ مندرجہ ذیل باتیں بھی ملائی جا سکتی ہیں۔

(الف) بادشاہ کو قوم کے دیگر عناصر کی نمایندگی سے قانون سازی میں رو کا جا سکتا ہے۔

(ب) بادشاہ کو اپنے حقوق اور فرائض کی ادائیگی وزرا کے مشورہ سے کرنے پر زور دیا جا سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس طریقے سے اس کا کام آسان ہو جاتا ہے اور اس کی قوت کو زوال نہیں ہوتا لیکن یہ اصول بالکل اس خیال کی ضد ہے جس میں

(الف) بادشاہ کو صرف ایک کٹھ پتلی سمجھا جاتا ہے اور زندہ ہستی نہیں سمجھا جاتا؛ یا۔

(ب) بادشاہ قومی نمایندگان اور وزرا کا ماتحت سمجھا جاتا ہے اور جس میں اسکو اپنی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ سلطنت کی اعلیٰ قوت بادشاہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے لہذا اسکو اپنی آزادی اور ذاتی حقوق کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ بادشاہی سلطنتوں میں بادشاہ کی بیدار مغزی اور محنت پر سلطنت کا انحصار ہوتا ہے اور یہ عجیب اور بیہودہ بات ہو گی اگر اسکو اعلیٰ ترین حقوق دیکر دوسروں کی رائے کی محتاجی میں

رکھا جائے۔ وزراء بادشاہی احکام کی قوت نفوذ کو نہیں بڑھا سکتے بلکہ اُنکو خود بادشاہ سے اس قسم کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور بادشاہ کے زیر حکم کام کرنا اُنکا فرض ہوتا ہے۔ جبتک آئینی طور پر بادشاہ کو وزرا کی رائے پر عمل کرنے پر مجبور نہ کر دیا جاوے وہ اپنی آزادانہ رائے دیکر اُسپر آزادی سے عمل پیرا ہوسکتا ہے۔ بخلاف اس کے آئینی بادشاہ بذات خود نہ تو قانون بنا سکتا ہے اور نہ بغیر وزراء اور مجلس وکلاء کی رائے کے حکومت کرسکتا ہے۔ تاہم آئینی بادشاہی میں بادشاہ اگر اپنے فرائض ادا کرنا چاہے تو وہ وزرا کے مشوروں اور مجلس وکلا کے فیصلوں کو قومی بہبودی کے نقطۂ نظر سے دیکھکر اپنی ذاتی رائے دے سکتا ہے اور کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اُسے جھوٹ بولنے پر یا اپنے جذبات کے خلاف رائے دینے پر مجبور کرسکے۔

آئینی بادشاہوں کی قوت اور حقوق

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ بادشاہ کا وقار اور سلطنت میں اُس کی قوت سب سے اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہیئے اس اصول سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوسکتے ہیں۔

(الف) آئینی بادشاہی متفرق حقوق کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ بادشاہی کے کل حقوق اُس میں بدرجۂ اتم اس طرح موجود ہوتے ہیں کہ گویا ایک ہی مطلق العنان شاہی حکومت نہ تو حقوق حکومت نہ آزادی عمل کو کسی سیاسی مجلس کے سپرد کرسکتی ہے۔ آئینی حکومت کا طرز عمل اسکے خلاف ہوتا ہے اور وہ سیاسی مجالس اور رعایا کی آزادی کو تسلیم کرتی ہے

(ب) بادشاہ قانون سازی میں شریک ہوتا ہے جو عموماً قانون کے مقصد کے لحاظ سے ہمیشہ اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہے۔ اور کل قوانین اُسکے نام سے جاری کئے جاتے ہیں۔

(ج) حکومت کا مرکز بادشاہ ہوتا ہے۔ اور یہ حق صرف بادشاہ کا حق سمجھا جاتا ہے اور اُسی کے نام سے حکومت کیجاتی ہے۔

آئینی بادشاہی میں وزرا اور دیگر عمال اپنے نام سے حکومت نہیں کر سکتے اور اُن کی کل طاقت اور حقوق بادشاہی قوت سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اور ان حقوق کو وہ لوگ صرف سلطنت کے اغراض کو پورا کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ اگرچہ بادشاہ بغیر اُنکی رائے اور مشورہ اور اتحاد عمل کے حکومت نہیں کر سکتا گویا حکومت مرکز سے شروع ہو کر دائرہ کی طرف کھینچتی ہے یعنی بادشاہ سے درجہ بدرجہ نیچے تقسیم ہوتی ہے اور کل ارکان حکومت بادشاہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ آئینی شاہی حکومت مطلقہ کو نہیں کہتے۔ یہ حکومت ملت و ملک کے اعتبار سے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ لہذ صرف انگریزی حکومت کو بہترین آئینی حکومت تصور کر کے نتائج اخذ کئے جائیں تو سخت غلطی ہوگی

آئینی بادشاہی کی عام خصوصیات مندرجہ ذیل خصوصیات ہر قسم کی آئینی سلطنتوں میں پائی جاتی ہیں۔

(۱) بادشاہ کی عظمت و قوت آئین سے محدود ہوتی ہے اور بادشاہ آئین

سے بالاتر نہیں ہوتا بلکہ اسکے حدود کے اندر سمجھا جاتا ہے۔ یہ کسی حد تک ضروری ہے کہ آئین صورت تحریر میں موجود ہو مگر یہ حکومت کے تخیل کے لئے ضروری نہیں ہے[۵]

آئینی بادشاہت دونوں طرح ممکن ہے۔ خواہ آئین تحریر شدہ ہو یا نہو۔ اگرچہ غیر مرقوم قانون نہایت ضروری ہوتا ہے تاہم سیاسی حقوق کا صفحۂ قرطاس پر آجانا نہایت ہی ضروری خیال کیا گیا ہے۔ اور موجودہ طرز زندگی کے لئے یہی صورت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

(۲) آئینی بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف آئین کی عزت کرے بلکہ سلطنت کے قوانین کی پابندی بھی کرے۔ وہ قانون و قواعد کے مطابق افراد سلطنت کو فرمانبرداری پر مجبور کر سکتا ہے۔

(۳) مجالس ملی کے ساتھ ساتھ پوری قانون سازی کی قوت بادشاہ کو حاصل ہوتی ہے کسی قانون کے جاری کرنے کے لئے اُن کی اجازت و مشورہ ضروری ہے

(۴) اسی طرح مالی انتظامات اور ٹکسوں کا منظور کرنا بھی مجلس وکلاء کے مشورہ اور اتحاد عمل پر منحصر ہوتا ہے۔

[۵] فریڈرک ولیم چہارم نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ بعض "آئین قرطاس" ہوتے ہیں اور اُن کا تباہ کرنا اس وجہ سے آسان ہوتا ہے کہ اُنکی بنا صرف خیال پر ہوتی ہے۔ قوم پر اُنکا انحصار نہیں ہوتا۔ تاہم تحریر شدہ آئین آئین قرطاس اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ لکھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ زیادہ محفوظ اور مضبوط ذریعہ ہے۔

(۵) حکومت اور اجرائے احکام کے لئے وزرا کا اتحادِ عمل ضروری ہے۔ لیکن کوئی بادشاہی حکم یا قانونی یا فیصلہ کسی شخص پر عاید نہیں ہو سکتا جبتک کہ بادشاہ کے دستخط کے بعد کوئی وزیر بھی اپنے دستخط ثبت نہ کرے۔

(۶) وزرا اور دیگر عہدہ دار اس نظام کے ماتحت اپنی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتے۔

(۷) محکمۂ قضا کا مجلس وکلا کے حلقہ اثر سے باہر ہونا ضروری ہے۔ اس طرح حکومت پر خاصا دباؤ پڑتا ہے۔ اور رعایا کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔

(۸) جماعات اور افراد کے نہ صرف ذاتی حقوق ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ حقوق عامہ بھی رکھتے ہیں۔ اور جس طرح شاہی حقوق محفوظ ہوتے ہیں اسی طرح رعایا کے یہ حقوق بھی چھینے نہیں جا سکتے۔

اس طرح آئینی سلطنت شاہی گویا آزاد ملت کی قومی بادشاہت ہوتی ہے۔

مقالہ پنجم حکومت الاشراف

حکومت الاشراف کا اصل الاصول۔

کہا جاتا ہے کہ حکومت الاشراف کا اصل الاصول اعتدال ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی سلطنت اُسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے جب اعتدال و آشتی سے کام لیا جاوے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رعایا کی تعداد اور اُن کی قوت حکام کی تعداد و قوت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جمہوری حکومت اس خیال سے کہ وہ محدود نہیں ہوتی اپنی طاقت کا انتہائی استعمال کر سکتی ہے۔ مگر حکومتِ اشراف رعایا کی بغاوت کے خوف سے سختی کے ساتھ ہرگز حکومت نہیں کر سکتی۔ چونکہ بغیر اعتدال کی ایسی حکومت قائم نہیں رہ سکتی لہذا عموماً ایسی سلطنتیں تنگ خیال ہوتی ہیں یعنی رفتار ترقی اور نئے خیالات کی ترویج نہایت دشواری اور دیر کے ساتھ کیجاتی ہے۔

اس بات کے ساتھ ساتھ یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ حقیقی حکومت الاشراف وہی سلطنت کہی جا سکتی ہے جس میں قوم کے بہترین افراد حکومت کریں۔ نیز یہ لوگ اخلاقی و دماغی حیثیت سے عوام سے بدرجہا بالا ہوں اگر یہ بات نہ رہے تو اُنکی قوت کا زائل ہونا اور اُن میں تکبر و رذالت کا پیدا ہونا ضروری ہے ان کے

زوال کا ایک اور سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ عوام بھی امراء اشراف کے درجہ تک پہنچ جائیں اور امرا تکبر و غرور یا نفرت و حقارت کیوجہ سے ان لوگوں کو اپنے زمرہ میں نہ شامل کریں۔ امرائے روما جس درجہ جلیلہ پر تھے اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ عوام الناس کے طبقہ سے ہمیشہ اپنی جماعت کو مضبوط کرتے رہتے تھے اور ان کو اپنے اندر شامل کر لینے میں کوئی عذر نہ کرتے تھے۔

اسکی بیگانگی و علیحدگی اکثر مہلک ثابت ہوتی ہے

تاہم یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اشراف و امرا کا طبقہ عوام سے علیحدہ اور بیگانہ وشی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے یہ ایک ایسا قصور ہے جو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ انکو حکومت کرنیکا حق صرف اس وجہ سے ملا تھا کہ وہ اتنی قابلیت رکھتے تھے کہ عوام پر انہیں ترجیح دیجائے۔ موجودہ ہندوستان میں جتنے تعلقہ داران اودھ ہیں ان میں سے شاذ و نادر کوئی ایسا تعلقہ دار ہوگا جسکے آباؤ اجداد میں سے سب سے پہلا تعلقہ دار نہایت قابل مدبر یا نبرد آزما نہ ہوا ہو۔ اسی وجہ سے وہ اتنے آدمیوں پر حکومت کرنے کے اہل سمجھے گئے۔ مگر عموماً یہ ہوتا ہے۔ کہ جماعت امرا اس صفت خاص کو جو ان کی حکومت کے جواز کے لئے ضروری ہے بھولکر صرف اس حق کو میراث کے طور پر حاصل کرتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ اتنے نالائق ہو جاتے ہیں کہ حکومت کی اہلیت باقی نہیں رہتی۔ ایسی جماعت چھوٹے پیمانہ پر اپنی حکومت قائم رکھ سکتی ہے۔ مگر جب اُن کی حکومت کا دائرہ وسیع ہو جائے تو وہ اس کام کے لئے ناموزوں ہو جاتے ہیں۔ سپارٹا اور وینس میں حکومت الاشراف

قائم تھی۔ مگر فتوحات کے ساتھ ساتھ دائرہ حکومت وسیع ہوتا گیا اور اُن کی حکومت کمزور ہوتی گئی۔ دور کیوں جائیے خود ہندوستان کے صوبۂ اودھ میں اُمرا اور جاگیردار طبقہ کے ناجائز اور متکبرانہ برتاؤ نے رعایا کو اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ ۱۹۲۰ء میں وہ اُن کی حکومت کے ناجائز دباؤ کو اپنے سروں سے اُتار کے پھینک دیں جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حکومت کی قابلیت نہ ہونے اور کارندوں پر کام چھوڑ دینے کی وجہ سے روز بروز کسانوں کا طبقہ اپنے پرانے محسنوں اور آقاؤں کو نفرت و حقارت سے دیکھنے لگا ہے۔ یہ حالت جب ہی درست ہو سکتی ہے جب عوام کو انسان سمجھکر اُنکے حقوق نہ چھینے جائیں اور امرا کا طبقہ اُنکی جماعت کو ترقی کے موقعہ بہم پہنچا کر اپنی مانند سمجھنے لگے۔

حکومت الاشراف کی قسمیں

حکومت الاشراف ایسی جماعت حکام کا نام ہے جو کسی نہ کسی خاص صفت کی وجہ سے عوام کے طبقہ سے بہتر سمجھے جاتے ہیں یہ صفت قومی خصوصیت کے اعتبار سے ہر ملک میں الگ ہوتی ہے بعض ممالک میں صرف پیدائش کے اعتبار سے یہ جماعت بنائی جاتی ہے جس میں خاندانی حقوق کا نظام حکومت پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح قابلیت و علم کی صفت کے لحاظ سے بعض جگہ علما یا کاہنوں کی جماعت اشراف بنجاتی ہے۔ اگر عمر کا لحاظ کیا جائے بہت زیادہ ضعیف اور بڈھے آدمیوں کی جماعت اشراف بنجاتی ہے قوت و فوجی قابلیت کا خیال کیا جائے تو جنگ آزمودہ اور فوجی آدمیوں

کی جماعت بنتی ہے۔ بقول حکیم سسرو "بدترین اقسام حکومت الاشراف کی یہ ہے کہ دولت و مال (خواہ وہ زمین کی صورت میں ہو یا خزانہ کی حالت میں) کے خیال سے اشراف کی جماعت بنے اور حکومت کرے"۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت اشراف میں مندرجہ بالا صفات میں سے متعدد صفات جمع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ جماعت اُس جماعت سے زیادہ قوی اور حکومت کی اہلیت رکھنے والی ہوتی ہے۔ جو صرف ایک ہی صفت کی وجہ سے حکومت کرنے اور جماعت اشراف میں شامل ہونیکی مستحق ہوئی ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسی جماعت طبقۂ عوام کی ترقی و عزّت کے دعووں کا زیادہ آسانی سے مقابلہ کرسکتی ہے۔

حکومت الاشراف کی خصوصیات (۱) ظاہری شان و شوکت

حکومت اشراف اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے ظاہری شان و شوکت سے سلطنت کی عزت قائم رکھتی ہے۔ یہ حکومت رعایا کی محبت کی اتنی پرواہ نہیں کرتی جتنا یہ چاہتی ہے کہ وہ اس کی شان و شوکت دیکھکر مرعوب ہو جائیں اور سلطنت آئین و قوت کا دبدبہ اُنکے دلوں میں بیٹھ جائے جمہوری حکومت اور حکومت اشراف میں یہ امتیاز قابل توجہ ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جمہوریت میں سلطنت اتنی پست ہو جاتی ہے۔ کہ عوام کے مساوی ہونے کی وجہ سے اُن کے دلوں سے اس کی عزت دور ہو جاتی ہے۔

۲۔ حکومت کی سختی لیکن مندرجہ بالا طرز عمل کا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اشراف اتنے مغرور اور خود پرست ہو جائیں کہ عوام اور رعایا کی ذرہ برابر بھی پروا نہ کریں۔ ایسی حکومتوں میں عموماً طبقہ ادنیٰ کے انسانوں سے ایسا حقارت آمیز سلوک کیا جاتا ہے اور ایسی سخت گیری سے حکومت کیجاتی ہے کہ اُن کی جانوں پر بنجاتی ہے۔ اس کی شہادت اہل اسپارٹا کے طرز عمل سے جو ادنیٰ طبقہ ہیلاٹس کے ساتھ تھا یا ہندوستان کے جاگیرداروں اور آئرلینڈ کے انگریز رئیسوں کے برتاؤ سے کافی دوا فی مل سکتی ہے۔ نیز جنوبی افریقہ میں ہندوستانی مزدوروں کے ساتھ اس زمانہ میں جو ذلت آمیز سلوک کیا جا رہا ہے وہ انگریز امرا کی سخت گیری کی بیّن شہادت ہے۔

۳۔ انتہائی جمود جمہوری حکومت جتنی تغیر پذیر اور قابل تبدیل ہوتی ہے اُتنا ہی حکومت اشراف سختی کے ساتھ اپنے آئین و نظام حکومت پر قائم رہتی ہے۔ جمہوریت یہ جانتی ہے کہ میری طاقت غیر محدود ہے اور اسی وجہ سے اپنے قیام کے اسباب پر غور نہیں کرتی بخلاف اسکے حکومت اشراف اپنا نظام حکومت قائم رکھنے کی غرض سے اس غلطی میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ نہایت سختی سے ہر نئی بات اور تبدیلی کو روکتی ہے چونکہ ایسی حکومتیں اپنے آئین کی سختی بلکہ تنگ خیالی سے پابند ہوتی ہیں۔ لہٰذا بمقابلہ جمہوری سلطنتوں کے عرصہ دراز تک قائم رہتی ہیں۔ یہ حکومت نئے سیاسی تجربات کو حتی الامکان کام میں نہیں لاتی۔ اور ترقی کے میدان میں نہایت آہستہ اور پھونک پھونک کے قدم رکھتی ہے۔ خاص خطروں کی حالت میں وہ فیصلہ کن طاقت کا اظہار کرتی ہے

اور کچھ عرصے کے لئے اُس کا طرزِ عمل مثل شاہی سلطنتوں کے ہو جاتا ہے۔ یہ صفت اگر اعتدال کے ساتھ موجود ہو تو قابل تعریف ہے۔ چونکہ احتیاط و حفاظت نفس کی فطرتی حس ایسے طرزِ عمل پر ہر جاندار کو مجبور کرتی ہے۔ مگر اسکا انتہائی استعمال (یعنی اعتدال کی حدود سے باہر ہو جانا) سخت خطرناک غلطی ہے۔

۴۔ موروثی حقوق | یہ حالت جمود لازمی طور پر نظام حکومت کے ہر شعبہ کو موروثی بنا دیتی ہے۔ ازمنہ وسطیٰ میں اس اصول پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ مگر موجودہ زمانہ میں اصول موروثی سے نفرت کا اظہار روز افزوں ترقی پر ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ دونوں خیال اگر حد سے تجاوز کر جائیں تو مضر ثابت ہونگے۔ دونوں میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور موجود ہے۔ آجکل نئی ضروریات اور ترقی کے لحاظ سے موروثی حقوق کے خلاف جنگ کرنا بیجا تصور نہیں کیا جاتا اور انفرادی قابلیت کے لحاظ سے وہ حقوق تقسیم کئے جانے پر اصرار کیا جاتا ہے جو خاص خاص خاندانوں کی میراث بن گئے ہیں۔ لیکن یہ سخت غلطی ہو گی اگر موروثی اصول کے قیام سے جو زمانہ حال اور زمانہ ماضی کا تعلق قائم ہے توڑ دیا جائے۔ روایات قدیم کی بجائے غیر مستقل اور کمزور تبدیلیاں پیدا کرنا اور اُن حالات کو بلا ضرورت تبدیل کرنا جو سلطنت کی پائداری کا باعث ہیں غلطی ہے۔ انگلستان میں ابتک موروثی حقوق پر زور دیا جاتا ہے مثلاً ایڈمنڈ برک کے وہ خیالات جو اُس نے "انقلاب فرانس" پر ظاہر کئے ہیں درج ذیل کرتے ہیں:-

"تم دیکھو گے کہ مگنا کارٹا کے زمانہ سے "اعلان حقوق" کے زمانہ تک نظام حکومت کا نصب العین یہ رہا ہے کہ تمہاری آزادیوں کا دعویٰ کرے اور اُن کی حفاظت کرے۔ یہ حقوق ہمارے آباؤ اجداد سے مثل میراث کے ہمارے پاس پہنچے ہیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو منتقل کر دئے جائیں گے..... ہمارا تاج بطور میراث کے ہم تک پہنچا ہے ہمارے تعلقہ دار موروثی ہیں۔ اور دارالعوام اور قوم کو حقوق۔ اور آزادیاں وغیرہ آباؤ اجداد کے لمبے سلسلے سے ورثہ میں ملی ہیں۔ نئی باتوں کی ابتدا کرنا خود غرضی اور محدود خیالات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نہ تو قوم آئندہ نسلوں کا خیال کریگی نہ گذشتہ بزرگوں کی پرواہ ہوگی۔ اسکے علاوہ انگلستان کے باشندے اسکو بخوبی جانتے ہیں کہ میراث کا تخیل اُن کی حفاظت کا بہترین اصول ہے...... یہ قدرتی طریقہ ہے..... اور اس طریقہ کو محفوظ رکھنے کی وجہ سے نہ تو ہم بالکل نوجوانی کی حالت میں رہتے ہیں نہ بالکل بڑھاپے کی حالت میں..... اس موروثی تخیل سے ہمارے سیاسی ڈھانچہ میں رشتہ داری کا عکس موجود ہے۔ جو ہمارے نظام حکومت کو ہماری خانگی باتوں سے (جن سے ہم بیحد محبت کرتے ہیں) وابستہ کرتا ہے اور قوانین کو خاندانی رشتوں سے محبت سے مربوط کر دیتا ہے"

(۵) قانون کی پابندی | سلطنت اشراف جب ہی محفوظ رہ سکتی ہے۔ جب امن اور نظام قائم رہے۔ اسی وجہ سے قانون اور قانونی ضروریات کی انتہائی حفاظت اور عزت کیجاتی ہے۔ سوائے اُس وقت کے جب اس سلطنت کی ہستی معرضِ خطر میں ہو

یہ سلطنت اس بات کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ وہ جمہوریت کے مقابلہ میں عدل و انصاف کی زیادہ قدر کرتی ہے۔ دنیا میں شاید سب سے بڑی حکومت اشراف رومیوں کی تھی اور اس کو اتفاقیہ بات نہ سمجھنا چاہیئے کہ علم قانون کی ترقی اس قوم نے اپنی سلطنت کے اثر سے کی۔ اسی طرح اہل وینس بھی سختی سے قوانین سلطنت کے پابند تھے۔

حکومت اشراف کا تنزل۔

موجودہ زمانہ میں اس قسم کی حکومت کو قطعی ناپسند کیا جاتا ہے۔ فی زمانہ یا تو جمہوری حکومتیں ہیں یا آئینی شاہی سلطنتیں باقی ہیں۔ رومتہ الکبریٰ کی حکومتہ الاشراف جمہوریت کے ترقی پذیر ہوتے ہی فنا ہو گئی۔ اسی طرح اور سلطنتیں بھی آئینی حکومتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ موجودہ زمانہ میں طبقہ امرا یا طبقہ اشراف ملت کا ایک جزو خاص سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ انکا مرتبہ بادشاہ سے کم ہوتا ہے مگر عوام سے بدرجہا بلند سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہر جگہ وہ سلطنت کے ماتحت ہیں۔ اور اگرچہ وہ بادشاہی سلطنتوں میں اعتدال اور جمہوریتوں پر دباؤ ڈال کے انکو بلند تر کر سکتے ہیں لیکن کسی سلطنت میں اُس کی قوت کو اپنے قبضہ میں کر لینے کا حق نہیں رکھتے۔

حصہ اول

مقالہ ششم سلطنت جمہوری

(الف)۔ بلاواسطہ

قدیم و جدید جمہوریت کا فرق

جمہوریت کے متعلق قدیم و جدید تخیل میں بڑا فرق ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ قاعدہ تھا کہ سلطنت سے ابتدا کی جاتی تھی اور ہر فرد واحد کی آزادی کی حفاظت اس طرح کیجاتی تھی کہ حکومت ہر شخص پر مساوی طور پر تقسیم ہوجاتے موجودہ زمانہ میں انفرادی آزادی سے ابتدا کیجاتی ہے اور سلطنت کو یہ آزادی جہانتک ممکن ہوتا ہے کمتر دینے کی کوشش کیجاتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کوشش کیجاتی ہے کہ جہانتک ممکن ہو سلطنت کی حکومت کم ہوجائے جمہوریہ قدیم ایسی سلطنت ہوتی تھی جسمیں ہر شخص براہ راست حکومت وسلطنت میں حصہ لیتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں عموماً جمہوریت کا قیام اصول نمائندگی پر ہوتا ہے۔ اور وکلائے قوم حکومت کرتے ہیں۔ لہذا یہ صاف ظاہر ہے کہ پرانے طرز کی جمہوریت نہایت چھوٹی سلطنتوں میں رائج ہوسکتی تھی۔ اور موخر الذکر طرز حکومت بڑی سلطنتوں میں قائم ہوسکتا ہے

جمہوریہ یونان قدیمہ ملک یونان نہایت چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم تھا۔ اور وہ لوگ خصوصیت سے جمہوری طرز حکومت کو زیادہ پسند کرتے تھے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یونان کی قدیم شاہی اور اشراف کی سلطنتوں میں بھی جمہوری عنصر پایا جاتا ہے۔ جو موجودہ شاہی اور رومی حکومت الاشراف سے ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ یونان کے جلیل القدر حکماء (مثل افلاطون۔ ارسطو۔ اور زنوفان) اگرچہ اس امر پر متفق ہیں کہ اتانیہ کی جمہوریت مطلقہ ناموزوں ہے تاہم جمہوریۂ معتدل کو بہتر طرز حکومت بتاتے ہیں اور اسکا نام آئینی حکومت (خاص معنوں میں POLTEI پالٹی) بتاتے ہیں[۵]۔

ہندوستان قبل اسکے کہ اتانیہ (یونان کی ایک سلطنت قدیم) کا مختصر نظام حکومت تحریر کیا جائے ہندوستان کے اُس اجتماعی نظام کا ذکر کرنا ضروری ہے جو ذاتوں کی تقسیم (ورن) کے سبب سے قائم ہو گیا تھا۔ ہر ذات کے آدمیوں کا ہر شہر و قصبہ میں خواہ وہ کسی سلطنت یا کسی راجہ کی حکومت میں ہوں الگ الگ ایک ایسا مضبوط اجتماعی نظام قائم تھا جو سلطنتوں کے عروج و زوال اور ہندوستان

نوٹ ۵ صرف ارسطو پالٹی کو ان معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ (دیکھو اخلاقیات ارسطو کتاب ۸ مقالہ اول اور سیاسیات کتاب ۳ مقالہ ۷ لیکن اس طرز حکومت کو نسبتاً بہترین سلطنت بتاتا ہے۔ افلاطون "جمہوریہ" میں حکومت جمہوری کو حکومت خواص کے بعد کا درجہ دیتا ہے لیکن (سیاسیات ۳۰۲-۳۰۳) بعد میں اپنا خیال تبدیل کر کے دو قسم کی جمہوری حکومتیں بتاتا ہے۔ ایک اچھی دوسری خراب۔ اچھی قسم کو ارسطو پالٹی کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

کے سیکڑوں انقلابوں سے بھی تبدیل نہ ہوسکا اور ابتک اُسی اُستواری کے ساتھ قائم ہے۔

الف پنچایت | اس اجتماعی نظام کا نام پنچایت ہے۔ ہر ذات کی پنچایت الگ الگ ہوتی تھی اور اگر مدعی اور مدعا علیہ دونوں ایک ہی ذات کے ہوں تو اُن کے کل سیاسی۔ اجتماعی اور تمدنی امور کا فیصلہ پنچایت پنچ کرتا تھا یہ فیصلہ قطعی ہوتا تھا اور اسکا مرافعہ کسی عدالت بالا میں نہ ہوسکتا تھا۔ اور جو سزا یا فیصلہ تجویز ہوتا تھا اسکو ذات سے اُٹھا دینے کے خوف سے جاری کیا جاتا تھا اور جو شخص اس فیصلہ کو منظور نہ کرتا تھا وہ برادری سے خارج کردیا جاتا تھا اور اُس کی زندگی اتنی تلخ ہوجاتی تھی کہ موت کو ایسی زندگی پر ترجیح دیجاتی تھی۔ اس پنچایتی انقطاع کی سیکڑوں نظیریں موجودہ زمانہ میں بھی مل سکتی ہیں۔ بنگال میں ایسور چندر ودیا ساگر نے جب بیواؤں کی شادی پر زیادہ زور دیا اور اپنے خاندان میں جاری کرنا چاہا تو اُن کی کل برادری نے اُنکو اپنی ذات سے باہر کردیا۔ اُن کی بیوی روتی تھیں اور وہ بھی اگرچہ نہایت مستقل مزاج وصابر اور ہمدرد بنی نوع انسان تھے لیکن وہ بھی اس اجتماعی انقطاع کی تکلیف کو برداشت کرنے سے قاصر تھے۔ پنچایت کا فیصلہ سلطنت کے اعلیٰ حکام مہاراجہ پر بھی جاری ہوتا تھا اور وہ بھی اس کے اثر سے باہر نہ تھا اس امر سے ایک ذات کو دوسری ذات سے بالکل علیحدہ کردیا تھا اور راجہ صرف اُنہی باتوں کا فیصلہ کرسکتا تھا جو یا تو براہ راست اُسکے منصفوں سے فیصلہ کرائی جائیں یا دو ذاتوں

کے آدمیوں میں فیصلہ کرنے کی ضرورت ہو۔ قانون بھی اسی وجہ سے ہر ایک ذات کے لئے علیحدہ علیحدہ ہوتا تھا۔

(ب) انتخاب | کسی ذات کے پنچوں (وکلا) کا کوئی باضابطہ انتخاب نہیں ہوتا۔ بلکہ عموماً ایک سرپنچ۔ چودھری۔ یا صدر بالاتفاق منتخب ہو جاتا ہے جسکا عہدہ دائمی ہوتا ہے اور ہر شخص کو جو اُس برادری یا ذات کا ہو پنچایت میں بحث کرنے اور اپنی رائے دینے کا حق ہوتا ہے۔

پنچایت کی خصوصیات | (۱) پنچایت کو امور سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ صرف اجتماعی نظام تھا جو جماعت کے اندرونی تعلقات کو ہموار کرتا تھا۔ پنچایت گویا مختلف ذاتوں کی عدالت عالیہ تھی۔ اور ہر قسم کے قانونی، مذہبی، واجتماعی معاملات کو اجتماعی انقطاع کے خوف سے فیصلہ کرکے احکام جاری کرتی تھی۔

(۲) علاوہ جسمانی سزاؤں کے جو سزائیں جرمانہ کی صورت میں دیجاتی تھیں وہ کل روپیہ ممبران پنچایت کے کھانے میں صرف کر دیا جاتا تھا اور اُس سے کوئی قومی مستقل خزانہ نہ جمع کیا جاتا تھا۔ اگر یہ روپیہ کھانے وغیرہ میں نہ صرف ہوا تو اُسکی کوئی ایسی چیز خرید کر لیجاتی تھی جس سے اُس پنچایت کو فائدہ حاصل ہو۔

(۳) پنچایت کے قیام سے سلطنت کا کام تقسیم ہو جاتا تھا اور اس طرح اندرونی انتظام میں بادشاہوں اور راجاؤں کو بہت زیادہ دقت نہ اُٹھانی پڑتی تھی اور چونکہ منصف (پنچ) مقامی واقعات سے اس وجہ سے زیادہ واقف ہوتے تھے کہ وہ

اسی مقام کے باشندہ ہوتے تھے لہذا فیصلے نہایت اعتدال وانصاف وصلح پسندی پر مبنی ہوتے تھے اور اجتماعی پیچیدگیاں بہت آسانی سے سلجھ جاتی تھیں۔

دہم، ایک ذات کی پنچایت دوسری ذات کے آدمی کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرسکتی تھی اس وجہ سے مختلف ذاتوں کی تفریق روز بروز پختہ ہوتی جاتی تھی اور رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی ہے کہ اُسکا دور کرنا اور مختلف ذاتوں کی ایک پنچایت بنانا بہت مشکل ہوگیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں بھی اگرچہ قدیم نظام پنچایت قائم ہے مگر سلطنت کی سرپرستی نہونے کی وجہ سے یہ نظام کسی قدر کمزور ہوگیا ہے اور عدالتوں اور وکیلوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ کل معاشی اور اجتماعی معاملات نہایت پیچیدہ طریقوں سے عدالتہائے انگریزی میں پیش ہوتے ہیں۔ اور پنچایت کا نظام درہم برہم ہوا جاتا ہے

اثانیہ کا نظام حکومت جمہوری حکومت کا بہترین نظام حکومت اثانیہ میں موجود تھا۔ کسی سلطنت میں قوم کے افراد کی حکومت اتنی وسیع نہ تھی جتنی اثانیہ میں تھی۔ تقریباً ہر ضروری کام اُن کی مجلس (جسکا نام اکلیزیا تھا) سرانجام دیتی تھی اور اتنی جلد اُسکے اجلاس ہوتے تھے کہ تعجب ہوسکتا ہے۔ جب ہم اسے یاد رکھیں کہ مزدوری پیشہ جماعت اُسی طبقہ سے نہوتی تھی بلکہ یہ کام غلاموں سے لیاجاتا تھا۔

اکلیزیا مجلس ملّی کا نام اکلیزیا تھا اور اسمیں سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے اپنے مدنی حقوق کو کسی جرم کی پاداش میں کھودیا ہو، ہر شخص حصہ لیتا تھا صرف

تیس برس عمر کی قید تھی۔ اس طرح ہر شخص اپنے آپ کو سلطنت کا حاکم سمجھتا تھا۔ جمہوریت کی خصوصیت یہ ہے کہ باشندگان سلطنت کی تعداد کثیر کی رائے سے حکومت کیجائے۔ یہ بات اثانیہ میں کامل ترین طریقہ پر موجود تھی۔ اور ہر شخص کو تقریر کرنیکا حق حاصل تھا۔ اور خطابت وفصاحت کا جتنا دور دورہ اس نظام حکومت میں تھا آجکل صحافت اس درجہ کو ہرگز نہیں حاصل کرسکتی۔ حکومت کا ہر ضروری کام یہی مجلس کثرت رائے سے کرتی تھی۔ اور انسانی زندگی کا ہر شعبہ اسی مجلس کے احکام کے زیر اثر تھا۔ اس حکومت میں عوام کی قابلیت خصوصیت سے بڑھ جاتی تھی اور بہترین مقرروں کی تقریروں کے اثر سے قومی وملی جذبات کو ہمیشہ فروغ ہوتا رہتا تھا تاہم ایک خرابی یہ تھی کہ امرا کا طبقہ عوام کی کثرت رائے کے دباؤ سے ہمیشہ خستہ حال کردیا جاتا تھا

جمہوریہ بلاواسطہ کا حسن وقبیح۔	باشندگان یونان نے بلاواسطہ جمہوریت (یعنی جس میں کل افراد قوم شریک ہوں) کا نمونہ دنیا کے سامنے

پیش کرکے یہ بتادیا کہ جمہوریت حکومت کی بجائے آزادی کو زیادہ پسند کرتی ہے لیکن جمہوری آزادی کا منشا یہ ہے کہ ہر فرد ملت حکومت میں حصہ لے سکے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب افراد ملت کو کاربار سلطنت پر غور کرنیکا کافی موقع ہو اور سلطنت بھی بہت وسیع نہ ہو۔ یا ایسی جماعت مزدورین موجود ہو جو سلطنت کے کاموں سے الگ رکھی جائے۔ مہذب اقوام میں بلاواسطہ جمہوریت کا قیام صرف

...م کو ہوتا ہے وجہ صرف یہ ہے کہ مزدوری پیشہ باشندوں کو لا محالہ سلطنت
میں دخل دینے سے روکنا پڑتا ہے۔

عوام کے جذبات کے مشتعل ہونیکا خطرہ

عوام کی اتنی وسیع مجالس ملیہ میں غیر محدود طاقت رکھنے کا خیال آسانی سے ترقی پا جاتا ہے۔ اکثر قوانین پر ان کے جذبات کا برا اثر پڑتا ہے۔ اکیلا شخص کتنا ہی سنجیدہ اور دیانتدار کیوں نہ ہو مگر عوام کے جذبات کے مشتعل ہونے کے بعد اکثر ایسی باتیں کر گزرتا ہے جنکو وہ ہرگز پسند نہ کرتا۔

ملت کے طرز عمل کی خاص ضرورتیں

جمہوریت جب ہی بہترین سلطنت کہی جا سکتی ہے جب قوم کا کثیر حصہ سیاسی قابلیت اور تیز فہمی و بصیرت کے زیورات سے آراستہ ہوں۔ ورنہ خالص جمہوریت قائم نہیں رہ سکتی بلکہ سلطنت کے بہترین و قابل ترین اشخاص کے زیر اثر ہو کر باقی رہتی ہے۔ عوام میں سیاسی قابلیت و بصیرت زیادہ عرصہ تک اس وجہ سے باقی نہیں رہ سکتی کہ وہ طاقت کے نشہ میں جلد مخمور ہو جاتے ہیں اور ان کی جمہوریت صرف اس وقت تک قائم رہ سکتی ہے جبتک کہ وہ خدائی انصاف کا خوف۔ رسم و رواج اور قوانین کی عزت اور اپنی ملت کے بہترین افراد کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ حکومت میں خود حصہ لینے سے عوام کی بیدار مغزی و تعلیم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر اپنی غیر محدود قوت کے خیال سے آئین و قوانین کا خوف اور قابل ترین افراد کی عزت کا خیال لا محالہ

کم ہو جاتا ہے۔ اور برے جذبات سے جلد اثر پذیر ہو کر ان بہتر افراد کو جن کی تعداد کم ہوتی ہے پریشان کیا جاتا ہے۔ اور غرور۔ نخوت۔ تلون مزاجی اور ظلم و تعدی کی کثرت ہو جاتی ہے۔ فرقہ بندی ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے نفرت اور بیجا جنگ شروع ہو کر سلطنت کی پائداری میں فرق آجاتا ہے اور وہ تباہ ہو جاتی ہے رسول عربی کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد جو جمہوریہ اسلام قائم ہوئی اس میں خلیفہ ثالث کے زمانہ سے فرقہ بندیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی وہ تلوار جو ہمیشہ دشمنوں کے لئے وقف تھی آپس میں ایسی چلی کہ ابتک نیام میں نہیں گئی۔

مساوات | ہر جمہوریت کی یہ خصوصیت ہے کہ مساوات کی محبت کیجاتی ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ جمہوریت میں تعداد کے مساوی ہونیکی قدر کیجاتی ہے یعنی ایک شخص دوسرے شخص کی مانند ہوتا ہے اور ہر شخص کی قدر و منزلت اس کی قابلیتوں کے لحاظ سے نہیں کیجاتی۔

جمہوریت بلا واسطہ کی صرف چھوٹی اور غیر ترقی یافتہ سلطنتوں میں ترقی ہوسکتی ہے

مندرجہ بالا تفصیل کا یہ اجمال ہے کہ ایسی جمہوریت جو بلا واسطہ اور براہ راست ہو صرف ایسی قوموں کے قابل ہے جو یا تو زراعتی درجہ پر ہوں یا چھوٹی اور قلیل التعداد ہوں اور اپنی ضروریات زندگی میں نہایت سادہ ہوں بڑی سلطنتوں میں ایسی حکومت کچھ عرصہ کے لئے جوش و ترقی پیدا کر سکتی ہے مگر آخر مضرت رساں ثابت ہوتی ہے۔ آزادی کا استعمال بیجا شروع ہو جاتا ہے اور معزز بہتر عنصر کو نا انصافی سے دبا دیا جاتا ہے۔

حصۂ ثانی

سلطنت جمہوری

(ب) بالواسطہ (پنچائتی)

موجودہ زمانہ میں سلطنتیں نہایت وسیع ہیں اور ثانیہ قدیم کی طرح ایسی جمہوریت کا قیام ناممکن ہے جس میں کل افراد ملک حصہ لے سکیں اور شریک ہوکر قوانین وغیرہ پر بحث اور غور کریں۔ آجکل جمہوری سلطنتیں بالواسطہ ہوتی ہیں یعنی چند وکلائے ملت پوری ملت کی طرف سے انتظام سلطنت کرتے ہیں۔ اور ہر شخص براہ راست مجالس ملیہ میں حصہ نہیں لے سکتا۔ ایسی جمہوریت جس میں وکلائے ملت کے ذریعہ سے حکومت کیجائے بالواسطہ (یا پنچائتی) جمہوریت کہلاتی ہے اور اس کی ابتدا موجودہ زمانہ میں امریکہ میں ہوئی ہے

۱-امریکہ میں جمہوریت کی ابتدا

امریکہ میں جمہوریت کی ترقی اور قیام کئی وجوہ سے ہوا پہلے اس ملک کے وسیع حصوں پر بادشاہی سلطنتوں کا قبضہ ہوا اسکے بعد یہاں آزاد خیال یورپین اقوام کی نوآبادیاں قائم ہوئیں۔

نوآبادیاں رفتہ رفتہ اسی قسم کی نوآبادیاں جنوبی امریکہ تک پھیل گئیں۔ یہ لوگ جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر تلاش معاش (زیادہ تر سونا) میں یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ نہایت محنت و جانفشانی سے ان زمینوں کو زراعت کے قابل بنانے میں سرگرم ہوگئے۔ اس محنت کی وجہ سے ان لوگوں میں جفاکشی۔ دلیری۔ ہمت اور خود اعتمادی پیدا ہوگئی۔ اور ملکی وسعت نے انکو آزادی سے ترقی کے وسائل مہیا کئے۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جمہوریت کا قیام اس باعث سے ہوا کہ اُس سرزمین کا یہی خاصہ ہے بلکہ اس کی وجہ زیادہ تر اُن لوگوں کی فطرت میں مضمر تھی جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے اور اپنے ساتھ آزادی اور حکومت خود اختیاری کے خیالات لیتے گئے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر متوسط طبقہ کے تھے اور امراکے مظالم کو اچھی طرح جانتے تھے۔ لہذا اصول مساوات و حریت کو مان کر آپس کے اتحاد سے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو اگرچہ یوروپین سلطنتوں کے زیر اثر تھا مگر اندرونی طور پر بہت زیادہ آزاد تھا۔ شمالی اور جنوبی نوآبادیوں کے لوگ بوجہ مسافت بعیدہ کے ایک دوسرے سے بہت کم مل سکتے تھے۔ لہذا اُنہوں نے اپنے نمایندوں (وکلا) کے ذریعہ سے حکومت کرنی شروع کی۔ عموماً ہر ایک نوآبادی مندرجہ ذیل خصوصیات میں ایک دوسرے سے مشابہ تھی اور ہر ایک میں تقریباً یکساں نظام حکومت تھا۔

نوآبادیوں کے نظام حکومت کے مشترک عنصر

(الف) طبقۂ امراء کو قطعی مسترد کر دینے کے بعد انگریزی

قانون پورے طور پر جاری تھا۔ زمین کے قبضہ میں ہر شخص کو آزادی حاصل تھی۔
اور اقتصادی و معاشرتی نظام کی بنا اسی اصول پر تھی۔

(ب) طبقہ امرا کے مفقود کر دینے کے بعد درجوں اور حقوق کی مساوات ہو گئی تھی۔ مگر سرخ نسل کے باشندوں کی وجہ سے یہ مساوات قائم شدہ تھی۔ اور اصلی باشندے حکومت میں نہ تو شریک کئے جاتے تھے نہ سفید نسل کے برابر حقوق رکھتے تھے۔ اور ان میں سے نہایت ہی ذلیل درجہ پر افریقیہ کے وہ سیاہ فام باشندے رکھے جاتے تھے۔ جو بطور غلام کے یہاں لا کر آباد کر دئے گئے تھے۔ اور آزاد ہونے پر بھی اُن کو سیاسی حقوق نہ ملتے تھے۔

(ج) بجائے اسکے کہ سلطنت پر بھروسہ کیا جائے نو آبادیوں کے باشندوں میں یہ خصوصیت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اپنی ذات پر بھروسہ کرنے لگے تھے۔

(د) قومی تعلیم خود قوم ہی کے ہاتھ میں تھی اور قومی مدرسوں کے ذریعہ سے دی جاتی تھی۔

(ہ) قصبات و دیہات کا آزاد دستور العمل اور نظام حکومت قائم ہو گیا تھا

(و) افسران کی تعداد بہت کم تھی۔ گورنر کا انتخاب کرنے کے بعد تقرر ہوتا تھا اور گورنر کے بعد منصفوں کا درجہ ہوتا تھا۔ یہ دونوں قومی نمائندوں کے ساتھ ملکر کام کرتے تھے۔ (گورنر اپنی مجلس کے ساتھ اور منصفہ اپنی پنچایت کے ساتھ)

(ز) کوئی باقاعدہ اور مستقل فوج ہر وقت تیار نہیں رکھی جاتی تھی۔ بلکہ ہر

نیز وقت ضرورت کے وقت جنگی خدمت انجام دینی پڑتی تھی۔

(ح) ہر نوآبادی میں ایک مجلس وکلا تھی۔ جو قوانین بنانے میں مدد دیتی تھی اور اسکا انتخاب آزاد باشندگان نوآبادی کرتے تھے۔

(ط) عہدہ داروں کے لئے عرصہ ملازمت کم رکھا جاتا تھا تاکہ تبدیلی جلد جلد واقع ہو۔

(ی) آخرکار رفتہ رفتہ تحریر و تقریر کی آزادی ہوگئی اور صحافت و مجالس کی قطعی آزادی ہوجانے کی وجہ سے نظام جمہوریت تقریباً مکمل ہوگیا۔

اس طرح انگلستان سے علیحدہ ہونے سے بہت پہلے جمہوریت کا دستورالعمل تیار ہوگیا۔ اور ان نوآبادیوں کے انگلستان سے ۱۷۷۶ء میں علیحدہ ہونے پر نئی جمہوری سلطنتیں مکمل ہوگئی تھیں۔

(۲) فرانس | سلطنت جمہوری جو امریکہ میں قائم ہوئی اُس کی نقل فرانس میں کیگئی۔ اگرچہ اس ملک کے رسم و رواج بالکل بادشاہی طرز حکومت کے تھے لیکن یہاں کے باشندوں نے حریت ۔ مساوات اور برادرانہ تعلقات کو نہایت جوش و خروش سے قائم کیا اور ۱۸۷۰ء سے یہاں مستقل جمہوریت قائم ہے اور یہ اُمید بالکل نہیں ہی کہ یہاں دوبارہ بادشاہی حکومت قائم ہو گی۔

(۳) سوئٹزرلینڈ | سوئٹزرلینڈ میں امریکہ کی جمہوریت کے اصولوں کو نہایت فروغ ہوا اور وہاں کے ہر ایک باشندے کو آزادی مل گئی اور امرا کا طبقہ بالکل مٹا دیا گیا

۱۷۹۸ء میں پورے سوئٹزرلینڈ کو متحدہ جمہوریت بنانے میں ناکامیابی ہوئی لیکن ۱۸۳۰ء سے جو اصلاحات کی گئیں وہ ۱۸۴۸ء میں مکمل ہو گئیں اور یہاں مستقل جمہوریت قائم ہو گئی

۴. روس | یورپ میں صرف روس میں شخصی مطلق العنان سلطنت باقی رہ گئی تھی اور وہاں حقیقت میں نہایت طاقتور مرکزی حکومت تھی اور چونکہ روس ایک ملک نہایت وسیع ہے اور تہذیب و تمدن بمقابلہ دیگر ممالک یورپ کے کم ہے اس لئے ۱۹۰۵ء میں کچھ اصلاحات کی گئیں اور نیم آزاد طبقہ کو کچھ حقوق اور آزادی دی گئی۔ زار روس کی حکومت ملک کے نظم کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی اور یہ مذہبی فرض سمجھا جاتا تھا لیکن جنگ عظیم نے تمام یورپ میں آزادی کی موجیں لہریں پھیلا دیں۔ اسی طرح یورپ جو جنگ میں شریک تھا اس سے بری نہ رہ سکتا تھا۔ روس میں دوران جنگ ہی میں انقلاب عظیم ہوا اور وہاں جمہوریت قائم ہو گئی جس میں طبقہ امرا کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا

۵. ایشیائے وسطیٰ | روس کے انقلاب کا مشرق پر بہت گہرا اثر ہوا اور بہت سی جمہوری سلطنتوں کے قیام کا ایک سلسلہ عظیم جاری ہو گیا ہے۔ وسط ایشیا چین اور افغانستان بھی نئی حکومتوں اور جمہوریتوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور وہ زمانہ دور نہیں ہے جب عراق عرب و شام [illegible] میں بھی جمہوری سلطنتیں قائم ہو جائیں

جمہوریت کا طرز حکومت | عموماً سلطنت کی اعلیٰ قوت و حکومت منتخب اور بہترین افراد ملت کی مجالس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ یہ لوگ قوم کے وکلا یا نمائندے ہوتے ہیں۔ حکومت میں افراد ملت کا براہ راست کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ملت کے نام سے

وکلائے قوم حکومت کرتے ہیں سلطنتوں میں کہیں جمہوریہ کا انتخاب براہ راست افراد ملت کرتے ہیں جس طرح امریکہ کی سلطنتوں میں عموماً رواج ہے اور بعض جگہ مجلس واضع قوانین کو رئیس الجمہوریہ کے انتخاب کا حق ہوتا ہے یہ طریقہ سوئٹزرلینڈ میں جاری ہے پہلے طریقہ میں حکومت زیادہ آزاد اور قوی ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں حکومت کا انحصار زیادہ تر مجلس قانونی پر ہوتا ہے۔

محکمہ قضا میں قاضیوں اور منصفوں کا تقرر براہ راست حکومت کی طرف سے ہوتا ہے۔ یا مجلس قانونی اس کام کو کرتی ہے لیکن قوم کو اس محکمہ میں اس طرح حصہ دیا جاتا ہے کہ وہ ان لوگوں (یعنی جوری) کا انتخاب کریں جو قاضیوں کو معاملات کے فیصلہ کرنے میں اپنی رائے دے سکیں۔

جمہوری سلطنتوں کی خصوصیات

عوام الناس میں اخلاقی حالت کی درستگی کا ہونا جمہوری حکومت کے قیام کے لئے ضروری ہے اور بڑی حد تک یہی اصول جمہوریت قرار دیا گیا ہے لیکن اخلاقی ترقی (خیر و فلاح یا نیکی) کو سیاسی اصول ماننے میں یہ ماننا ضروری ہو جاتا ہے کہ حکمران طبقہ کی اخلاقاً عزت کیجائے اور وہ لوگ ایسے ہوں جو اخلاقی حیثیت سے عوام سے برتر ہوں اور اسی وجہ سے وہی لوگ حکومت کے لئے منتخب کئے جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی کمزوری کے ساتھ ساتھ ملی زوال کا ہونا ضروری ہے۔

بہترین وکلاء کے انتخاب کی ضرورت

جمہوری سلطنت کا یہ اصول ہے کہ بہترین افراد ملت نمائندوں کی حیثیت سے حکمرانی کریں لیکن اس امر میں نہایت دقت

ہوتی ہے کہ بہترین نمایندگان ملت کا انتخاب ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فرقہ بندی ہو جاتی ہے (جو اخلاقی کمزوری کی دلیل ہے) اور ایسے لوگ منتخب نہیں ہوتے جو دماغی و اخلاقی حیثیت سے دیگر افراد ملت سے ممتاز درجہ رکھتے ہوں۔ موجودہ زمانہ میں انتخاب کی بنیاد زیادہ تر انتخاب کرنے والوں کی تعداد پر ہوتی ہے۔ اور چونکہ مساوات کا بہت زیادہ خیال کیا جاتا ہے اس وجہ سے ہر فرد ملت کو خواہ اسکی دماغی و اخلاقی حالت کیسی ہی ہو برابر حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

تعداد کو صفت قابلیت پر ترجیح دینے کی خرابی

ایسا انتظام جمہوریت جس میں ہر فرد ملت کو مساوی حقوق حاصل ہوں زیادہ تر نہایت چھوٹی اور بلا واسطہ جمہوریتوں کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ وسیع سلطنتوں میں جب وکلائے ملت کے ذریعہ سے حکومت کیجاتی ہے تو یہ مان لینا پڑتا ہے کہ وہ وکیل دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ قابل ہونے چاہئیں۔ اس لئے تعداد کو قابلیت پر ترجیح دینے سے لامحالہ نہایت خراب لوگ برسر حکومت ہونگے اور سلطنت کے انتظامات میں کمزوری رونما ہو گی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دہلی کے باشندے جو زیادہ تعلیم یافتہ و دولتمند اور تجارت پیشہ ہیں سیاسی حیثیت سے راجپوتانہ کے دیہاتوں کے باشندوں سے بدرجہا قابل ہیں اور اگر دونوں کے حقوق یکساں اور رائے دہندگی میں مساوات برتی جائے تو سخت غلطی ہو گی۔ یہ ضروری ہے کہ اُن افراد کو جو زیادہ قابل اور سمجھدار ہیں عوام کی نسبت زیادہ حقوق ملنے چاہئیں حقیقی نمایندگی تب ہی

ہوسکتی ہے جب انتخابات کا نظام ایسا ہو کہ ملت کا ہر ایک شعبہ اور ہر ایک عنصر اس تناسب سے انتخابات میں حصہ لے سکے جس تناسب سے اُس کا تعلق اور اثر پوری ملت پر پڑتا ہے۔ تعداد کی وقعت خاص خاص موقعوں پر ضرور کرنی پڑتی ہے۔ لیکن تعلیم۔ طرز معاشرت۔ دولت وغیرہ کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

چند اصول انتخاب | (۱) جب پوری ملت کسی مسئلہ پر رائے زنی کرے تو رائے کا شمار اسی طرح کرنا کافی ہوسکتا ہے جس طرح جمہوریہ بلاواسطہ میں کیا جاتا ہے۔

(۲) بخلاف اسکے رائے کا شمار اُس وقت کافی نہیں ہوتا جب ملت کے مختلف حصے اپنے نمایندگان کا انتخاب کریں۔ ان حصوں کی تقسیم بلحاظ قابلیت و صفت ہونا ضروری ہے۔ تاکہ بہترین افراد کا انتخاب ہوسکے۔ اور ملت کے دماغی۔ مالی اور اخلاقی عناصر کا کافی تناسب ہوسکے۔

(۳) ایسے انتخاب میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مجلس وکلاکے پورے افراد کا انتخاب عام منتخب کنندگان نہ کریں بلکہ اُن کے ایک مقررہ حصہ کا انتخاب خود منتخب شدہ وکلا کی رائے پر منحصر ہونا چاہیئے۔ تاکہ اُن باقی ماندہ بہترین افراد کا انتخاب بھی ہوجائے جو عوام الناس کے ساتھ زندگی نہ بسر کرنیکی وجہ سے منتخب نہو سکے ہوں یا خود انتخاب میں حصہ لینے سے محترز ہوں۔ ایسے افراد ملت جو در حقیقت اعلیٰ دماغی و اخلاقی قابلیت رکھتے ہیں اس زمرہ میں داخل ہیں اور وکلائے ملت کے اشتراک سے ضرور سیاسیات میں حصہ لینے لگتے ہیں۔

پنچائتی جمہوریتوں کا حسن و قبیح

جمہوریت کی خصوصیت ہے کہ حکومت کثیر تعداد کی طرف سے کیجاتی ہے اور حکومت کرنے والے قلیل التعداد ہوتے ہیں جمہور کی رائے پر عمل کرانے کے لئے نمائندوں کا انتخاب مقررہ وقت کے بعد دوبارہ ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ جو جمہور کی رائے کے خلاف کام کرتے ہیں دوبارہ منتخب نہیں ہو سکتے۔ ایسے نظام حکومت میں یہ مان لیا جاتا ہے کہ جمہور کو امور سلطنت پر غور کرنے کی فرصت نہیں ہے اور نہ عوام ایسی سلطنت کرنے کے قابل ہیں۔ تاہم یہ مان لیا جاتا ہے کہ عوام میں اتنی عقل ہے کہ وہ انتخاب میں حصہ لے سکیں (اس مسلمہ کو مان لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو انتخاب میں اپنی ذاتی رائے کا استعمال بھی نہ کر سکیں اور اسے نہ سمجھ سکیں وہ اس کے مستحق نہیں ہیں کہ وہاں جمہوری حکومت قائم کیجائے)

جمہوریہ بلاواسطہ میں عوام الناس پر سلطنت کا بار زیادہ ہوتا ہے بجائے اسکے جمہوریہ (پنچائتی) میں وکلائے ملت پر زیادہ جوابدہی کا بار ہوتا ہے۔ اور جس قوم میں فرقہ بندی یا جہالت کی وجہ سے ایسے نمائندگان کا انتخاب ہوتا ہے جنمیں قلیل التعداد اقوام کا کچھ خیال نہیں کیا جا سکتا وہاں ضرور خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اور اسے حقیقی جمہوریہ نہیں کہہ سکتے۔ جمہوریہ میں نمائندگان ملت کو بہترین افراد سمجھکر حکومت سپرد کیجاتی ہے اور ان سے یہ امید کیجاتی ہے کہ وہ اچھی طرح اس امانت کو رکھینگے۔ عوام الناس اگرچہ اپنی مساوات و آزادی

کو قائم رکھتے ہیں مگر اپنے وکلاء کی اپنی خوشی سے اطاعت کرتے ہیں اور انکو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔

حکومت کی کمزوری چونکہ انتخابات اکثر ہوتے رہتے ہیں اس وجہ سے حاکموں کا انحصار محکوموں پر ہو جاتا ہے۔ اور دوران حکومت میں بھی رعایا کے ہمخیال ہو کر حاکموں کو حکومت کرنی پڑتی ہے۔ رعایا کی آزادی حکام کی حکومت سے زیادہ محفوظ بنا پر قائم ہوتی ہے۔ اور سید القوم خادمہم کے قول کے اعتبار سے جتنے قاضی اور افسران اعلیٰ ہوتے ہیں وہ خادم جمہوریت سمجھے جاتے ہیں۔ جمہوریت (پنچایتی) میں حکومت اوپر سے نہیں بلکہ نیچے سے (یعنی عوام سے) شروع ہوتی ہے اور اوپر کی طرف ترقی کرتی جاتی ہے۔ حکومت غیر مستقل ہو جاتی ہے اور دستے دور اندیشانہ تجاویز پر اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب یہ تجاویز عوام الناس کے جذبات ملی اور روایات قدیمہ کے خلاف نہوں

شان وشوکت کی کمی ارکان حکومت اور شعبہ ہائے سلطنت میں سادگی پائی جاتی ہے اور بادشاہی سلطنتوں کی طرح ظاہری شان وعظمت اور نمود نہیں پائی جاتی نہ دربار کا رنگ جمتا ہے نہ کوئی فوج ہر وقت تیار رکھی جاتی ہے۔ چونکہ اسکا امکان ہے کہ یہ فوج جمہوریت کی آزادی کو صلب کر لے۔ اس وجہ سے کل ملت کو فوجی خدمت کرنے پر (ضرورت کے وقت) مجبور کیا جاتا ہے۔ اور فی زمانہ جمہوریت میں جبریہ فوجی تعلیم دینے کے بعد کچھ عرصہ تک جبریہ فوجی

خدمت ہجاتی ہے۔

تصنیفات عامّہ کی خوبی	عموماً وہ عملے جنکا تعلق عوام سے ہے عمدہ حالت میں ہوتے ہیں اور عوام الناس کی آسانی و راحت

کا سامان۔ قومی تعلیم. سامان رسل و رسائل اور مفید کار آمد تصنیفات کا ہونا شرائط جمہوریت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اور اکثر علوم وفنون میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔

عوام کی اخلاقی ترقی حریت و مساوات کے جذبات عوام الناس خصوصاً درمیانی طبقے کے لوگوں کو بلند خیال اور تیز فہم کر دیتے ہیں۔ معاملات عامّہ سے عوام کا تعلق رہتا ہے اور ان پر رائے زنی کرتے کرتے اُن کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ اور حبّ وطن و ایثار کا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ جذبات خصوصاً اُس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب کسی غیر سلطنت سے جنگ شروع ہو جائے۔

مقالۂ ہفتم مخلوط اقسام سلطنت

ایک ہی سلطنت میں کئی قسم کی سلطنتیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک سلطنت کا نظام حکومت جداگانہ ہونا ممکن ہے مگر ایسا زیادہ تر اسوقت ہوتا ہے جب قومی تہذیب اور تاریخی حالات کے لحاظ سے ایک سلطنت دوسری سلطنت سے مختلف ہو لیکن جہاں یہ حالات یکساں ہوتے ہیں اگر مختلف اور مخلوط طرز سلطنت قائم ہو تو ضرور خلاف فطرت ہے۔

ہر مخلوط سلطنت میں ایک نئی بات ہوتی ہے یعنی مرکزی (یا اصلی) سلطنت اور ماتحت (علیحدہ) سلطنتوں میں خاص فرق ہوتا ہے اس فرق کے لحاظ سے مندرجہ ذیل تقسیم کیجا سکتی ہے۔

۱۔ ایک سلطنت کی دوسری سلطنت پر حکومت مطلقہ	مرکزی سلطنت اپنی ماتحت سلطنتوں پر مطلق العنان حکومت قائم رکھتی ہے۔ دول یورپ کی یورپ کے باہر (افریقہ و ایشیا) میں اسی قسم کی حکومتیں قائم ہیں۔ مرکزی سلطنت

ئیں آزاد حکومت ہوتی ہے اور دیگر سلطنتیں نہایت ظالمانہ طریقے سے آزادی سے محروم رکھی جاتی ہیں۔

۲۔ ایک سلطنت کا دوسری سلطنت پر حلقۂ اثر

کمزور سلطنتوں کو طاقتور سلطنتیں اپنے حلقۂ اثر میں لاکر ان کی آزادی کو اپنی حکمت عملی سے محدود کردیتی ہیں تاہم یہ سلطنتیں کسی قدر آزادی رکھتی ہیں ایسی صورت میں ممالک محروسہ میں نام نہاد ملی سلطنت قائم رہتی ہے اور حقیقتاً کوئی شہنشاہی حکومت اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے ان ممالک پر اپنا اثر قائم کرتی ہے۔ (مندرجہ بالا طرز سلطنت بھی شہنشاہیت کے موجودہ اصولوں پر قائم ہوئی ہے۔ اس کا بیان آئندہ مفصل طریقہ پر شہنشاہیت کے تحت میں کیا جائیگا) مصر پر انگریزوں کی حکومت اسی طرح کی تھی۔

۳۔ مرکزی حکومت کی نوآبادیوں پر سلطنت

وہ ملک جس کی قوم کے بہت سے آدمی کسی دوسرے ملک میں جاکر آباد ہوجائیں۔ اصلی یا مادری سلطنت کہی جاتی ہے۔ اور نوآبادیاں گویا مادری سلطنت کے بچے ہوتے ہیں یہ نوآبادیاں مرکزی حکومت کے چھوٹے نمونہ ہوتے ہیں۔ اور اپنی آزادی اور شان کو قائم رکھنے کے لئے مرکزی حکومت سے خوشگوار تعلقات قائم رکھتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات یہ نوآبادیاں آزاد سلطنتوں میں شمار نہیں کیجاتیں لیکن انکا نظام سلطنت بالکل مکمل ہوتا ہے اور اکثر نوآبادیاں آزاد ہونے پر بھی بیرونی ممالک کے

کوئی تعلقات نہیں قائم کر سکتیں اور اسکے متعلق ان کا دار مدار مرکزی سلطنت پر ہوتا ہے۔ اسکی مثالیں کناڈا۔ نیوزیلینڈ آسٹریلیا وغیرہ ہیں۔

(۴) ارتباط یا ذاتی اتحاد | سلطنتوں کے اتحاد کی صورت میں ہر ایک سلطنت اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ قطعی آزاد ہوتی ہے۔ اُن کی آزادی ایسے قوانین سے محدود ہوتی ہے جو وہ خود اپنی حفاظت کے لئے اپنے اوپر عائد کرتی ہیں۔ یہ اتحاد نئی سلطنت کی بنا نہیں ڈالتا بلکہ ہر ایک سلطنت اپنے مکمل نظام حکومت کے ساتھ ساتھ قطعی علیحدہ ہوتی ہے۔ اور اُنکا تعلق تقریبًا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ قانون بین الملل سے دنیا کی مختلف سلطنتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ مختلف سلطنتوں میں ایک ہی قوم ہو مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ترقی کر کے ملت واحد کی صورت میں ظاہر ہوں۔ ذاتی اتحاد کی صورت میں سلطنتہائے متحدہ کا ایک ہی بادشاہ ہوتا ہے۔ اور صرف اتحاد (یا ارتباط) کی حالت میں الگ الگ بادشاہ (یا حاکم اعلی) ہوتے ہیں (جیسے جرمنی کا ذاتی اتحاد)

(۵) اتحاد حقیقی | ارتباط (متذکرہ بالا) کی صورت میں مختلف سلطنتیں زیادہ آزاد ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقی اتحاد اُسوقت ہوتا ہے جب مختلف سلطنتوں کے نظام حکومت کے ساتھ ساتھ متحدہ حکومت کا نظام حکومت بھی مکمل ہوتا ہے اور مرکزی حکومت کے حکمران کا خاص ملک بھی ہوتا ہے۔ اس کی مثال امریکہ

ن ریاستہائے متحدہ سے دی جا سکتی ہے یا سوئٹزرلینڈ اور روس کی جمہوری حکومتوں سے مثیل پیش کی جا سکتی ہے متحدہ سلطنت ایسی صورت میں قطعی آزاد ہوتی ہے لیکن دیگر سلطنتیں بھی مثل آزاد سلطنتوں کے ہوتی ہیں اور خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ کل سلطنتوں کی قومیں باقاعدہ متحد ہو کر ملت واحد بنجاتی ہیں۔

مخلوط سلطنتوں کے لوازم مخلوط سلطنتوں میں ایک مرکزی یا متحدہ سلطنت ہوتی ہے جس کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ بیرونی سلطنتوں سے تعلقات قائم رکھے اور ان معاملات کو جو دیگر ملتوں سے تعلق رکھتے ہیں سلجھائے۔

وہ سلطنتیں جو آپس میں اتحاد قائم کرتی ہیں کسی بیرونی سلطنت سے کوئی تعلق نہیں پیدا کر سکتیں لیکن اندرونی انتظامات کا انحصار صرف اُن کی ذات پر ہوتا ہے اور مرکزی حکومت اسمیں بہت کم دخل دیتی ہے۔

اس دوگونہ نظام سلطنت کو قائم رکھنے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے

۱- ہر ایک سلطنت (یعنی مرکزی سلطنت اور دیگر سلطنتوں) کی قوتوں کا فرق صاف طور پر ہونا چاہیے اور اُن کے فرائض کی تدوین نہایت ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے کے تعلقات میں جو باتیں عارض ہوں اُنکا تصفیہ نہایت آسانی سے ہو جائے۔

۲- حکومت اور مجالس و کلا کا ایک دوسرے سے الگ اور آزاد ہونا ضروری ہے تاکہ سلطنت کے کاموں میں آسانی پیدا ہو۔ اور مستقل نظام قائم رہے۔

مقالہ ہشتم شہنشاہیت

تفصیل شہنشاہیت ایک سلطنت کے دوسرے ممالک۔ دوسری سلطنتوں اور دوسری ملتوں پر قبضہ کا نام ہے۔ اس قبضہ سے مفتوحہ ممالک کی ترقی کی باگ فاتح سلطنت کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ فتح سے اس جگہ ہمارا منشا صرف بزورِ شمشیر ہی فتح کرنا نہیں ہے بلکہ کسی صورت سے بھی ایک ملت کا دوسری ملتوں پر سیاسی اقتدار قائم کرنے سے مراد ہے خواہ وہ عہدناموں اور چارٹروں یا معاہدوں کی وجہ سے ہو یا فتح تو آبادی اور اپنی خواہش سے کوئی سلطنت مفتوح یا زیرِحکومت غیر ہو جائے شہنشاہیت کے متعلق دو قسم کے خیالات ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ یہ خدا کی رحمت اور تہذیب پھیلانے کا ذریعہ ہے۔ دوسرا فرقہ اسکو شیطنت اور ظالمانہ بوالہوسی سے تعبیر کرتا ہے۔

قدیم شہنشاہی

گذشتہ زمانہ میں کئی شہنشاہی سلطنتیں قائم تھیں جنکی مکمل تفصیل کرنا

فضول ہے۔ اختصار کے ساتھ چند ایسی سلطنتوں کا ذکر کر دینا اس وجہ سے ضروری ہے کہ بغیر گذشتہ شہنشاہیتوں کا مقابلہ کئے ہوئے ہم موجودہ شہنشاہیتوں کے طرز عمل کو نہیں سمجھ سکتے۔

یونان یونان کی شہنشاہیت نے مفتوح اقوام کو اپنے اندر جذب کر کے ایک متحد ملت بنانے کی کوشش کی۔ اور جہاں کہیں بھی یونانیوں کی حکومت پھیلی وہاں انکا تمدن۔ تہذیب اور فلسفہ بھی پھیلا۔ اور محکوم اقوام پر بہت اچھا اثر پڑا۔ سکندر اعظم کے بعد یونانی شہنشاہیت بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سلطنت بہت وسیع ہو گئی تھی اور دور دراز کے صوبوں کو آزاد ہو جانے میں کچھ دقّت نہ تھی۔ اس کے علاوہ سلطنت ایران نے یونان کی ترقی کے سیلاب کو مشرق میں بڑھنے سے روک دیا اور بہت جلد یونانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔

روما رومۃ الکبریٰ نے عہد قدیم میں اپنی شہنشاہیت کو بہت زیادہ وسعت دی انہی اصول پر موجودہ زمانہ میں مغربی سلطنتیں اپنی سلطنتوں کو وسیع کر رہی ہیں۔ رومیوں نے پہلے اطالیہ کے ایک ایک صوبہ کو اپنے قبضہ میں کیا اسکے بعد اپنی آزادی کو قائم رکھنے اور اہل روما کی دولت کو ترقی دینے کے لئے ہمسایہ قوموں کو اپنے قبضہ میں لانا شروع کر دیا۔ اطالیہ کو محفوظ رکھنے کے لئے غالیہ پر قبضہ کیا گیا اور غالیہ کو قبضہ میں رکھنے کے لئے فرانس

اور حبش کی طرف فوجوں کا رُخ کردیا گیا۔ اسی طرح رومیوں نے کارتھیج پر قبضہ کرکے اُسے محفوظ رکھنے کے لئے مصر پر اقتدار قائم کیا۔ بالکل اسی طرح سرکار کمپنی بہادر نے بنگال میں قدم جمانے کے بعد اُس کے محفوظ رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ ممالک متحدہ آگرہ واودھ پر قبضہ کیا اور اس صوبہ کو بچانے کے لئے پنجاب دبالیا گیا اور صرف دریائے اٹک ہی تک اپنی سلطنت کو محدود نہیں رکھا گیا بلکہ وہ علاقہ بھی جو افغانستان کے زیر اثر ہے یعنی سرحدی صوبہ پر قبضہ کرنے کے بعد افغانستان کو اپنے معاہدوں سے تقریباً نیم آزاد سلطنت بنا دیا (جو ۱۹۲۰ء کے معاہدے سے اب بالکل آزاد ہوگیا ہے)

رومیوں نے اپنی مفتوحہ صوبوں کے والیوں سے بہت زیادہ روپیہ طلب کرنا شروع کردیا جس کی وجہ سے وہ اپنی رعایا پر بہت زیادہ ظلم کرکے روپیہ وصول کرنے لگے۔ اور اپنے ذاتی خزانوں کو معمور کرنے کے بعد روما کو روپیہ روانہ کرنے کی عادت شروع ہوگئی۔ اس طرح مفتوح اقوام میں بہت زیادہ بےچینی شروع ہوگئی۔ رومیوں نے یہی نہیں کیا بلکہ اُن اقوام میں زبردستی رومی قانون اور تمدن بھی جاری کرنا چاہا جو بہت زیادہ ناممکن تھا (اس کی تشریح پہلے کی جاچکی ہے)

خلافت زمانہ وسطیٰ میں اسلامی حکومت شہنشاہیت کے درجہ پر تھی اور اس کا اصل الاصول یہ نہ تھا کہ محکوم اقوام سے بالجبر روپیہ وصول کرکے مرکزی حکومت کو مضبوط کیا جائے یا خلیفہ وقت اور اُس کے مشیروں یا افواج اسلام کے لئے آرام و

آسائش کے سامان محض اس بنا پر کمزور اقوام سے حاصل کئے جائیں کہ مسلمان طاقتور تھے مفتوح اقوام کو اپنا مذہبی قانون۔ اور رسم و رواج ہی نہیں بلکہ اپنی پنچایتیں بھی الگ قائم رکھنے کی اجازت تھی اور صرف اتنا ہی خراج وصول کیا جاتا تھا جتنا کہ مفتوح ہو جانے کے بعد اس قوم سے طے ہو جاتا تھا غیر مسلم رعایا فوجی خدمت سے بری تھی اور اس کی بجائے ایک ٹیکس ادا کرتی تھی جسکو اصطلاح اسلام میں جزیہ کہتے ہیں

ہندوستان ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں نے جو شہنشاہیت قائم کی اسمیں بھی ہندو اور مسلمانوں کی تفریق نہ تھی جو روپیہ ہندوستان سے وصول ہوتا تھا وہ اسی ملک کی بہبود و فلاح میں خرچ ہو جاتا تھا اور نہ ایسے قوانین کا اجرا کیا جاتا تھا جو جمہور باشندگان ہند کے جذبات و خیالات کے منافی ہو یا جس سے کسی قسم کی تمدنی اور معاشی ترقی میں رکاوٹ ہو اس طرح مسلمان شہنشاہیتوں نے رفتہ رفتہ اپنے تہذیب و تمدن کو مشرق میں اپنے اخلاقی اثر سے پھیلایا اور بجائے اسکے مفتوح اقوام کو غلام بنائیں انہیں حریت اور مساوات اسلامی کی روح پھونکدی

جدید شہنشاہی

موجودہ شہنشاہیت کے جغرافیائی حدود موجودہ زمانہ میں یورپین سلطنتوں کی شہنشاہیت عالمگیر ہو رہی ہے اور دنیا کے پانچ کروڑ تیس لاکھ مربع میل رقبہ میں سے صرف پچیس لاکھ مربع میل ان کے اثر سے محفوظ ہے سیاسیات

اور تاریخ کو اس عظیم الشان علمی تحریک کا مطالعہ ضروری ہوجاتا ہے اور یہ دیکھنا ہے یورپ کی اس تحریک سے دنیا میں کیا اثر پیدا ہوا۔

شہنشاہیت کی بنیاد	شہنشاہیت کی ترقی اور وسعت۔ دو وجہوں سے ہوئی ایک معاشی (یا دوسرے الفاظ میں تجارتی) اور دوسرے

فوجی۔ ان دونوں وجوہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

معاشی وجوہ	دخانی قوت کے جاری ہوتے ہی ذرائع آمد و رفت۔ رسل و

رسائل میں اتنی آسانی ہوگئی کہ ایک سلطنت دنیا کی دور دراز سلطنتوں پر نہ صرف تجارتی قبضہ رکھ سکتی ہے بلکہ اس پر سیاسی قبضہ بھی کرلینا اور قائم رکھنا نہایت آسان ہوگیا اس کے ساتھ تجارتی دنیا میں بھی انقلاب عظیم پیدا ہوگیا اور یورپ کے ممالک قدرتی طور پر بحری تجارت میں حیرت انگیز ترقی کرنے لگے اور ان کی زندگی کا دار و مدار صرف تجارت ہی پر رہگیا فرانس۔ جرمنی۔ امریکہ۔ انگلستان اور جاپان دنیا بھر کو ہر قسم کا سامان تجارت مہیا کرنے لگے۔ اس تجارتی مقابلہ سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہونے ضروری تھے۔

(۱) خام پیداوار کی ضرورت	یورپ کی تجارت گاہوں کو خام پیداوار کی درآمد کی مسلسل ضرورت محسوس ہوئی تاکہ اس سے تجارتی اشیاء تیار کرکے

پھر انہیں ممالک میں روانہ کردی جائیں جہاں اُن کی ضرورت ہے۔

(ب) بازاروں پر قبضہ	اُن ممالک پر جہاں اُن کے مال تجارت کی فروخت

ں اسی لئے قبضہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی اور اگر ان ملکوں میں تہذیب تمدن اتنی ترقی پا چکا ہے کہ وہ خود خام اشیاء سے اپنی ضروریات زندگی مہیا کر لیتے ہیں تو اُن کو مسلسل کمزور کرنے اور تباہ کرنے کی کوشش کی گئی ایشیا اور افریقہ کے ممالک پر کسی نہ کسی بہانہ سے قبضہ کیا جانے لگا۔ اس طرح ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۰ء تک یوروپین سلطنتوں نے اسی لاکھ مربع میل زمین پر قبضہ کر لیا۔ انگلستان نے برما اور مصر فرانس نے انام اور ٹونکن۔ تونس۔ مڈاغاسکر اور افریقہ میں وسیع رقبات زمین پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح دوسری یوروپین اقوام نے بھی اپنا اپنا حصہ پایا۔

(ج) تجارتی راستوں پر قبضہ بحری راستوں پر قبضہ کر لینا تجارت کے لئے نہایت ضروری ہے اور اسی لحاظ سے بعض ضروری مقاموں پر دول یورپ نے اپنا اپنا اقتدار قائم کرنا ضروری سمجھا ہے۔ عدن۔ سنگاپور اور پاناما جزیرہ یا پ نہر سوئیز اور آبنائے قسطنطنیہ نہایت ضروری مقام ہو گئے ہیں۔

جنگی وجوہ معاشی وجوہ کے علاوہ جنگی وجوہ بھی شہنشاہیت کی ترقی کا باعث ہوئے مختلف سلطنتوں کے لئے قرب وجوار کے ممالک پر اپنا اثر و اقتدار رکھنا ضروری ہو گیا۔ انگلستان کے لئے آئرلینڈ کا آزاد ہو جانا نہایت مہلک ہے۔ اسی طرح جاپان کا کوریا پر قبضہ رکھنا اُس کی آزادی کے لئے ضروری ہو گیا۔

(د) زبردستی قبضہ اس حکمت عملی کی ابتدا ہندوستان سے ہوئی۔ بنگال کی حفاظت کے لئے اودھ پر قبضہ کیا گیا۔ اور اودھ کو محفوظ رکھنے کے لئے پنجاب

کو دبا لیا۔ اسی طرح افغانستان پر اگرچہ قبضہ نہ رہ سکا مگر معاہدوں کے ذریعے اُسے نیم آزاد ملک بنا دیا اور افغانستان کو کمزور کرنے کے لئے وسط ایشیا اور خلیج فارس میں ریشہ دوانیاں شروع کر دی گئیں۔ اسی طرح شاہ تھیبا کے ملک کو چھین لیا گیا اور غریب برما اپنی آزادی محض اس بنا پر کھو بیٹھا کہ اس نے فرانس سے تجارتی معاہدہ کیا تھا۔ لہذا انگریزوں کے لئے اس بہانہ سے اُس پر قبضہ کرنا ضروری ہو گیا۔ کوئی نہ کوئی بہانہ کسی ملک پر قبضہ کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے مثلاً فرانس نے الجیریا پر محض اس وجہ سے قبضہ کر لیا کہ وہاں کے حکمران نے فرانسوی گورنر کی توہین کی تھی۔ اسی طرح دو پادریوں کے قتل کی وجہ سے جرمنی نے سلطنت چین کے اندر تجارتی اور ملکی فوائد حاصل کر لئے۔

(ب) فوج کی ضرورت | یورپین اقوام نے اپنی شہنشاہیت کو اس وجہ سے اور ترقی دی کہ مفتوحہ ممالک کے آدمیوں کو فوج میں بھرتی کر کے اپنے ادنیٰ غلاموں کی طرح چند سکوں کے بدلے میں اپنی اغراض کے لئے جہاں چاہتے ہیں بھیج دیتے ہیں اور ان ہی سپاہیوں کے ذریعہ سے جو خود غلام ہیں دوسرے آزاد ممالک کو بھی غلام بنانے میں مدد لیتے ہیں۔ ہندوستان کے سپاہی اس طرح عرصہ سے کام میں لائے جا رہے ہیں۔ برما۔ عراق عرب۔ شام۔ افغانستان اور یورپ میں ہندوستان کے سپاہی اس خدمت کو انجام دے چکے ہیں اسی طرح فرانس اور جرمنی نے افریقہ کے سپاہیوں سے فائدہ اٹھایا ہے

قبضہ کا نیا طریقہ مندرجہ بالا طریقوں سے قبضہ کرنے کے علاوہ سب سے شائستہ طریقہ یہ ایجاد ہوا کہ کسی ملک کے محاصل و ذرائع آمدنی پر اس قرضے کے سود کے بدلے میں قبضہ کر لیا جاتا ہے جو اُن ممالک کو دیا جاتا ہے مثلاً ایران میں تمباکو کا ٹھیکا ایک انگریز کمپنی نے لیلیا اور تمباکو کی گرانی نے ایرانیوں کو مجبور کیا کہ وہ بغاوت کریں اور اُس روپیہ کو جو شاہ نے بطور نذرانہ کے لیا تھا واپس لائیں اسی طرح سلطان عبدالعزیز نے اپنی عیاشی کی وجہ سے مقروض ہو کر مراکش کو فرانس کے قبضہ میں دیدیا۔ اور خدیو اسمعیل نے مصر کو انگریزوں کے زیر اثر صرف قرض ہی لیکر بنا دیا جو رفتہ رفتہ بالکل انگریزی قبضہ میں آگیا۔ مگر اس امر کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جتنے ممالک یورپ کے قبضہ میں آتے ہیں وہ دول یورپ کے آپس کے سمجھوتہ سے فتح کئے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی قوت کا توازن قائم رکھا جاتا ہے۔ مراکش پر فرانس کو اس وجہ سے قابض ہونے کا حق ،، حاصل ہوا کہ انگریز مصر پر اپنا اثر قائم کر چکے تھے۔ اسی طرح شام اور سلیشیا پر فرانس نے اور عراق عرب وغیرہ پر انگریزوں نے قبضہ کر کے توازن قوت قائم رکھا۔ اسی طرح افریقہ کے اندر ہزاروں لاکھوں مربع میل زمین پر وہاں کے سادہ لوح سرداروں کو دھوکہ دیکر کوڑیوں کے مول خرید لیا۔

شہنشاہیت کا ۱۷ ترقی بہرحال مندرجہ بالا طریقوں سے شہنشاہیت کی ترقی ہوئی اور دو قسم کے انسانوں پر قبضہ کیا گیا۔

(الف) غیر مہذب اقوام پر

(۱) اول وہ اقوام جو بالکل جاہل اور غیر مہذب تھیں۔ مثلاً افریقہ کے اندرونی اور جنوبی باشندگان جو یورپین تمدن کے مقابلہ میں بالکل کندۂ ناتراش تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا جو جانوروں اور غلاموں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ وجہ یہ ہے کہ غلام کا مالک اُسکو اپنی ملک سمجھکر حتی الامکان محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر اُن مفتوح حبشیوں سے اتنا کام لیا جاتا ہے جو اُن کی طاقت سے باہر ہے اور جسکا یہ منشا ہے کہ جہاںتک ممکن ہو ان کے ذریعہ سے روپیہ کمایا جائے اور اگر وہ فنا ہو جائیں تو اُن کی جگہ سفید رنگ والے آباد ہو جائیں شرابخانوں کی ترقی ہو رہی ہے افیون اور اسلحہ آزادی سے فروخت ہوتے ہیں اور بدکاری کے بڑھنے سے امراض کی ترقی ہو رہی ہے۔ اور ریل تار سڑکیں وغیرہ (جو خود تجارتی اور فوجی اغراض کے لئے ضروری ہیں) جاری کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ تہذیب و تمدن میں ترقی کی جا رہی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ غلامی کا بدترین دور دورہ شروع ہوا ہے۔

(ب) مہذب اقوام پر

مغربی تہذیب کا اُن اقوام پر بہت کم اثر ہوا جو بذات خود اپنی مخصوص تہذیب رکھتی تھیں۔ ہندوستان میں ہندو قوموں کی تفریق اور پرانا طرز عمل اب تک باقی ہے۔ مصر، عرب اور موجودہ ممالک اپنی پرانی تہذیب پر قائم ہیں۔ بخلاف اس کے کل مہذب اقوام مغربی دنیا کے خلاف سخت جدوجہد میں مشغول ہو گئی ہیں اور اپنی آزادی رسم و رواج اور تہذیب و شائستگی کے

قیام کے لئے کوشاں ہیں۔ ہندوستان۔ اور تقریباً کل ممالک مشرقی میں آزادی و خود اختیاری کے جذبات موجزن ہو رہے ہیں۔ اس تجدیدی تحریک کو شہنشاہی سلطنتوں نے زیادہ تیز کردیا ہے

شہنشاہی طرز حکومت اگر شیا ولی زندہ ہوتا تو اسے یہ دیکھکر نہایت ہی مسرت ہوتی کہ شہنشاہیت پسند سلطنتیں کس طرح اس کے اصولوں کی پیروی کر رہی ہیں۔ مندرجہ ذیل طریقوں سے عموماً مفتوح اقوام پر حکومت کیجاتی ہے۔

(۱) **تقسیم** کوشش کیجاتی ہے کہ کسی ملک کے باشندوں میں تفریق پیدا ہوجائے چونکہ اس مسلمہ کو رومیوں نے پہلے ہی مان لیا تھا کہ محکوموں کا اتحاد سلطنت کرنے والوں کے لئے مہلک ہے۔ لہذا ہندوستان میں ہندو مسلم نفاق۔ عراق میں شیعہ سنی نفاق اسی طرح ہر مفتوح ملک میں باشندوں کے نفاق کے ذریعے سے حکومت کی جاتی ہے۔

(۲) **خطابات** ایسے لوگونکو جو شہنشاہی اصولوں کی ترقی میں مدد دے سکتے ہیں خطابات تمغے اور اسی قسم کے نام نہاد اعزاز دیکر حکومت کو مضبوط کیا جاتا ہے۔

(۳) **رئیسوں کو آزادی** وہ رئیس یا قبیلوں کے شیوخ یا ملک کے سربرآوردہ اور ذی اثر مذہبی پیشوا وغیرہ جو شہنشاہیت کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں اور بے چون وچرا کل احکامات کو مانتے ہیں اپنی ریاست یا قبیلہ یا جماعت پر آزادی سے جس قسم کی حکومت چاہیں کر سکتے ہیں اور شہنشاہیت اُن کی حفاظت اپنی فوج سے

کرتی ہے۔

(۴) سول سروس | سول سروس (یا حکام ملکی) عموماً اسی قوم کے ہوتے ہیں جو حاکم ہے۔ محکوم اقوام میں سے صرف معدودے چند افراد اس عزت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں اس نسلی امتیاز کو حکومت کی شوکت اور خودغرضانہ ضروریات کے لحاظ سے قائم رکھا جاتا ہے۔

(۵) تعلیم اور تبلیغ | محکوم اقوام کی تعلیم ایسی ہوتی ہے کہ وہ سوائے شہنشاہی نظام کے منشی بننے کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں اُن لوگوں میں رفتہ رفتہ مندرجہ ذیل باتوں کی تبلیغ واشاعت کیجاتی ہے جسے وہ خود اپنے اندر محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل نفسیات اور فطرت انسانی پر مبنی ہوتا ہے یعنی

(الف) یہ کہ تم (یعنی محکوم اقوام) سلطنت کرنے کی اہمیت نہیں رکھتے۔

(ب) تمہارے دماغ نہ تو سائنس میں ترقی کر سکتے ہیں نہ تجارت اور صنعت میں۔

(ج) موجودہ حکومت ہی سب حکومتوں سے بہتر ہے اور اتنی قوی ہے کہ کسی صورت سے آزادی یا اُن کی مساوات نہیں حاصل ہو سکتی۔ لہذا سوائے خوشامد کے چارہ نہیں ہے

مندرجہ بالا مضمون اگرچہ زیادہ طویل ہو گیا ہے۔ تاہم شاہنشاہیت کے متعلق مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنی نے سفرنامہ شیخ الہند میں اپنے ذاتی تجربے سے جو باتیں لکھی ہیں وہ تاریخی حیثیت سے نہایت دلچسپ ہیں۔ چند اقتباسات

مضمون بالا کی تفصیل کے طور پر درج ذیل ہیں۔

مصر کی حالت

جیسے کہ مشرق کی آبادیاں عموماً اور اسلام کی خصوصاً مغرب کے ناپاک ہاتھوں سے مدتوں سے ذبح ہو رہی ہیں اُسی طرح مصر بھی ہے۔ ان آبادیوں میں جو ملک زیادہ زرخیز ہوا، تجارتی یا صناعتی حیثیت سے اُس کی اہمیت زیادہ ہوئی سیاسی وقعت اس میں کچھ زیادہ پائی گئی، وہ بہت ہی مظلوم اور نہایت ہی بے طرح اور بیدردی کے ساتھ ہلاک کیا گیا اُس کے ہاتھ پیر۔ ناک۔ کان دل و دماغ سب ہی علیحدہ علیحدہ اور ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ یورپ کو مثل بادشاہان قدیم فقط ہوس ملک گیری ہی نہیں ہے۔ اُس کی طمع پچھلے بادشاہوں سے صدہا گونہ زیادہ ہے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ملک لیوے، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر محکمہ کی باگ اور ہر دائرہ کا حل وعقد اسکے ہاتھ میں ہو، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ تجارتیں بھی ہضم کرے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ صناعتیں بھی غپ کر جائے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ ذرائع دولت خواہ معادن ہوں یا عملی کمپنیاں سب اُسی کے پاس ہوں وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تعلیم اور تہذیب اخلاق ہر ملک کا اسکے زیر نظر اور اُس کی رائے اور اُس کے مفید طریقہ پر ہو۔ خواہ ملک کے لئے مفید ہو یا نہ ہو۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ مذہب بھی ہر ملک کا اُسی کے قبضہ میں ہو، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دولت اور زراعت بھی اُسی کے زیر تحویل ہو۔ اُس کا مقصد یہ ہے کہ جملہ طرق خوشحالی اور جملہ شعبہائے ترقی اُسی کے ہاتھ میں ہوں۔ دوسری اقوام فقط غلامی کے اُس درجہ پر رہیں جس سے وہ زندہ رہکر چوپاؤں کی طرح اُس کی خدمت کر سکیں۔ بلکہ بعض جگہوں کے معاملات کو

یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ دوسری اقوام کی زندگی بھی نہیں چاہتا
محمد علی پاشا اور اس کی اولاد نے مصر کی ترقی کی نسبت بہت زیادہ ہمت اور کوشش سے کام لیا مگر یوروپین فلک کو اسلامی اور مشرقی حکومت کا عروج کب گوارا تھا اس نے ہمیشہ ایسے چکر دیئے کہ انسانیت اور تمدن کے نام پر مثل ایشیا وغیرہ مصر کو بھی بھینٹ چڑھنا پڑا۔ اس کا بھاری اور قیمتی بیڑہ بندرگاہ نادرین پر نہایت عدالت اور غایت انصاف اور کمال انسانیت کی وجہ سے تمامہ برطانی امیر البحر نے ڈبو دیا اس کی فوجی قوت کو برٹش گورنمنٹ نے سلطان عبدالمجید سے صلح کرانے کی پالیسی میں نہایت کم اور کمزور کر دیا۔ کارڈ املکی حصہ سوڈان کا جس کو مصری اور غیر مصری یعنی ہندوستانی فوجوں کے ذریعے سے سوڈانی مسلمانوں کا خون بہا کر جب کہ وہ آزادی کے لئے کوشش کر رہے تھے فتح کیا گیا تھا اس سے جدا کر کے خالص برطانی قرار دیدیا گیا۔ اعرابی پاشا اور رعایا کو ایک طرف اور خدیوی کو دوسری طرف بھڑکایا گیا۔ اور آپس میں مصالحت و نیز محافظت تخت خدیوی کی غرض سے مصر کی حمایت اور مداخلت کی نوبت آئی۔ اب ہم ان باتوں کو دوہرانا نہیں چاہتے۔ مصر کے نظام کو بہت ہی غیر منظم دکھلایا گیا۔ ہر ہر شعبہ میں ایک مستشار برطانی رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہر وزیر اور ہر بڑے افسر کے ساتھ ایک بہت بڑی تنخواہ والا مستشار برطانی رکھا گیا جس نے تمام امور کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مصری مسلمان افسر فقط صورت کابت اور کاٹ کا اُتو رہگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر کی اصلی آبادی ۱۵/۱۴ مسلمان اور ۱/۱۵ قبطی عیسائی ہیں۔ اس لئے یہاں پر مختلف پالیسیوں کی ضرورت خیال کی گئی۔ عموماً محکموں میں عیسائی داخل کئے گئے۔ قبطی یا یونانی۔ اٹالین۔ فرنچ وغیرہ وغیرہ زور در

دے دیکر ٹھونسے گئے چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے محلے ایسے ہو گئے جہیں مسلمان نام تک کو باقی نہ رہ گیا۔ پھر عیسائیوں کو اشتعال دی گئی کہ وہ مسلمان ملازموں پر اس قسم کے تشددات کریں جن کی وجہ سے وہ خود فارغ ہوجائیں اور اگر نہ ہوں تو ان پر جھوٹے سچے الزامات ایسے قائم کیے جائیں جن کی بنا پر ان کو علیحدہ کردیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے جیلخانہ کے محافظ سپاہیوں پر بھی ہیڈ کانسٹبل تک عیسائی اٹالوی تھے جن کی تنخواہیں بھی بڑی بڑی تھیں۔ ہتھیار تمام مسلمانان مصر سے چھین لیے گئے اور انکا رکھنا جرم قرار دیدیا گیا لیسنس کے بغیر کوئی ادنیٰ درجہ کا ہتھیار نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے تمام مسلمانان مصر بے دست و پا اور چوڑی پہننے والی عورتوں جیسے ہو گئے۔ جیسا کہ اہل ہند ہیں۔

امور تجارت میں بھی یہی معاملہ ہوا یونانی یا دیگر عیسائی اقوام کو ہر قسم کے ٹھیکے وغیرہ دلوا کر اور دوسرے طریقوں سے اعانتیں کر کے انکی تجارتوں کو فروغ دیا گیا جس کی بنا پر تمام مصر میں بڑا حصہ تجارت اور نیز کارخانوں وغیرہ کا یورپین اور مسیحی قوموں کے ہاتھ میں ہے۔

نفاق پھیلانے کی کوشش

مصریوں کے مذہبی جذبات کے کمزور کرنیکی بھی پوری کوشش عمل میں لائی گئی۔ ان میں بددینی مختلف طریقوں اور ہر پہلو سے پھیلائی گئی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری اور متمول

لوگ بہت جلد آزاد خیال ہو گئے مگر ساتھ ہی اُس کے اس طبقہ میں قومیت کا
خیال یورپ کی بدقسمتی سے بہت زور کا پیدا ہو گیا۔ اصحاب ثروت لوگوں پر
حکومت کی جانب سے دباؤ ڈال کر ان کو قومی افکار اور ملکی ترقی سے فقط روکا ہی
نہیں گیا بلکہ ان کو حزب وطنی کی مخالفت پر آمادہ کیا گیا اور ہر پہلو سے ان کے ذریعے
مخالف کوشش عمل میں لائی گئی۔ اہل وطن میں اختلاف پھیلانے کی اسپرٹ نہایت
زور سے بکھیری گئی۔ عام کاشتکاروں سے ایسی پالیسی اختیار کی گئی جس کی وجہ سے
ان کو خاندان خدیوی اور مصری حکام سے سخت نفرت ہو گئی اور اسی کی ابتک
کوشش کی جارہی ہے۔ عام اہل شہر پر مصری چھوٹے حکام کے ذریعہ
سے تشددات بیجا ہر معاملہ میں کرائے گئے۔ پھر اگر شکایت برٹش افسر
پہنچ گئی تو اُن پر مراحم خسروانہ برسائے گئے۔ مصری حکام کو تنبیہ کی گئی جس کی
وجہ سے عوام کو یقین ہو گیا کہ برطانی حکام نہایت رحیم و عادل ہیں۔ جو
کچھ مظالم ہر آئے دن ہوتے اور شدائد عمل میں آرہی ہیں۔ وہ سب
مصری حکام کی جانب سے ہیں۔ اسی کے قریب ہندوستان میں عمل میں آرہا ہے۔
انگریزی پالیسی ہمیشہ اور ہر ملک میں یہی رہی ہے کہ اہل ملک و وطن سے ہمیشہ
مظالم کرائے جاویں تاکہ قوم میں نفاق و شقاق ہو جایا پر رعب بجے قتل
و قتال میں وہی آپس میں برباد ہوں۔ انہیں پر سدا الزام رہے۔ ہم پاک دامن
ستھرے بنے ہوئے سب کے خون چوستے رہیں۔ اگر ہم تک شکایت پہنچے تو

ہم اس سے ابتری ظاہر کردیں۔ اس لیے یہی پالیسی مصر میں بھی اختیار کی گئی علاوہ اسکے اگر بڑے حکام ستم اور جبر کے طلبگار اور عادی نہ ہوں تو ممکن نہیں کہ چھوٹے حکام بڑے بڑے مظالم کریں ؎

بہ نیم بیضہ جو سلطان ستم روادارد	زنند لشکریانش کباب مرغ بسیخ

الغرض طرح طرح کے جال سے وہاں مسلمانوں اور اہل وطن کی قوتوں کے ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہیں۔ مصارف اس قدر بڑھا دیے گئے ہیں کہ آمدنی سے قرضہ ملکی کا ادا ہونا تو درکنار اس کا سود ہی سالانہ ادا ہونا مشکل اور دشوار ہوگیا ہے۔ پھر اگر کبھی کچھ جمع ہوگیا تو دور دراز ملکوں کی جائدادیں خریدوادی گئیں جن کی حفاظت ہی کرنا مصر کو دشوار ہے اُن سے نفع اُٹھانا تو درکنار۔

اس کے علاوہ سیکڑوں پیچیدگیاں ڈالی گئی ہیں اور ڈالی جا رہی ہیں جن سے ہم اپنے رسالہ کو ناپاک کرنا نہیں چاہتے۔

من حال دل زاہد با خلق نخواہم گفت
کین قصّہ اگر گویم با چنگ و رباب اولی"

بہترین سلطنت کونسی ہو سکتی ہے

اقسام حکومت وسلطنت کے بیان کرنے کے بعد اسکی ضرورت ہے کہ یہ بتایا جائے کہ مندرجہ بالا اقسام میں کسی طرز حکومت کو فضیلت دیجائے ۔ طوالت کے خوف سے ہم مختصراً صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ کسی خاص نظام سلطنت کو کل دنیا کے ملکوں کے لئے فائدہ مند اس وجہ سے نہیں کہا جاسکتا کہ بعض اقوام ایسے ممالک میں رہتی ہیں جو جغرافیائی حیثیت سے دوسرے ممالک پر فوقیت رکھتے ہیں اور بذات خود وہ اقوام دوسری اقوام سے ترقی یافتہ ہیں ۔ لہذا ہر ایک ملک کا نظام سلطنت اگر ملکی اور تمدنی اعتبار سے ایسا ہو کہ سلطنت حقیقی معنوں میں ذی حیات ہستی کی طرح پورے طور پر ترقی کرسکے اور ملت کو کسی قسم کی اندرونی یا بیرونی رکاوٹ نہ پیدا ہو تو وہ نظام خواہ جمہوری ہو یا بادشاہی موزوں کہا جاسکتا ہے ۔

باب سالج

سلطنت کا عروج و زوال

تمہید

سلطنت کے عروج کا مسئلہ دو طریقوں سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے ایک طریقہ تاریخی دوسرا طریقہ فلسفی - یعنی اول تو ہم کو ان اسباب پر غور کرنا چاہیے جن سے حقیقتاً سلطنتوں کا عروج ہوا ہے - دوسرے تمام سلطنتوں کے اُن بنیادی اصولوں (قانون عدل) پر غور کرنا چاہیے جن پر سلطنتوں کی ترقی کا انحصار ہے - ان میں سے ایک مسئلہ تاریخ کے متعلق ہے اور دوسرا فلسفہ سے تعلق رکھتا ہے - قبل اسکے کہ ہم فلسفیانہ بحث شروع کریں ہمیں ملل عالم کے تاریخی تجربات پر نظر ڈالنا ضروری ہے -

ابتدائی سلطنتوں کی بنیاد اسوقت پڑی جبکہ علم تاریخ کا نشان بھی موجود نہ تھا چونکہ تاریخ کی ابتدا اسوقت تک نہیں ہوئی جب تک کئی ملتوں نے سلطنتیں قائم کرکے انہیں ترقی نہیں دی اور علوم کی طرف توجہ نہیں شروع ہوئی یہودیوں کی سلطنت کے متعلق انکی مذہبی کتابیں کچھ معلومات بہم پہنچاتی ہیں لیکن وہ بھی اپنی سلطنت سے پہلے مصری حکومت کا موجود ہونا بتاتی ہیں اور غالباً ہندوستان اور فونیشیا کی سلطنتیں مصریوں کے لئے

نمونہ بنی تھیں ۔ مگر اس کے متعلق ہندوؤں کی مذہبی کتابیں کچھ معلومات بہم نہیں پہنچاتیں ۔

اس زمانہ سے اب تک تاریخ ہزاروں ملتوں کے عروج و زوال کو دیکھا ہے ۔ یورپ کی سیکڑوں سلطنتیں صدیوں پہلے فنا ہو چکی ہیں ۔ ایشیا اور مصر کی عظیم الشان سلطنتوں کا نام و نشاں بھی موجود نہیں ہے ۔ جو سلطنتیں اب قائم ہیں وہ اس زمانہ میں شروع ہوئی ہیں جسکا علم پورے طور پر تاریخ رکھتی ہے ۔ اسمیں سے بعض بالکل کم عمر ہیں اور بعض کی بالکل ابتدا ہے لہذا وہ اثرات واسباب جنکی وجہ سے یہ سلطنتیں قائم ہوئیں اور ہو رہی ہیں ہماری نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں ۔

سلطنت کے عروج کا سوال صرف تاریخی اور نفسی دلچسپی نہیں پیدا کرتا بلکہ یہ سلطنت کی زندگی پر ایسا اثر ڈالتا ہے جو برابر قائم رہتا ہے ۔ اور یہ طرز ترقی دوسری سلطنتوں پر بھی خاص اثر ڈالتا ہے ۔ قانون عامہ کے لئے سلطنتوں کی ترقی اور انکے ماخذ کا بنظر غائر سے مطالعہ کرنا اسی وجہ سے نہایت ضروری ہے ۔ اسی کے مقابلہ میں قانون شخصی کے لئے حصول مال کے مختلف ذرایع اور انکی اقسام کا مطالعہ اتنا ضروری نہیں ہے

مقالۂ اول اشکال تاریخی

عروج سلطنت کی تین تاریخی شکلیں ہوسکتی ہیں:-

شکل حقیقی | (۱) سلطنت کی حقیقی صورت یا شکل اول یہ ہے کہ کسی ملک کے باشندے خود ایسی سلطنت قائم کریں جو کسی دوسری سلطنت سے ماخوذ نہ ہو۔

شکل ثانوی | (۲) سلطنت کی شکل ثانوی یہ ہے کہ ایسی سلطنت باشندگان ملک کی کوششوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مگر اس کی بنا ایسی سلطنتوں پر ہوتی ہے جو اس سے پہلے سے موجود ہیں۔ وہ قدیم سلطنتیں یا تو منقسم ہو کر کئی نئی سلطنتیں قائم کرلیتی ہیں یا ایک ہی سلطنت کے کئی حصے الگ آزاد سلطنت قائم کر لیتے ہیں۔

شکل ماخوذ | (۳) سلطنت کی شکل ماخوذ یہ ہے کہ اسکی بنیاد اور نشو ونما بجائے اندرونی کوشش کے بیرونی اثرات سے ہوتی ہے جو دوسری سلطنتوں کے ذریعہ سے اس ملت میں پہنچتے ہیں۔

اب ہم ان تینوں شکلوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔ مگر اس امر کو نظرانداز کرنا چاہیئے کہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ نظام حکومت کے تبدیل ہوتے ہی نئی سلطنت قائم ہوجاتی ہے تو یہ غلطی ہوگی بلکہ نظام کی تبدیلیاں اسی سلطنت کے مختلف مدارج ہوتے ہیں جسطرح روم الکبرے میں پہلے سلطنت آئینی تھی بعدہ سلطنت شہنشاہی ہوئی مگر سلطنت وہی رہی یعنی طرز حکومت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ سلطنت میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ پرانی سلطنت

ترقی یا تنزل کرکے نئی صورت میں آگئی۔

ا۔ شکل حقیقی یا شکل اول

قطعی نئی سلطنت کی بنا | ہم نئی سلطنت کے قیام کو ومتہ الکبرے کے قصہ معلوم کرسکتے ہیں جہاں مختلف نسلوں کے چند سرداروں کے ماتحت ایک نئی سلطنت کی بنیاد پڑی اور ابتدا ہی سے وہ بحیثیت ایک ملت کے نمودار ہوئے۔

ب۔ سیاسی تنظیم | کسی ملک وقوم میں سیاسی تنظیم سے سلطنت کا ظہور ہوسکتا ہے اور سیاسی احساس کے پیدا ہوتے ہی ایک باقاعدہ نظام حکومت مرتب ہوتا ہے۔ جسکی تاریخی مثال جمہوریہ آئیلینڈ سے دی جاسکتی ہے۔ ابتدا میں اس جگہ مختلف سرداروں کی بستیاں تھیں۔ اور سب علیحدہ علیحدہ قائم تھیں۔ لیکن ایک شخص کی تجویز کے مطابق ایک متحدہ مجلس قائم کی گئی۔ اور اس پورے جزیرہ کی آبادی ایک متحدہ ملت بن گئی۔ اسیطرح امریکہ میں سلطنت کلیفورنیا کی بنیاد پڑی اس جگہ سونے کی تلاش میں ہر ملک وملت کے آدمی جمع تھے جو آخرکار ۱۸۴۹ء ایک متحدہ مجلس قائم کرکے ملت واحد کی صورت میں تبدیل ہوگئے۔

ج۔ کسی ملک پر قبضہ | اکثر ایسا ہوا ہے کہ ملت کی ترتیب کے بعد اس ملت نے بزور شمشیر کسی ملک پر قبضہ کیا۔ اسمیں شک نہیں کہ جنگ تباہ کن ہوتی ہے مگر سلطنت کے قیام پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس قسم کی سلطنتوں کی ابتدا میں قبائل مفتوحہ کی تنظیم میں سخت دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ یہودی سلطنت جب قائم ہوئی تو انہوں نے

بزور شمشیر باشندگان مفتوحہ کو فلسطین سے نکال باہر کیا۔ تاکہ اندرونی مشکلات کا سامنا نہو۔ سکندر کا قول مشہور ہے "کہ فاتح حکم نافذ کرتا ہے اور مفتوح کو ماننا پڑتا ہے" یہی خیال عموماً ہر ایک جنگی قوم میں جاری ہے۔ جنگ ایک بین الملل مقدمہ سمجھا جاتا ہے اور عقلمندی کو فاتح قوم کے حق میں خدائی فیصلہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن مشرقی تخیل خصوصاً ہندوستان و جاپان میں یہ بات شروع ہوگئی ہے کہ بجائے جسمانی فتح کے روحانی فتح زیادہ دیرپا اور قابل ترجیح ہے اور ہندوستانی مذہب کو دوسری قوموں پر غالب کرنا اپنی تہذیب کو خواہ وہ کتنی ہی ذلیل اور ابتدائی درجوں میں کیوں نہ ہو مٹا دینے کا حق نہیں ہے۔

(۲) نوآبادی | نئی سرزمین میں کسی ملت کی سلطنت جداگانہ نوآبادی کے ذریعہ سے قائم ہوسکتی ہے۔ غیر آباد ممالک میں نوآبادیوں کا قیام نئی سلطنتوں کے ظہور کا باعث ہوتا ہے۔ ایسی سرزمین میں اگر وہاں کے اصلی باشندے نہوں تو نوآبادباشندوں کو اتنی دقت نہیں ہوتی جتنی کہ مفتوحہ ملک میں ہوتی ہے۔ مثلاً انگریزوں کو آسٹریلیا میں اتنی دقت نہیں پیش آئی جتنی کہ جنوبی افریقہ میں بوروں سے یا ہندوستان میں ہندوستانیوں سے

۲۔ اشکال ثانوی

سلطنت مرکب | دو یا دو سے زیادہ سلطنتیں ملکر ایک سلطنت مرکب قائم کرسکتی ہیں اسکی وجہ یا تو ایک دوسرے کی کمزوری ہوتی ہے یا ایک مضبوط ملت کے قیام کا خیال غالب ہوتا ہے۔ افراد ملت کے باہمی اتحاد سے نہیں بلکہ سلطنتوں کے باہمی اتفاق سے اس قسم کی مرکب سلطنت قائم ہوتی ہے۔ اس قسم کا باہمی معاہدہ یونان قدیم کی مختلف سلطنتوں میں تھا۔ اور فی زمانہ قفقاز و ممالک متحدہ امریکہ وغیرہ سے

اسکی مثال دی جا سکتی ہے۔ مگر اس مرکب سلطنت کی دو الگ الگ قسمیں ہیں۔

(الف) ارتباط | کئی سلطنتوں کے سیاسی ارتباط سے کم از کم ظاہری یکجہتی معلوم ہوتی ہے اور ایک ہی کامل سلطنت معلوم ہوتی ہے۔ تاہم یہ سلطنت واحد نہیں ہوتی۔ ایسی مربوط سلطنتوں کا انتظام یا تو ایک سلطنت کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو حیثیت صدر کے کام کرتی ہے یا مجلس وکلا کے سپرد ہوتا ہے۔ جو ہر سلطنت سے منتخب ہو [illegible]

(ب) ۲ اتحاد | سلطنتوں کے اتحاد میں نہ تو انتظام کسی خاص سلطنت کے سپرد ہوتا ہے نہ کسی مجلس وکلا کے سپرد یہ کام ہوتا ہے۔ بلکہ کل سلطنتوں کی ایک ہی متحدہ سلطنت پیدا ہو جاتی ہے اس قسم کی سلطنت ممالک متحدہ امریکہ کی ہے اور ۱۸۴۸ء سے سوئٹزرلینڈ نے بھی اسی طرز عمل کو اختیار کر لیا ہے۔

۲۔ اتحاد | کسی ایک حاکم کے ماتحت یا بالکل نئی سلطنت کے قیام کی صورت میں دو یا دو سے زیادہ سلطنتوں کا اتحاد قائم ہوتا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(الف) شخصی اتحاد | شخصی اتحاد غیر مکمل اتحاد کو کہتے ہیں۔ اگر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ایک ہی شخص کو وراثتاً دو مختلف سلطنتوں کی حکومت پہنچی ہے۔ ایسا اتحاد اس وقت تک رہتا ہے جب تک یہ وارث تاج زندہ ہے۔ اس قسم کے اتحاد میں نہ تو نئی سلطنت پیدا ہوتی ہے اور نہ دونوں ملتوں سے ایک نئی ملت کا ظہور ہوتا ہے۔ صرف ایک بیرونی تعلق دو آزاد سلطنتوں کو متحدہ کر دیتا ہے۔

(ب) اصلی اتحاد | شخصی اتحاد ایک قسم کا ارتباط ہے۔ اس سے بالاتر ارتباط کو اصلی اتحاد کہتے ہیں

اس میں نہ صرف حاکم اعلیٰ وہی شخص ہوتا ہے بلکہ کل سلطنتوں کی ایک حکومت اعلیٰ ہوتی ہے جو قانون جاری اور انتظام قائم کرتی ہے۔ شخصی اتحاد سے ترقی کر کے اصلی اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ ممالک متحدہ کی چھوٹی ریاستیں اگرچہ اپنا الگ نظام حکومت رکھتی ہیں مگر کل ریاستوں کی متحدہ سلطنت اصلی اتحاد کی صورت میں ہے اسکی مثال آسٹریا ہنگری کی متحدہ سلطنت سے دیا سکتی ہے۔

(ج) اتحاد کامل | مختلف سلطنتوں کی علیحدگی [illegible]
اور یہ سلطنت مرکب نہیں ہوتی بلکہ سلطنت واحد ہوتی ہے۔ انگلستان اور سکاٹلینڈ کا شخصی اتحاد [illegible] میں اتحاد کامل ہو گیا اور [illegible] میں آئرلینڈ بھی اس اتحاد میں [illegible] کیا۔

۳۔ تقسیم | متذکرہ بالا اتحاد سے مختلف [illegible] سلطنتوں کے قیام میں تقسیم [illegible]
ایک بڑی سلطنت تقسیم ہو کر دو یا دو سے زیادہ سلطنتوں میں تقسیم ہو سکتی ہے [illegible]
تین خاص صورتیں ہیں۔

(الف) تقسیم ملکی | تقسیم اس وقت ہوتی ہے جب دو یا دو [illegible]
دوسرے سے [illegible] ہوتی ہیں کہ [illegible]
ظاہری انبساط ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں قوت انتظام کی کمزوری یا حکومت خود مختار کی خواہش ان سلطنتوں کو الگ الگ کر دیتی ہے [illegible] سلطنت کے آخری دور میں مختلف صوبے اور ریاستیں جو ایک متحدہ سلطنت کی صورت میں [illegible] الگ ہو گئیں

ہو جاتی ہیں۔ اول خودداری یعنی قومی عزت کا پاس و لحاظ اور حقوق قومی کے چھینے جانے یا غصب ہونے پر اظہار نفرت و حقارت کا پیدا ہونا ضروری ہے ہر قوم و ملت میں یہ جذبۂ انسانی موجود ہوتا ہے۔ مگر عرصہ دراز کی غلامی و محکومی کے بعد یہ فطرتی جذبہ مردہ ہو جاتا ہے۔ افریقہ کی اقوام میں صدیوں کی غلامی نے خودداری و عزت قومی کو قطعی نابود کر دیا ہے۔ بخلاف اس کے آئرلینڈ۔ مصر ہندوستان عرب اور وسط ایشیا کی اقوام میں یہ پاک جذبہ کم و بیش موجود ہے

ایثار ایثار یعنی افراد کا ذاتی مسرت اور دولت کو قومی آزادی پر قربان کر سکنا بھی اخلاق آزادی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اور بغیر قربانی و مصیبت اٹھائے حاصل نہیں ہوتا۔ کسی قوم کی آزادی تو بہت بڑی چیز ہے دنیا میں معمولی کام بھی بلا ایثار انجام نہیں ہوتے۔

بے غرضی و یکجہتی حصول آزادی کی جدوجہد میں پوری قوم کی یکجہتی ضروری ہے۔ اور یکجہتی بے غرضی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ عموماً وہ لوگ بھی جو آزادی کے مخالف ہوتے ہیں زبانی آزادی کی تحریکوں میں ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ اگر ان کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ آزادی کے بعد ہمارے ذاتی حقوق کو صدمہ نہ پہنچے۔ یا اس سے عامہ کا اثر ... ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ عموماً یہ طبقہ اپنے آپ کو اعتدال پسند کہتا ہے اور خود غرضی سے ایسی تجاویز پیش کرتا ہے جس میں اس کا ذاتی فائدہ ہوتا ہے۔ یہ طبقہ درحقیقت قومی آزادی میں سخت رخنہ انداز ہوتا ہے اور جب تک اپنی ذاتی اغراض و مفاد کو چھوڑ کر قومی بے غرضی یکجہتی و اتحاد نہ قائم کرے جمہور قوم کی رائے پر عمل نہ شروع

کیا جائے قومی آزادی کے حصول میں دیپیدگی اور مشکلات پیدا ہو جائینگی

استقلال ماخوذ

۱۔ نوآبادیات (الف) یونان	قدیم یونانیوں کی نوآبادیاں ایشیائے کوچک اطالیہ اور صقلیہ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ نوآبادیاں بالکل نئی سلطنتیں قائم کرتی

تھیں اور اگرچہ مرکزی حکومت سے آزاد ہوتی تھیں مگر یونانی تمدن تہذیب اور رسم و رواج کی پابند ہوتی تھیں۔

(ب) روما۔	رومی نوآبادیاں سلطنت مرکزی کا ایک جزو سمجھی جاتی تھیں

اور دارالسلطنت پر اُن کا دار و مدار رہتا تھا یعنی روما اُنکی مرکزی حکومت ہوتا تھا یہ سلطنتیں نہ ہوتی تھیں بلکہ سلطنت رومی سے تعلق رہتی تھیں۔

(ج) موجودہ۔	موجودہ زمانہ میں بھی نوآبادیاں رومی نوآبادیوں کی طرح

مرکز سلطنت کا ایک جزو سمجھی جاتی ہیں۔ مگر موجودہ زمانہ کی نوآبادیاں زیادہ تر مرکزی حکومت سے آزاد ہیں اور آزاد ہوتی جاتی ہیں۔

۲۔ عطیۂ حقوق شاہی	حکومت خود اختیاری کے حقوق کا عطیہ بھی سلطنت ماخوذ

کی ناؤ ڈال سکتا ہے۔ اس کے حقوق و مراعات شنا یا ندرنتہ رفتہ کسی ملک کو آزاد حکومت قائم کرنے کا موقعہ دیتے ہیں۔ آئرلینڈ نے اپنی جد وجہد سے رفتہ رفتہ اتنے حقوق حاصل کئے کہ اب آزاد سلطنت کے نام سے موسوم ہے اور امید ہے کہ تھوڑے عرصہ میں قطعی آزاد سلطنت قائم کرلے۔

۳۔ اعلیٰ حاکم (یا بادشاہ) کی سلطنت گری	ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی بادشاہ اپنی خواہش کے مطابق کئی ملکوں کو ملا کر ایک سلطنت بنا دے جیسا کہ نپولین

یورپ میں کیا تھا۔ مگر یہ صورت دیرپا نہیں ہوتی اور قوت ترکیبی کی کمی ہو
تی ایسی سلطنت ٹوٹ جاتی ہے ۔

مقالہ دوم سلطنتوں کا زوال

تاریخ بتاتی ہے کہ ہر قوم و ملت [illegible] عروج کے بعد زوال کا [illegible] اسی طرح ضروری ہے جیسے طلوع کے بعد سورج کا غروب ہونا ضروری ہے۔ جس طرح انفرادی ہستیاں مختلف اسباب و علل کی وجہ سے واقع ہوتی ہیں اسی طرح سلطنتوں کا زوال بھی مختلف وجوہ سے ہوتا ہے۔ ہاں چونکہ [illegible] سلطنت زوال پذیر ہوتا [illegible] ہے کہ [illegible] عام [illegible] معلوم کر [illegible] کہ [illegible] سلطنت [illegible] کی خرابی اور اخلاقی ابتری کی وجہ سے زوال پذیر ہوئی [illegible] کہ اکثر عرصہ [illegible] خرابی حکومت اور بداخلاقی میں [illegible] مگر ان کا زوال نہیں ہوا۔ [illegible] قول [illegible] مخلوط النسل اقوام کی سلطنت جلد زائل ہو جاتی ہے۔ [illegible] خالص النسل [illegible] بہت سی [illegible] [illegible] اور [illegible] دور [illegible] غافور [illegible] [illegible] [illegible] زندگی کے [illegible] ضروری [illegible] [illegible] ہے کہ [illegible] سے [illegible] اس کا انکار نہیں ہو سکتا چونکہ سلطنت ایک ذی حیات ہستی کی مانند ہے [illegible] کبھی نہ کبھی [illegible] زوال کا ہونا بھی ضروری ہے [illegible] قوم اپنا [illegible] پھر [illegible] پردۂ فنا میں منہ چھپا لیتی ہے۔

انسان کی ترقی جاری ہے [illegible] کسی خاص سلطنت [illegible] اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ [illegible] عظیم الشان عالمگیر سلطنت جس میں کل [illegible] قائم ہو جا[illegible]

اُسوقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سلطنت اُسوقت تک باقی رہیگی جب تک نفس الانسانی کو بقا ہے۔

اکثر ایک سلطنت کے زوال پذیر ہونے ہی نئی سلطنت کا عروج ہوتا ہے۔ لہذا زوال سلطنت کے اسباب خصوصی درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ ملی بدنظمی بغاوت امن و انتظام کی ضد شورش و بغاوت ہے ۔ ایسی حالت میں ہر شخص جو چاہتا ہے کرتا ہے اور قانون کی پابندی نہیں کیجاتی سلطنت موجودہ تباہ و برباد ہوجاتی ہے۔ لیکن بغاوت کا زمانہ عرصہ دراز تک قائم نہیں رہتا تھا آریہ نسل میں یہ خصوصیت ہے کہ جب وہ شورش و بغاوت کی حالت میں ہوتے ہیں اُسوقت بھی وہ خاص قانون کے پابند ہوتے ہیں اور اپنے سخت سے سخت رہناؤں کی اندھا دھند پیروی کرتے ہیں۔ نشہ حریت سے سرشار انسانوں کے نتیجے کسی نہ کسی ایسے سخت دوربین تجربہ کار رہنما کی صورت نظر آتی ہے جس کی عوام پرستش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ اور پرانی سلطنت کی بنیاد پر نئی سلطنت کا ڈھانچا جوش و خروش سے کھڑا کیا جاتا ہے جو بعض اوقات گذشتہ نظام سلطنت سے بھی خراب ہوتا ہے

۲۔ ہجرت اکثر کسی حصۂ سلطنت کی آبادی کا دوسری سلطنتوں میں ہجرت کرجانا اُس سلطنت کی کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ سپین سے تمام مسلمان باشندوں کے نکل جانے سے وہاں کی زراعت کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچا ۔ اسی طرح ایران سے پارسیوں کے چلے جانے سے وہاں کی تجارت وحرفت خراب ہوگئی لیکن ایسی مہاجر قوموں کو دوسرے ملکوں میں مشکل سے نئی سلطنت قائم کرنیکی قوت ہوتی ہے۔

۳۔ فتح | کسی ملک کی فتح یا کسی ملت کا مفتوح ہو جانا زیادہ تر نئی سلطنت کی بنا ڈالنے کے بجائے پرانی سلطنت کے مٹانے میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ فاتح سلطنت کا رقبہ وسیع ہو جاتا ہے اور کمزور اقوام کی فرمانبرداری بظاہر انکی رضامندی کی وجہ سے بھی جاتی ہے۔ مگر درحقیقت یہ فرمانبرداری مجبوراً اور جبریہ ہوتی ہے۔ اور ایسے ناپاک افراد شاذ و نادر ہوتے ہیں جو اپنی ہستی کو مٹا کر یا اپنی تنزل کے بہتر ہوتے ہوئے دوسری قوم کے مفتوح ہونے پر فخر کریں۔

۴۔ انجذاب بالارادہ | کئی سلطنتوں کے باہمی اتحاد سے جب ایسی نئی سلطنت قائم ہو کہ وہ سلطنتیں اپنی ہستی مٹا دیں تو اس کو انجذاب بالارادہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ سلطنتیں جان بوجھ کے اپنے ارادہ سے اپنی ہستی کو بڑی سلطنت کی ہستی میں فنا کر کے اسی میں جذب ہو جاتی ہیں۔

۵۔ علیحدگی بالارادہ یا جبریہ | انجذاب کی ضد علیحدگی ہے جس میں یا تو ایک بڑی سلطنت بالارادہ کئی حصوں میں تقسیم ہو کر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ یا کوئی بیرونی طاقت اس کے حصے بخرے کر دیتی ہے سلطنت عثمانیہ۔ پولینڈ اور طرابلس کے اسی طرح جبریہ حصے کئے گئے جن سے سلطنتوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس قسم کی مدافعانہ قوت کا ایسے زمانہ میں استعمال سخت نخاش اور ہولناک نتیجے ہوا۔ الذکر صورتیں علیحدگی بالجبر کی مثالیں ہیں۔

۶۔ شاہی حقوق و ازدواجی | جس طرح شاہی حقوق و مراعات کے ملنے سے نئی سلطنتوں کا قیام ہو سکتا ہے اسی طرح ان سلطنتوں سے وہ

حقوق و مراعات چھین لیے جانے کے بعد اُن کی آزادی بھی جاتی رہتی ہے اور سلطنت فنا ہو جاتی ہے۔

مقالۂ سوم نظریاتِ فلسفہ

۱۔ فطری حالت

زمانۂ ماقبل تاریخ

فلسفی اکثر خیال کرتے ہیں کہ انسان کی فطری حالت میں
دنیا میں نہ کوئی سلطنت تھی اور نہ مختلف سلطنتیں قائم ہوئیں۔ عوام کا گمان ہے کہ دنیا
اُس قدیم زمانے میں بہشت کا نمونہ تھی جس میں نہ تو اقلیت تھی نہ ظلم و ستم کا نام
و نشان تھا۔ ایک مسرت اور بے فکری میں ہر شخص اپنی پرامن زندگی بسر کر رہا تھا۔
اور چونکہ ہر شخص بہت آسودہ حال تھا اور دولت جمع کرنے کا شوق پیدا نہ ہوا تھا کوئی شخص ذاتی
ملکیت حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا تھا۔ چونکہ ہر شخص مساوی حقوق رکھتا تھا لہذا
نہ امرا کا طبقہ تھا نہ غربا کی جماعت تھی۔ نہ تو حاکم تھے نہ محکوم۔ نہ ضعیف تھے
نہ قوی۔ نہ فوجیں تھیں نہ ٹیکس۔ غرضکہ ایسی حالت تھی کہ یہ قول صادق آتا تھا ؎

"بہشت آنجا کہ آزارے نباشد — کسے را با کسے کارے نباشد"

اس حالت کے مقابلے میں سلطنت کا قیام حرص و آز کی وجہ
سے ہوا۔ انسان مال و دولت کی طمع میں پڑ گیا اور رقابتیں ہونے لگیں۔ فوجوں کی
اور فوجی طاقت سے دوسروں کی قدرت ہوئی اور دنیا میں دولت کی وجہ سے
لڑائیوں کی ابتدا ہوئی۔ اس طرح سلطنت ایسی بری چیز تھی جو بیان سے باہر ہے۔

بحیثیت حالت سلطنت ضروری ہے

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ کس طرح فطری حالت میں انسان
ایک دوسرے سے جنگ کرنے پر مجبور تھا۔ اس طرح سلطنت
اگرچہ ایک خراب حالت تھی تاہم سلطنت کا نہ ہونا اس سے بھی خراب ثابت ہوا

چونکہ انسان پر امن زندگی بسر کرنا ہی نہ جانتا تھا۔

دونوں خیالوں کی تردید — دونوں خیال انسانی فطرت سے ناواقفی اور مدنیت کے پہلو فراموش کیے ہوئے ہیں۔ ارسطو نے ہزاروں برس پہلے اس خیال کو واضح ظاہر کیا کہ انسان فطرتاً سیاسی حیوان ہے۔ سلطنت قائم ہونے سے پہلے ہم انسان کے کسی نہ کسی قسم کے اجتماع کا خیال کر سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسی حالت میں انسانی فطرت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ سلطنت کا قیام اس لیے ضروری ہوا اور اس طرح سلطنت کبھی باعث خرابی نہیں ہوتی۔

۲۔ سلطنت بحیثیت نظام الٰہی

خدا کی براہ راست حکومت — سلطنت کا الٰہی نظام ہونا ہر زمانہ میں کئی طرح سمجھا گیا ہے۔

ایک خیال یہ ہے کہ خدا براہ راست حکومت کرتا ہے۔ ایسی حالت یہودی حکومت کی تھی۔

خدا کی بالواسطہ حکومت — دوسرا خیال یہ ہے کہ سلطنت کا حقیقی حاکم خدا ہے اور وہ اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی حاکمان دنیوی پر ظاہر کرتا رہتا ہے۔ خواہ وہ کسی مندر کے پجاری ہوں۔ یا کسی اور طریقہ سے اس امر کا دعا کرتے ہوں کہ انہیں الہام ہوتا ہے۔ گویا خدا حاکم حقیقی ہے۔

مگر اس کی حکومت کا ہنوں یا مذہبی طبقہ کے ذریعے سے (بالواسطہ) ہوتی ہے۔ یا خدا کسی نہ کسی طرح ان حکام یا بادشاہوں کا حامی رہتا ہے جو سلطنت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ تخیل نہایت شاندار ہے اور سلطنتوں کے عروج و زوال کو براہ راست خدائی احکام کی پابندی سے متعلق کرتا ہے لیکن ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ یہ خیال ایک خاص مذہبی طبقہ کا ہے۔ اور سیاسی فطرتِ انسانی کو فراموش کئے ہوئے ہے اس سے مندرجہ ذیل خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۔ **بادشاہی حکومت** چونکہ خدا مثل بادشاہ کے حکومت کرتا ہے اس لئے دوسری قسم کی سلطنتیں مثلاً آئینی و جمہوری بری نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ اور بادشاہی حکومت پسند کیجاتی ہے۔ اور اس کا خیال نہیں کیا جاتا کہ انسان اپنی خواہش و ضرورت کے مطابق جیسی حکومت چاہے بنالے۔

۲۔ **بادشاہ مثل خدائی نمایندے کے** بادشاہ کو خدا کا دنیاوی جانشین یا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے افعال منجانب اللہ سمجھے جاتے ہیں۔ یہ شرک نہایت حماقت پر مبنی ہے۔ اور خدا کی طاقت کا انسان کو شریک سمجھنا اسکو ایسی جگہ دیتا ہے جس کے وہ ہرگز قابل نہیں ہے۔

۳۔ **الٰہی احکام** جو احکام بادشاہ کی طرف سے جاری کئے جائیں وہ احکام الٰہی سمجھے جاتے ہیں۔ اس صورت میں انسانی قوت تمیز و قوت ارادی سلطنت میں کچھ دخل نہیں رہتا۔

۴۔ غیر ذمہ داری

چونکہ اُنکا حق خدا کی طرف سے سمجھا جاتا ہے لہذا بادشاہ جو کچھ بھی بھلائی بُرائی کریں اُس کے ذمہ دار خدا کے سامنے ہیں۔ انسان کے سامنے کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس قوت کے حاصل ہوتے ہی بادشاہوں میں مطلق العنانی پیدا ہوئی اور شرقی اقوام میں عموماً مسئلہ تقدیر نے زور پکڑا۔ مسلمانوں نے اس مسئلہ کی سند قرآن شریف کی اُس آیت سے کی جس میں خیر و شر کو اللہ کی طرف سے ہونا بتایا گیا ہے۔

جبر و قدر

مسلمان فلاسفروں کے اس مسئلہ پر دو گروہ ہو گئے اور اس کا سلطنت اسلامی پر بہت بڑا اثر پڑا۔ ایک فرقہ جبریہ ہو گیا اور ایک قدریہ۔ ایک فرقہ کا یہ عقیدہ ہوا کہ جب خیر و شر کا اندازہ ازل سے مقرر ہو گیا ہے تو انسان مجبور محض ہے اور جو کچھ قسمت کر دیا گیا ہی ظہور میں آئیگا اُس کے خلاف لاکھ تدبیر کیجائے کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہوسکتا۔ دوسرا فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ انسان قطعی مجبور نہیں بلکہ ہر فعل پر قادر ہے اور اُس کو ہر کام کے کرنیکا اختیار ہے۔ یہ فرقہ متذکرہ بالا فرقہ کا انتہائی مخالف فرقہ ہے۔

دونوں کی غلطی

حقیقت یہ ہے کہ خدا نے ہر چیز کے متعلق ازل سے ایک اندازہ (قدر) مقرر کر دیا ہے جس سے نہ وہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ گھٹ سکتی ہے آگ کے لئے جلانا۔ وزنی اشیاء کے لئے زمین کی طرف رجوع ہونا غرضکہ ہر چیز کے افعال و خواص خواہ طبعی ہوں یا کیمیائی ازل سے مقرر کئے جا چکے ہیں۔ جو چیز بھی

تو وہ بھلی ہو یا بری (یہ ہمارے خیال پر منحصر ہے) اپنی فطرت پر قائم ہے اس کو تبدیل کرنا انسان کو اختیار نہیں ہے۔ مگر انسان کو یہ اختیار ہے کہ ان کا استعمال اپنی ضرورت و خواہش کے مطابق جیسا چاہے کرے۔ اپنے ارادوں میں انسان کو اختیار کامل حاصل ہے مگر اشیائے عالم کے خیر و شر کے دور کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔ ہاں اگر انسان یہ چاہے کہ قوانین قدرت کو توڑ دے تو یہ ناممکن ہے ہاں ان قوانین کے ماتحت جو چاہے کر سکتا ہے حضرت علی سے [illegible] کسی نے خوب پوچھا کہ انسان [illegible] ایک پیر [illegible] سے اٹھالے تو یہ ممکن ہے اگر دونوں پیروں کو اٹھانا چاہے [illegible] (تو ممکن نہیں) [illegible] ہے اس بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ انسان ایک حد تک قادر بھی ہے اور ایک حد تک مجبور بھی۔ مسئلہ تقدیر نے مشرق والوں میں ایک استقلال پیدا کر دیا ہے جسے صبر بھی کہہ سکتے ہیں۔ نہایت اطمینان سے ہر شخص جو تقدیر پر بھروسہ کرتا ہے ہر ایک تکلیف و رنج کو برداشت کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہی قسمت میں تھا [illegible] موت کی بھی پروا نہیں کی جاتی۔

[illegible]

[illegible] | [illegible]

[illegible] کی [illegible] [illegible] کیا جا [illegible]

اس اصول کو سامنے رکھکر ہر قسم کا جور و ظلم جائز بتایا جاتا ہے۔

تاریخ کی شہادت کہا جاتا ہے کہ تاریخ اس خیال کی تائید کرتی ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ قوت و تلوار سے جتنی سلطنتیں قائم ہوئی ہیں اتنی معاہدہ وغیرہ سے قائم نہیں ہوئیں۔ لیکن جنگ زیادہ تر کسی قوم کے حق کو قائم کرتی ہے اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ صرف قوت بہیمہ سے نئی سلطنت قائم کیجائے اور وہ جلد فنا نہ ہوجائے لیکن جہاں کہیں صرف قوت کا استعمال کیاجاتا ہے وہاں یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ بجائے قیام سلطنت کے کسی نہ کسی سلطنت کی تباہی ضرور ہوتی ہے۔ اور جبتک اخلاقی فتح حاصل نہو کوئی قوم مفتوح نہیں ہوتی۔

اس نظریہ کو مان کر ذاتی آزادی، حق اور قانون کا خیال قائم نہیں ہوسکتا۔ اس خیال کے ماننے کے لئے ضروری ہے کہ آقا اور غلام کو مانا جائے اس طرح آزاد آدمی سے صرف آزاد کردہ آدمی مراد ہوسکتا ہے۔ اسی طرح حق اور قانون کے لئے اخلاقی اور روحانی بنیاد کی ضرورت ہے۔ صرف قوت بہیمہ کی بنیاد پر حق و قانون جاری نہیں ہوسکتے۔

بہرحال اس خیال میں یہ ایک خوبی ہے کہ سلطنت کے ایک ضروری عنصر یعنی قوت اندرونی زندگی اور بیرونی حملوں کی مدافعت کے واسطے ضروری ہے۔ اور اسکا استعمال اگر انصاف و حق کے واسطے کیا جائے تو جائز ہے مگر بغیر حق کے کسی شخص یا قوم کے خلاف قوت کا استعمال ظلم و بہیمیت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

۴- اجتماعی معاہدہ

اس نظریہ کا اثر روسو کے زمانہ سے یہ نظریہ بہت مقبول ہوا ہے کہ سلطنت کا قیام انسانوں کے آپس کے معاہدہ سے ہوتا ہے اس خیال میں ہر شخص مست تھا اور ہر شخص کسی قدر مغرور بھی تھا کہ میں بانی سلطنت ہوں یا کم از کم میری کوشش کی کسی قدر ضرورت سلطنت گری میں محسوس ہوئی ہے اس وجہ سے یہ نظریہ عام طور پر مقبول ہوا۔ انقلاب فرانس میں یہ خیال سب فرانسیسیوں کے دلوں پر جاگزیں ہو گیا تھا۔ اور اسی کی بنا پر پرانے طرز و آئین کو توڑ ڈالا گیا۔ اور ایسی سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی گئی جو ہر شخص کی خواہش و مرضی کے مطابق ہو جس طرح اس نظریہ سے انقلاب برپا کرنا جائز ہو گیا اسی طرح بعض فلسفیوں نے اجتماعی معاہدہ کا اصول یہ بتایا ہے کہ ایسا معاہدہ کرنے والے صرف مطلق العنان شخصی حکومت قائم کر سکتے ہیں یعنی اپنی کل قوت اور حقوق ایک ہی انسان (بادشاہ) کے سپرد کر کے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ تاہم یہ نظریہ جور و ظلم کی جائز تدبیر سمجھا اور خصوصیت کے ساتھ قلیل التعداد اقوام کے حقوق کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے۔

تاریخی شہادت اس نظریہ کی بنیاد تاریخ پر بتائی جاتی ہے لیکن سلطنت کے قیام کے بعد ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ افراد ملت کا معاہدہ مسلسل تازہ ہوتا رہے اور اسی تجدید معاہدہ پر بقاء و قیام سلطنت کا انحصار ہے لیکن تاریخ سے بہت کم ایسی شہادت مہیا ہوتی ہے جو یہ بتائے کہ افراد کے معاہدہ سے سلطنت قائم ہوئی ہو۔ البتہ ایسا ہوا ہے

کہ ایک سلطنت دوسری سلطنت سے معاہدہ کر کے نئی سلطنت قائم کر لے۔ یا کچھ افراد اپنے پیرؤں کی جمعیت کے ساتھ آپس میں معاہدہ کر کے سلطنت کی بنا ڈالیں بخلاف اسکے یہ امر مسلم ہے کہ انسان پیدائشی طور پر کسی سلطنت کا فرد ہوتا ہے اور اپنی قوت ارادی کے اظہار کی قابلیت پیدا کرنے سے پہلے اپنے ملک و ملت کی خصوصیات کو قبول کرتا ہے یہ خیال بھی غلط ہے کہ افراد قوم و ملت کی رضا سے سلطنت کا نظام بنتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہر فرد سلطنت [illegible] ہوتی کیونکہ افراد کی خود غرضی کے تعامل کا نام ہوتا ہے اور [illegible] کی بنا [illegible] کیا جائے [illegible] اس لحاظ سے ہر شخص آزاد اور مساوی ہے لیکن سلطنت قطعی مساوات کی حالت میں قائم نہیں ہو سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ سلطنت میں سیاسی مساوات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک حاکم و محکوم کا فرق نہ بتا دیا جائے اگر اس فرق کو مٹا دیا جائے تو سلطنت کی ہستی ہی مٹ جاتی ہے۔

علاوہ اسکے سیاسی آزادی اسوقت تسلیم کی جا سکتی ہے جب سلطنت قائم ہو گئی ہو۔ بغیر سلطنت کے آزادی کا دعوی سیاسی آزادی کا مترادف نہیں ہو سکتا لہذا سیاسی آزادی جب ہی مانی جا سکتی جب سلطنت قائم ہو چکی ہو۔ اور بحیثیت مجموعی آزاد ہو۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ صرف افراد انسانی کے معاہدہ سے نہ تو ملت بن سکتی ہے اور نہ سلطنت قائم ہو سکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مختلف اشخاص کی انفرادی رائیوں کا مجموعہ [illegible] رائے عامہ نہیں ہے اور افراد کے معاہدوں سے حقوق عامہ پیدا ہو سکتے ہیں نہ [illegible] معاہدے صرف ذاتی حقوق کی بنا ڈال سکتے ہیں۔

سچائی کی جھلک اگرچہ یہ نظریہ قانون عامہ کے تخیل کو فنا کر کے عیر آئینی تحریکوں کو جائز بتاتا ہے اور سلطنت کے نظام کو انسانی رائے کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتے رہنے کو بُرا نہیں سمجھتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے لیکن تاہم اس میں حقیقت کی جھلک ہے کہ یہ سلطنت کو بالکل قدرت کی کارستانی نہیں سمجھتا بلکہ انسانی قوت ارادی کو سلطنت کے نظام کے بنانے اور اُس پر اثر ڈالنے کی وجہ خیال کرتا ہے۔

۵۔ انسان کی قدرتی نیت اور سیاسی حس کی تحریک

سلطنت کا عروج سلطنتوں کا عروج مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ مگر ہم صرف ایک ایسا سبب دریافت کرنا چاہتے ہیں جو کل سلطنتوں میں موجود ہو۔ فطرت انسانی میں یہ بات پائی جاتی ہے جو باوجود اپنی نیرنگیوں کے ہر جگہ واحد ہے۔ اور ہر جگہ انسان مدنی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ لہذا یہ دلی خواہش اجتماع ترقی پاکر قوموں کو ملتوں کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے اور متحدہ زندگی کے خارجی نظام یعنی سلطنت کے بنانے کا باعث ہوتی ہے۔

سیاسی حس کا ارتقا یہ باہمی خواہش ابتدا میں محسوس نہیں ہوتی مگر اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ رفتہ رفتہ کسی بہادر عقلمند اور عادل سردار کی قابلیتوں پر اعتماد کر کے افراد قوم کے سیاسی حس کو تحریک ہوتی ہے اور وہ سردار اس جماعت کی قوتوں اور قابلیتوں کا مرکز اور مظہر سمجھا جاتا ہے۔ تمدن و تہذیب کی ترقی ہوتی ہے اور ایک

ایسا زمانہ آتا ہے جب قوم کے خاص خاص افراد (یعنی سردار یا طبقہ خصوصی وغیرہ) سیاسی زندگی کو محسوس کر کے سلطنت کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ حالانکہ عوام الناس جو زیادہ تر محکوم طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس سیاسی زندگی میں عملی حصہ نہیں لیتے یا اُن کو صرف احساس مجہول کے سوا کچھ زیادہ تجربہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ حس تدریج عوام الناس میں پورے طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ سیاسیات میں عملی اور مفید حصہ لینے لگتے ہیں

یہی نظریہ کامل ہوسکتا ہے

نظریات فلسفہ جو اوپر بیان کئے جا چکے ہیں اُن میں کوئی نہ کوئی کمی یا غلطی ضرور ہے۔ مگر یہ نظریہ حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔ اور متذکرہ بالا نظریات کی جتنی جائز اور حقیقی باتیں ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں اس نظریہ کے مطابق سلطنت بالواسطہ خدائی (یا مذہبی) سلطنت کہی جاسکتی ہے خدا ہی نے انسانی فطرت میں سیاسی حس پیدا کی اور اس طرح سلطنت گری کی طرف انسان کو رجوع کیا۔ گویا خدا نے خود سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح وہ لوگ جو صرف مذہب پر سلطنت کی بنا رکھتے ہیں بدگمان ہونے کی کوئی وجہ نہیں رکھتے چونکہ سلطنت کو فطرت انسانی سے متعلق ہونے میں ترقی کی زیادہ گنجائش ہے

علاوہ ازیں اس نظریہ میں مادی طاقت کو بھی سلطنت گری کے لئے ضروری سمجھا جاسکتا ہے۔ جو سلطنت کے قیام کے لئے نہایت ضروری ہے بشرطیکہ حقیقی قوت کی بنیاد فطرتِ انسانی کی خواہشات پر منحصر ہے۔

آخیر میں یہ نظریہ آزاد قوتِ ارادی کے عنصر کو بیکار نہیں سمجھتا بلکہ قیام سلطنت

کے لئے ضروری خیال کرتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اجتماعی معاہدہ کی صورت میں ہر فرد کی قوت ارادی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے مگر بہ نظریہ ملت یا سلطنت کی متحدہ قوت ارادی کو ماخلت ہے کسی قوم یا ملت کی عام قوت ارادی اُن کی انفرادی قوت ارادی کے مجموعہ کو نہیں کہتے۔ انفرادی ارادے خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں عام قوت ارادی نہیں کہے جا سکتے۔ دو آدمی ایک رائے ہو سکتے ہیں مگر اُن دونوں کی رائے کا مجموعہ دو ارادوں کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ہی ارادہ ہوگا۔ اسی وجہ سے خواہش (ارادہ) عامہ کو معاہدہ نہیں کہتے (چونکہ معاہدہ میں ہر شخص کی انفرادی خواہش علیحدہ علیحدہ رہتی ہے) بلکہ مستقل قواعد کی صورت میں اسے "قانون" کہتے ہیں۔ انتظامی پولیس کے لحاظ سے "خواہش عامہ" کو "حکم" اور "عدالت" کی کارروائی کے لئے "فیصلہ" کہتے ہیں سلطنت کے مختلف شعبے جن میں اُس کی مجموعی قوت ارادی اور خواہش عامہ کا اظہار ہوتا ہے اُس کے اعضا ہیں۔ ان اعضا کی بدولت سیاسی جسم کو حرکت ہوتی ہے اور وہ اپنے ارادوں کو پورا کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

اس طرح سلطنت ایک ایسی چیز ہے جس سے سوائے فلاح و بہبودی کے کوئی دوسری بات نہیں پیدا ہو سکتی۔ اسی کی بدولت انسانی فطرت اپنی خواہش اتحاد و اتفاق کو پورا کر سکتی ہے اور کاروبار عامہ میں اسی کی وجہ سے نظام قائم ہو سکتا ہے۔

مقالہ چہارم انقلاب

ہر ایک ملت کو اپنے نظام سلطنت کے تبدیل کرنے اور اسمیں اصلاح و ترمیم کرنیکا حق حاصل ہے۔ اصل اصول کے ماننے سے پہلے اس امر کا ماننا ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ حکومت جو پوری ملت کے باہمی اتفاق سے قائم ہو چکی ہے ہر شخص کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتی ہے۔ حکومت کی ترمیم و تنسیخ کا حق نہ تو قوم کے ایک حصہ کو حاصل ہوتا ہے نہ اس کی تعداد کثیرہ کو بلکہ یہ حق اُس ملتِ کامل کا ہے جو باقاعدہ اور منظم طریقے سے ملت کے درجہ تک پہنچ گئی ہو۔ اور ملتی احکام کی پابندی ہر فرد پر لازم ہوتی ہے اگرچہ اس حکم سے فرد واحد کا ذاتی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ ورنہ سلطنت کا اتحاد و انتظام ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔

نظام سلطنت کی تبدیلی دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ ایک اصلاح اور دوسرے انقلاب۔ ان دونوں صورتوں پر اخلاقی اور قانونی نقطہ ہائے نظر سے غور کرنا ضروری ہے۔

اصلاح اصلاح کا یہ منشا ہے کہ:۔

(الف) تبدیلی آئینی طریقوں کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ قانون کی پابندی میں

کی جاتی ہے۔

(ب) تبدیلی آئین حکومت کے منشا سے مناسبت رکھتی ہے۔ (یعنی پرانے آئین صرف اس وقت بدلے جاتے ہیں جب وہ درحقیقت پرانے اور بیکار ہوگئے ہوں۔ اور نئے نظام سلطنت کو اُن کی جگہ اور اُن کے منشا کے مطابق جاری کیا جاتا ہے)

انقلاب اگر آئین کی ظاہری شکل اور منشا کو توڑ دیا جائے۔ اور ایسی تبدیلی کی جائے جو ان دونوں کے خلاف ہے تو اُسے اصلاح نہیں بلکہ انقلاب کہتے ہیں۔ اور انقلاب عموماً اُس وقت رونما ہوتا ہے جب اصلاح کے حق کو چھین لیا جاتا ہے یا اصلاحوں کے منشا کے مطابق ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ ارتقائے ملّی کے فطرتی حق کو غصب کر لیا جاتا ہے ایسی صورت میں اگر انقلاب نہ ہو تو یہ اُس ملت کی کمزوری کی دلیل ہے

انقلاب کرنیکا حق انتہا پسندوں کی رائے میں ہر ایک قوم و ملت کو انقلاب کرنیکا حق "حاصل ہے۔ مگر یہ خیال قانون عامہ کے تخیل کے قطعی خلاف ہے۔ انقلاب نظام موجودہ یا اُس کے مقررہ اصولوں کے توڑنے کا نام ہے۔ لہٰذا قاعدہ کے مطابق انقلاب کرنا کسی کا حق نہیں ہے۔ اگرچہ یہ نہایت عظیم الشان قدرتی فعل ہوتا ہے۔ اور مختلف قومیں مشتعل ہو کر قانون مروّجہ کو توڑ ڈالتی ہیں۔ اور عملی سیاسیات کے لئے ان انقلابی تحریکوں کو اپنی اصلی حالت پر لانا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔

لیکن انقلاب بھی (اگرچہ کسی حق کی وجہ سے نہیں بلکہ مجبوری سے)
صرف ایک صورت میں جائز ہو جاتا ہے اور وہ صورت اُس وقت نمودار
ہوتی ہے جب اصلاحات کا دروازہ قطعی بند کر دیا جاتا ہے۔ یا ملی جذبات
وخیالات کے مطابق اصلاحات نہیں کیجاتیں اور نہ اُن کے منشا کے مطابق ان پر
عمل درآمد ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں قومی وملی ہستی معرض خطر میں ہوتی ہے۔
نظام حکومت اُس نظام کو کہتے ہیں جو ملت کے بیرونی نظام کو قائم رکھتا ہے اور
اگر اس نظام سے خود سلطنت ہی تباہ ہو رہی ہو اور حقوق ملیہ غصب و برباد ہوتے
ہوں تو انقلاب کا ہونا ضروری ہے، اور ماننا پڑتا ہے کہ "ضرورت کسی قانون کی
پابند نہیں ہوتی"

انقلاب کی خصوصیات

(الف) فرقہ بندی

انقلابات میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ انقلابی تحریکوں
کے بانی و رہنما اور اُن کے پیرو ایک ہی طبیعت کے ہوں
یا عرصہ تک ایک ہی طرز عمل اختیار کر کے یکجہتی سے کام کرتے رہیں ایسا اکثر ہوتا ہے
کہ دوران انقلاب میں ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ مختلف انقلابی فرقے
ہو جاتے ہیں۔ اور انقلاب کا مقصد بھی بعض اوقات تبدیل ہو جاتا ہے۔ زیادہ خرابی
اُن لوگوں کی وجہ سے ہوتی ہے جو ذاتی فوائد کو مدِنظر رکھکر انقلاب پسندوں کے
زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور اپنی بدطینتی سے تفرقہ اندازی شروع کر دیتے ہیں۔

(ب) باغیانہ خیالات

سیاسی ترقی کے لئے باغیانہ خیالات کا عوام سے دیب

جاگزیں ہو جانا۔ نہایت مضر ہوتا ہے۔ اور عرصہ تک اُن کی یہ کیفیت رہتی ہے کہ اپنی آزادی اور قوت کے احساس کرنے کے بعد فطرۃً کسی کے قابو میں رہنا پسند نہیں کرتے اور ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ سرکش۔ جاہل۔ اور غاصبان حقوق ملیہ کی بن آتی ہے اور انقلاب پسندوں کی تحریک کو بجائے فائدے کے تحت نقصان پہنچتا ہے

(ج) عارضی نظام | ممکن ہے کہ دوران انقلاب میں ایک عارضی نظام قائم ہو جائے جس کی بنیاد وسیع سیاسی اصولوں اور ملکی ضرورتوں پر نہ ہو بلکہ کسی فضول جذبہ یا جوش کے ماتحت ایک نمائشی اتحاد قائم ہو جائے۔ اور بغاوت کو عرصہ تک قائم رہنے سے روک دے۔

(د) انکشاف حقیقت | اور یہ بھی ممکن ہے کہ انقلاب کے رہنما کوئی ایسی حقیقت ظاہر کریں جس کا سلطنت پر دیرپا اثر ہو اور وہ حقانیت جو عرصہ تک دوبارہ عالم وجود میں نہ آسکتی یکایک لوگوں کے سامنے نئی شان سے ظاہر ہو کر اُسکا دلدادہ کر دے۔ موجودہ انقلاب ہندوستان میں کئی ایسی چیزیں ہیں جو اس طرح سے دوبارہ ملک کے سامنے آگئی ہیں۔ اگرچہ اس سے پہلے اُن کے خیال کی بھی گنجائش نہ تھی مثلاً تحریک سودیشی۔ ملی تعلیم۔ اچھوت ذاتوں کی ترقی۔ ہندو مسلم اتحاد وغیرہ۔

(ہ) جان و مال کا خطرہ | ہر قوم و ملت میں ایسا طبقہ ضرور موجود ہوتا ہے

جو اپنی اقوامی اور ناجائز فائدہ کو مدِنظر رکھتا ہے۔ اور اکثر قرب وجوار کی سلطنتوں کے بدمعاش بھی اِس ہلڑ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں جان و مال غیر محفوظ ہو جاتا ہے نہ مالگزاری وصول ہو سکتی ہے نہ فوجی نظام قائم رہتا ہے اور سب سے بُرا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو قوم کے رہنما ہوتے ہیں وہ خود بڑی بڑی جانی و مالی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں جو انقلاب ۱۸۵۷ء میں ہوا اور کل ہندوستان نے انگریزی کمپنی کی حکومت کو اپنے سروں سے اُتار پھینکنے کا زور لگایا اُس وقت بھی جو رہنمایان انقلاب تھے (اگرچہ انہوں نے نہایت دلیری اور ایثار سے کام کیا) مگر اُن کی جان و مال بھی محفوظ نہ رہی۔

پرامن انقلاب ہندوستان دنیا میں پہلا ملک ہے جس میں موجودہ زمانہ میں ایسے انقلاب کا خاکہ اقوام ہند کے سامنے پیش کیا گیا ہے جس میں نہایت امن و سکون سے نظام حکومت کو تبدیل کیا جا سکے اور خونریز و مسلح انقلاب کے بُرے اثرات نہ پیدا ہو سکیں۔ جنگ یورپ کے ختم ہونے کے بعد جو انقلاب عظیم ہندوستان میں رونما ہوا اُس کی تاریخی تفصیل بیان کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ اس نئے (یعنی پُرامن) انقلاب کو آسانی سے سمجھا سکے۔

انگریزی حکومت کی ترقی سب سے پہلے اس امر کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ ہندوستان نہ تو مفتوح ملک ہے اور نہ نوآبادی ہے۔ مسلمان بادشاہ اس حیثیت سے ہندوستان میں حکومت نہیں کرتے تھے کہ وہ غیر ملک کے باشندے اور اجنبی تھے

بلکہ وہ بحیثیت ہندوستانی کے یہاں تھے۔ اور ہندو مسلمان مساوات اور آزادی کے ساتھ سلطنت میں حصہ لیتے تھے۔ بخلاف اس کے انگریز قوم کے چند تاجر ۱۶۱۳ء میں ہندوستان میں تجارتی حقوق حاصل کرکے تجارت کرنے لگے اور معافی کی زمینوں پر ان لوگوں نے اپنے قلعہ تعمیر کرنے شروع کئے۔ ۱۷۲۵ء تک انگریزوں کے پاس چار قلعے بمبئی مدراس کلکتہ اور الیس ڈیوڈ میں تھے۔ رفتہ رفتہ فرانسیسیوں اور انگریزوں نے ہندوستانی راجاؤں کی مدد فوج اور افسران فرنگی سے شروع کی۔ اور ہندوستانیوں کو آپس میں لڑانا شروع کیا ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ میں لارڈ کلائیو نے مستقل انگریزی اقتدار قائم کردیا اور وندواش (۱۷۶۰) کی لڑائی سے فرانسیسیوں کے قدم قطعی طور پر اکھڑ گئے اور ہندوستانی راجاؤں کو لڑا لڑا کے اپنی اراضی بڑھانے لگے۔ فتح کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ صرف عہدناموں کی رو سے ہندوستان میں انگریزوں کی عظمت کا دار مدار تھا۔ اور چارٹروں اور عہدناموں کی رو سے یہاں کے اکثر راجاؤں نے اپنے تمام حقوق انگریزوں کے حوالہ کردئے تھے چونکہ کل عہدنامے ایک تجارتی کمپنی کی طرف سے ہوتے تھے اس وجہ سے زیادہ خیال دولت کمانے کا تھا اور فتح و شکست کی اتنی پروا نہ تھی۔

مساوات کا لحاظ

کمپنی کے ۱۸۳۳ء کے چارٹر میں تحریر ہے کہ کوئی باشندہ ہند یا ملک معظم کی کوئی رعایا جو ہندوستان میں ہو اپنے مذہب۔ جائے پیدائش، نسل یا رنگ کے لحاظ سے کمپنی مذکور کی ملازمت یا اعلیٰ عہدہ سے محروم نہ رکھی جائے گی۔"

اسی طرح ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۵۸ء میں کہا کہ "ہماری یہ خواہش مزید ہے کہ حتی الامکان ہماری رعایا کو خواہ وہ کسی نسل یا فرقہ کی ہو بغیر تفریق کے آزادی کے ساتھ ایسے عہدے دئے جائیں جنکو وہ اپنی تعلیمی قابلیت کی وجہ سے قرار واقعی انجام دے سکیں اور وہ یکساں مراعات کے مستحق ہیں" انہی خیالات کا ۱۹۰۸ء میں ایڈورڈ ہفتم نے اظہار کیا۔ اور ۱۹۲۲ء تک کئی دفعہ انگریز اور ہندوستانی کی مساوات کا اعلان (خصوصاً لارڈ ریڈنگ کی زبان سے) کیا گیا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ لارڈ کرزن کہتے ہیں کہ "زیادہ تر جماعت چیدہ یوروپینوں کی ہونی چاہئے" اور مسٹر لائڈ جارج فرماتے ہیں کہ "سول سروس ہندوستان کے نظام حکومت کا آہنی چوکھٹا ہے" اور قانون اسلحہ۔ قانون مجالس باغیانہ" اور اسی قسم کے دیگر قوانین بھی اس مساوات کا لحاظ کئے ہوتے ہوئے موجود ہیں۔ اور تحریک کانگرس کو باغیانہ تصور کئے جانیکے علاوہ یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہندوستانیوں کو رفتہ رفتہ حکومت خود اختیاری دیجائیگی

انقلاب کی ابتدا
(۱) تقسیم بنگال

لارڈ کرزن کے زمانہ میں یوروپین کو ہندوستانی پر بہت زیادہ ترجیح دیجانے لگی اور تقسیم بنگال نے ہندوستانیوں کو آزادی کا خواہشمند بنا دیا۔ اور آخر کار ۱۹۰۶ء میں کانگرس میں دادا بھائی نوروجی صاحب نے حکومت خود اختیاری (سوراج) کا مطالبہ کیا۔ اور بنگال میں باقاعدہ قومی آزادی کا مطالبہ شروع ہوا۔ سیکڑوں آدمی جلاوطن اور جیل خانہ میں پہنچ گئے اور تمام سیاسی جلسے روک دئے گئے یہانتک کہ باریسال میں مذہبی جلوس تک بند کردئے گئے۔

اور لارڈ مارلے نے اعلان کیا کہ تقسیم بنگال منسوخ نہیں ہوسکتی آخر کار اہل بنگال کی پُراستقلال جد وجہد نے ۱۹۱۱ء میں اُسے منسوخ کرا کے چھوڑا۔

(۲) جنگ یوروپ | جنگ یورپ میں ہندوستانیوں نے انگریزوں کے دوش بدوش کام کیا اور کافی سے زیادہ مالی امداد کی۔ مگر پھر بھی فوجی خدمات میں ہندوستانی اور انگریزی سپاہیوں کا درجہ مساوی نہیں کیا گیا اور نہ ہندوستانیوں کو انگریزوں کی طرح رضاکاروں کی فوجیں قائم کرنے کی اجازت ملی۔ جنگ کے بعد یہ امید کیجاتی تھی کہ ہندوستان کو کم از کم اندرونی آزادی ملجائے گی اور یہاں کی ملکی ملازمتیں اور فوج ہندوستانی وکلائے سلطنت کے قبضہ میں ہونگی مگر اس سے بھی ناامیدی ہوئی اور چند ایسی اصلاحات دی گئیں جو صرف (بقول مسٹر لائڈ جارج) تجربہ کے طور پر ہندوستان میں کی گئی ہیں اور مالیات سے ہندوستانی نمائندگان کو پھر بھی الگ رکھا گیا ہے۔

۳۔ اشتراکیین | ایشیائے وسطی اور رُوس میں اشتراکی تحریک کے باعث عام جذبۂ مساوات پھیل گیا۔ اور اگرچہ ہندوستان کو حریت اور مساوات کے اثرات سے بچانے کی جہت کوششیں کی گئی مگر یہاں کے جاہل ترین طبقہ کو بھی یہ احساس پیدا ہوگیا کہ اُس کا فطرتی حق سوراج ہے۔

۴۔ واقعات پنجاب | پنجاب میں ۱۹۱۹ء میں غیر مسلح ہندوستانیوں (امرتسر جلیانوالہ باغ) پر ۔۔۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں چند مُردار اور فساد

لوگ بھی تھے) ایسے مظالم کئے گئے جو آجتک کسی ہندوستانی بادشاہ نے کسی قوم پر کرنے جائز نہیں رکھے۔ صرف ظلم ہی نہیں بلکہ اُن کے ساتھ اتنا نفرت اور حقارت انگیز سلوک کیا گیا کہ کل ہندوستان جذبۂ انتقام سے بھڑک اُٹھا۔ ستمِ ناز پر ایک اور تازیانہ یہ ہوا کہ اُن لوگوں کو جنہوں نے مظالم پنجاب میں کافی حصہ لیا تھا۔ معقول پنشنیں دی گئیں اور سیکڑوں ہندوستانیوں کو جیل و جلاوطنی کا منہ دیکھنا پڑا۔

تحریک خلافت مسئلہ خلافت نے مسلمانوں کو اُن کل اقوام کے خلاف مذہبًا آمادہ کردیا جو اُنکے اسلامی اور مذہبی نظام کو توڑنا چاہتے تھے اور اگرچہ فرانس۔ اطالیہ اور دیگر ممالک معاہدہ سیورے کی ترمیم کرنا چاہتے تھے مگر مسٹر لائڈ جارج نے ہمیشہ ترکوں کی مخالفت کی اور یونانیوں سے ترکوں کو لڑا کر اُنہیں کمزور بنا دینا چاہا۔ اس طرزِ عمل سے ہندوستانی مسلمان نہایت بددل اور ناراض ہوگئے اور آخرکار ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کے باہمی اتفاق سے کانگرس میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ انگریزی حکومت ہند سے ہر ایک ہندوستانی کو علیحدگی اختیار کرلینی چاہیے اور اُنہیں کوئی مدد نہ دینی چاہیے۔ اس میں بعد میں یہ اضافہ بھی ہوا کہ ملکی ترقی کے لئے صرف ملکی اشیاء کو استعمال کیا جائے۔ یہ تحریک بنگال کی تحریک کی اصلاح شدہ صورت تھی۔

نتیجہ اس انقلاب میں امن اور عدم تشدد پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے یہی تخیل دنیا کے دیگر انقلابوں (مثلاً آئرلینڈ روس مصر ٹرکی) سے مابہ الامتیاز ہے۔ اور اس پُرامن انقلاب کے بانی اور رہنما اپنی آخری ضرب یعنی عام سول

تا نہ سہولت سے فتح حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ اور اس ضرب کے لگانے سے پہلے ترک موالات کے علاوہ مندرجہ ذیل پروگرام کو پورا کرنا چاہتے ہیں جسکے پورا ہونے کے لئے ابھی کافی زمانہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

(۱) سودیشی۔ (کھدّر اور چرخہ کو رواج دینا)

(۲) چھوت کا دور ہو جانا۔

(۳) ہندو مسلم اتفاق کامل۔

(۴) ایک کروڑ کانگریس کے ممبر جو اُسکے ہر حکم کو مان کر عمل شروع کردیں۔

یہ پرامن انقلاب اگرچہ نہایت انوکھا اور زود اثر ہے اور اس طرز عمل سے چند آدمیوں کو بکجہتی کے ساتھ اکثر فتح بھی حاصل ہوئی (مثلاً مہاتما گاندھی نے جنوبی افریقہ میں اور سکھ اکالیوں نے پنجاب میں) مگر حقیقت یہ ہے کہ انقلاب عرصہ دراز تک قائم نہیں رہ سکتا اور کسی وسیع ملک میں جس کی آبادی مختلف المذاہب اور مختلف النسل اقوام پر مشتمل ہو۔ ہرگز ایسی تحریک ترقی نہیں کر سکتی جسکا نظام عمل عرصہ دراز میں پورا ہونے والا ہو۔ یا عوام کے جوش کو قائم رکھنے کے لئے کوئی خاص طریقہ نہ اختیار کیا جائے۔[۵۱]

---

[۵۱] اسی لحاظ سے ایک نئی جماعت تیار ہوئی ہے جو گورنمنٹ کو کونسلوں میں داخل ہو کر شکست دینا چاہتی ہے۔ معلوم یہ ہے کہ کونسل ہی کے ذریعہ سے کل قوانین جاری کئے جاتے ہیں لہذا اس کا توڑنا یا بیکار کرنا سب سے زیادہ ضروری سمجھا گیا ہے۔

انقلاب روس

ہندوستان کے پُرامن انقلاب کے علاوہ ایک اور انقلاب یورپ سے شروع ہو کر تمام دنیا میں پھیل رہا ہے۔ یہ انقلاب روس ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا سے غلامی قانوناً مٹادی گئی ہے مگر اُس غلامی سے زیادہ تکلیف دہ سخت اور بہیمانہ طرز عمل اُن غریبوں کے ساتھ کیا جارہا ہے جو ابتدائے عالم سے ابتک نیم آزاد زندگی بسر کررہے ہیں۔ نہ انہیں خوراک ملتی ہے نہ لباس کا سہارا ہے۔ حالانکہ یہی طبقہ کل دنیا کے اہلِ دولت کے آرام و آسائش کی فراہمی میں اپنی پوری کوشش اور زندگی صرف کردیتا ہے۔ یہ طبقہ مزدوروں اور کسانوں کا ہے۔

اشتراکیین اشتراکی تحریک کو اجتماعی اصلاح کہا جاسکتا ہے۔ اشترکیین کا صرف ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ غریب و امیر کا فرق مٹ جائے اور حقیقی معنوں میں جمہوریت (حریت و مساوات) قائم ہو جائے۔ کارل مارکس۔ ٹولسٹائی اور لینن اس تحریک کے زبردست کارکن کہے جاسکتے ہیں۔ سرمایہ داروں کو تباہ و برباد کرنا اور مزدوروں کی اصلاح و ترقی کی کوشش عرصہ دراز سے ہو رہی تھی۔ مگر دنیا میں مزدوروں اور غریبوں کی دوسری[1] زبردست سلطنت ہے۔ نومبر ۱۹۱۷ء

[1] پہلی سلطنت جو حقیقی اصول حریت و مساوات پر قائم ہوئی اور جو صرف غریبوں ہی کے قوتِ اخلاق و بے لوث خدمات کا نتیجہ تھی۔ وہ جمہوریہ سلامی تھی (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۳ کا ملاحظہ)

میں اشتراکی انقلاب کے بعد قائم ہو گئی۔ لینن صدر جمہوریہ اشتراکیین سوویٹ قرار پایا۔ اور سلطنت روس کی گذشتہ سلطنت کو کامل آزادی مل گئی۔ اور لینن کا مقصد وحید انسانیت کی بہبود اور فلاح ہی معلوم ہوتا ہے۔

اشتراکی ترقی کے وجوہ	(۱) جنگ یورپ کے دوران میں زار روس کی حکومت

زیادہ سخت ہو گئی تھی اور جبر فوجی خدمت اور رشوت ستانی و تشدد کی وجہ سے جرائم کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔

(۲) شراب کی تجارت اور شراب نوشی کی کثرت ہو گئی تھی۔

(۳) کسانوں اور مزدوروں پر لگان اور رسوم اتنے بڑھ گئے تھے کہ ناقابل برداشت ہو گئے تھے۔

(۴) قومی تعلیم کے نظام کو ہر ممکن طریقے سے شکست دینے کی حکومت کی طرف سے کوشش کی گئی اور بہترین نوجوانان ملک کو جلاوطن کر دیا گیا اور اسی سلسلہ میں نہ تو صحافت آزاد تھی اور نہ مجالس کی اجازت تھی۔

(۵) ظلم و ستم کی بنا سرمایہ داروں نے ڈالی تھی۔ جو خود تو کچھ محنت نہ کرتے تھے

(بقیہ نوٹ بسلسلہ صفحہ ۲۵۲ ملاحظہ ہو) ذاتی ملکیت اور سرمایہ داری کا تصفیہ نہایت سادہ اور فطرتی اصولوں سے کر دیا گیا تھا۔ سود سرمایہ داری کی جڑ ہے جو حرام قرار دیا گیا اور سرمایہ دار پر خاص انکم ٹیکس (زکاۃ) مقرر کیا گیا تھا۔ اس طرح موجودہ اشتراکی تحریک کی ابتدا اسلام نے ڈالی تھی۔ اور دنیا میں اس کے عمدہ نتائج بھی ظاہر ہو گئے تھے ۱۲

مگر غریب مزدوروں کو دن رات فاقہ مستی میں بسر کرنا پڑتا تھا اور اس وجہ سے افلاس عالمگیر ہو گیا تھا۔

ذاتی ملکیت اشتراکی سلطنت قائم ہوتے ہی روس میں تقریباً ہر ایک چیز ملی قبضہ میں آگئی۔ اور ذاتی ملکیت قانوناً ناجائز قرار دی گئی۔ کل اراضی۔ کارخانوں۔ کانوں اور مزدور گاہوں کو مشترک بنا لیا گیا اور ہر شخص کی تقریباً مساوی خوراک و لباس کا انتظام اس صورت سے کیا گیا کہ ہر شخص سلطنت سے اجرت لینے پر کام کرے اور انفرادی مال و دولت و ملکیت پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے دماغی و جسمانی محنت میں جو فرق تھا اُسے مٹا کر ہر کام کرنیوالے کا حق محنت مساوی کر دیا گیا۔ اس طرح سرمایہ داروں اور بڑے زمینداروں اور کارخانہ داروں کو مٹا دیا گیا اور اُس کے ساتھ ساتھ ذاتی ملکیت بھی غائب ہو گئی۔

اثرات اشتراک اس تحریک نے مزدوروں میں ایک نئی روح پیدا کر دی ہے اور حال میں ملک آلی میں اسی تحریک کی وجہ سے انقلاب ہوا اور اس کا اثر نہ صرف یورپ و ایشیا پر پڑا ہے بلکہ ہندوستان میں بھی جماعت مزدورین اپنے حقوق طلب کر رہی ہے۔ لیکن علم کی کمی کی وجہ سے جائز طریقوں سے کام لینے سے معذور ہے

باب ثامن

سلطنت کے داخلی و خارجی تعلقات

مقالہ اول استقلالیہ

اقسام سلطنت کے بیان کے بعد یہ بتانا ضروری ہے کہ سلطنت خواہ کسی قسم کی ہو۔ لیکن اُس کی علت ایک متحدہ قوت و طاقت ہوتی ہے۔ اس قوت کے سامنے سلطنت کی ہر ایک قوت سرِ تسلیم خم کرتی ہے۔ جب یہ ملی قوت و طاقت (جس سے بالاتر سلطنت میں کوئی طاقت نہیں ہوتی) سلطنت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے تو اسے استقلالیہ کہتے ہیں ہم اس قوت کو آسانی سے بادشاہ کی غیر محدود قوت کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی مطلق العنان بادشاہ ہے وہ اپنی رعایا کی اخلاقی مدد یا اپنی قومی قوت یا اور مختلف قوتوں کے زور سے ہر قسم کا قانون نافذ کر سکتا ہے۔ اس بادشاہی قوت سے بالاتر کوئی قوت نہیں ہوتی اس قوت کو استقلالیہ (ریاست یا شاہی طاقت) کہتے ہیں۔ ممالک اسلامیہ میں لفظ استقلال اس مخصوص معنی میں آجکل استعمال کیا جا رہا ہے اور اردو زبان میں بھی رائج ہو چکا ہے۔ لہذا اس تخیل کے سمجھنے میں زیادہ دشواری نہ ہوگی روسو نے نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ استقلالیہ کسی ملت

کی عام قوت ارادی کے استعمال کا نام ہے۔ مگر یہ روسیو کی غلطی ہے۔ استقلالیہ کے حقیقی معنی کسی ملت کی متحدہ قوتِ قانون سے ہے۔ قوتِ ارادی کے ذریعے عمل شروع ہوتا ہے۔ یعنی پہلے ارادہ ہوتا ہے اس کے بعد عمل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا قوتِ ارادی سے نفاذ قانون میں مدد مل سکتی ہے۔ مگر یہ بجائے خود قانون نہیں ہو سکتی

چونکہ موجودہ زمانہ میں مطلق العنان سلطنتوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے استقلالیت مطلقہ بالکل معدوم ہو گئی ہے اور ملی قوتوں کی وجہ سے استقلالیہ محدود ہو گئی ہے۔ استقلالیہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

(۱) سلطنت کی یہ قوت غیر سلطنتوں کے اثر سے آزاد ہوتی ہے اور صرف قانون بین الدول یعنی اس قانون کو مانتی ہے جو عموماً مختلف سلطنتوں کے آپس کے مشورہ سے امن عالم یا مقاصد اخلاقی کے واسطے جاری ہوتا ہے اندرونی حکومت میں اس طاقت پر کسی خارجی سلطنت کا اثر نہیں ہوتا۔

(۲) اس طاقت کو ملت و سلطنت کی اعلیٰ ترین عظمت و جلال کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے یعنی سلطنت میں اس قوت سے بالاتر کوئی سیاسی طاقت نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر کوئی سلطنت کسی دوسری سلطنت کی اس طرح محتاج ہو کہ ہر چھوٹی بڑی بات میں اس کا مشورہ طلب کرے تو وہ ہرگز طاقت استقلالیہ نہیں رکھتی۔ عراق عرب کے قبائل اہل مصر اور قسطنطنیہ میں ترک اس آزادی کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جب تک مکمل اندرونی آزادی نہ حاصل

ان اقوام کو ملل مستقلہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) استقلالیہ ایک عام حق ہے۔ یہ ملت کے جملہ حقوق پر حاوی اور سب سے الگ ہے۔ یہ حق مختلف حقوق کا مجموعہ نہیں کہا سکتا ہو قانون عامہ میں یہی مرکزی تخیل سمجھا جاتا ہے جس طرح نظامات حقوقیہ میں ملکیت مرکز ہوتی ہے۔

(۴) اس قوت کے مختلف ٹکڑے یا حصے کر دینا سلطنت کی یقینی تباہی کا باعث ہے۔ اس لئے اس قوت کے لئے وحدانیت نہایت ضروری ہے۔

استقلالیۂ قوم یا استقلالیۂ سلطنت

استقلالیہ کس کا حق ہے۔ قوم اسکا حق رکھتی ہے یا سلطنت؟ بعض مدبرین کا خیال ہے کہ یہ طاقت صرف بادشاہ استعمال کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مطلق العنان شخصی سلطنت قائم ہو جاتی ہے لیکن اسپر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ بادشاہ کو رعایا کے جمہور حصے نے یا تو خوشی سے یہ طاقت ودیعت کر دی ہے۔ یا بادشاہ نے اپنی فوجی قوت سے کل رعایا کے اس حق کو جبراً حاصل کر لیا ہے۔

آئینی سلطنتوں کے شروع ہوتے ہی تخیل استقلالیہ زیادہ واضح اور وسیع ہو گیا۔ اور افراد ملت بھی اس طاقت کے حصہ دار ہو گئے۔ بہرحال استقلالیۂ کے متعلق دو خیالات ہیں۔

(۱) استقلالیہ قوم

(الف) مجلس قومی میں

ایک خیال یہ ہے کہ کل قوم کو یہ طاقت استقلالیہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مجلس قومی میں ہوں۔ ایسی حالت میں جبکہ وہ مجلس قومی میں بیٹھے ہوں ہر فرد مجلس یہ طاقت رکھتا ہے مگر یہ جبب ہی ممکن ہے کہ سلطنت جمہوری بلا واسطہ ہو یعنی مجالس قومی میں ہر فرد قوم حصہ لے سکے۔ جس طرح یونان قدیم میں مختلف مدنی جمہوریتیں قائم تھیں اور ہر شخص براہ راست مجالس کا ممبر تھا لیکن چونکہ آجکل ایسی سلطنت قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ اس لئے کل قوم کو اس طرح استقلالیہ بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

(ب) یہ حق افراد قوم کے مجموعہ کا ہے

روسو نے اس خیال کی ترویج کی اور انقلاب فرانس میں اس نے بہت قوت حاصل کرلی کہ قوم کے الگ الگ افراد کے مجموعہ کو (اگر وہ سلطنت قائم کرلیں) استقلالیت کا حق حاصل ہے۔ مگر کوئی سلطنت اسوقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ ایک باقاعدہ نظام میں ہر فرد قوم شامل نہو۔ لہذا ایسی بدنظمی اور اختلاف کی حالت میں عوام الناس کا ایک مجمع یا گروہ ہرگز استقلالیہ کا حق نہیں رکھتا اور نہ اسے جائز طریقے استعمال کرسکتا ہے۔ اگر ایسے حق کو تسلیم کرلیا جائے تو ایک عام بدنظمی اور غدر کی سی حالت قائم رہیگی اور سلطنت کا اتحاد بالکل معدوم ہو جائیگا۔

(۴) استقلالیت سلطنت

سلطنت کی ہستی ذی حیات۔ آزاد۔ اور صاحب عزت و قوت ہوتی ہے۔ یہ ہستی مختلف حصوں میں منقسم نہیں ہوتی بلکہ متحد ہوتی ہے[1] سلطنت ہی ملت کی اعلیٰ ترین قوت و طاقت کا استعمال کرتی ہے اور اس کلی قوت کو جو سلطنت کی صورت میں ظاہر ہو کر سلطنت کے مختلف شعبوں میں جاری کیجاتی ہے استقلالیہ کہتے ہیں۔ اس استقلالیت سلطنت کو استقلالیہ قوم بھی کہہ سکتے ہیں بشرطیکہ قوم و ملت سے ہمارا یہ منشا ہو کہ یہ ایک باقاعدہ منتظم سیاسی ملت ہے۔ اگر قوم سے ہم یہ مراد لیں کہ یہ علیحدہ علیحدہ افراد کا (بقول روسو کے) مجموعہ ہے تو یہ حق ایسے غیر منتظم گروہ کو ہرگز نہیں مل سکتا۔

استقلالیہ بادشاہ اور مجلس ملیہ — موجودہ زمانہ میں چونکہ کل ملت کو حق استقلالیت حاصل ہے اس لئے اس کا استعمال مجلس ملیہ کے ذریعے کیا جاتا ہے جسکا صدر بعض سلطنتوں میں بادشاہ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ استقلالیہ بادشاہ اور استقلالیہ سلطنت میں فرق ہے۔ یا یہ دو چیزیں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ سلطنت کا سر ہوتا ہے اور مجلس ملیہ (جو کل ملت کی نمائندگی کرتی ہے) بدن کی مانند ہے یعنی بادشاہ اور مجلس ملیہ

[1] سلطنت کا مفصل ذکر کسی گذشتہ باب میں کیا گیا ہے۔

دسر اور بدن) ملکر پورا جسم بنتا ہے۔ لہذا بادشاہ کا سلطنت سے جنگ کرنا یا سلطنت کے مفاد کے خلاف عمل کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ سر اپنے بدن سے جنگ کرے۔ جو قطعی ناممکن ہے۔ اور اگر ایسا کیا بھی جائے تو سلطنت میں انقلاب ہوگا اور ایسی حالت پیدا ہو جائیگی جس میں بادشاہ اور رعایا میں اختلاف نہ باقی رہے۔

تجزیہ استقلالیہ سلطنت

اس قوت کے مختلف پہلو یا ضروری جزو جن سے یہ مکمل ہوتی ہے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **عظمت**۔ قوت استقلالیہ کو پوری ملت کی مجموعی شوکت و عظمت کا حق حاصل ہے۔

(۲) **آزادی**۔ بیرونی سلطنتوں کے اثر سے اس قوت کا آزاد ہونا ضروری ہے

(۳) **اختیار تبدیل حکومت**۔ استقلالیت سلطنت کو اپنی سلطنت کا نظام حکومت پسند کرنے اور اس کے تبدیل کرنیکا حق ہوتا ہے

(۴) **قانون سازی**۔ معمولاً قانون سازی کے ذریعہ سے قوت استقلالیہ کا اظہار ہوتا ہے۔

(۵) **مرکز قوت**۔ سلطنت کی ہر ایک قوت کا انحصار اسی طاقت پر ہوتا ہے یعنی یہ سلطنت کی کل قوتوں کا مرکز ہوتی ہے اور سلطنت کی کل قوتیں استقلالیہ

کے ماتحت ہوتی ہیں۔ اور سلطنت کی ہر ایک طاقت استقلالیہ کے سامنے ذمہ دار ہوتی ہے۔

(۶) **غیر ذمہ داری**۔ قوتِ استقلالیہ صرف خدا کے سامنے اپنے افعال اور اعمال کی ذمہ دار ہوتی ہے یا تاریخ خود اس کے متعلق فیصلہ کر دیتی ہے کہ یہ قوت قائم رہے یا فنا ہو جائے قانون بین الدول بھی اس قوت کو کسی قدر محدود کر رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ابھی ایسا کوئی قانون نہیں بنا جسے کسی سلطنت کی استقلالیہ موقع پانے پر نہ توڑ سکتی ہو۔ لہٰذا یہ قوت (یا بالفاظ دیگر کل قوم یا اس کا نمائندہ) اپنی سلطنت کے اندر کسی طاقت کے سامنے جوابدہ نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اس طاقت سے بالاتر طاقت کا وجود تخیل استقلالیہ کے منافی ہے۔

حکومت استقلالیہ کا اپنی قوت کو حکومت کے ذریعے سلطنت کے اندر ظاہر کرتی ہے۔ اور سلطنت سے باہر تعلقات خارجی قائم کرنے میں مثل فرد واحد کے عمل کرتی ہے۔ ان دونوں افعال استقلالیہ کو ہم آئندہ دو فصلوں میں مجملاً بیان کریں گے۔

مقالہ دوم انتظام حکومت

انتظام حکومت اور آئین سلطنت

اگر انتظام حکومت کے وسیع معنی لیے جائیں تو اسے سلطنت کی اس قوت ارادی کو کہیں گے جسکا اظہار افراد ملت پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ افراد حاکم ہوں یا محکوم ہوں۔ یہ قوت ہمیشہ آئین سلطنت کے احکام اور فیصلوں (یا قرار دادوں) کی صورت میں منضبط ہوتی ہے۔ آئین سلطنت سے ہماری مراد اُن تمام تنیقات سے ہے جنکے ذریعے سے سلطنت کی قوت ارادی متحدہ طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً قانون اور اسکا اجرا تقسیم جماعات اور تقرر ملازمین وغیرہ بخلاف اس کے انتظام حکومت اُن تنیقات کے مجموعہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سلطنت کی منضبط اور جمع شدہ قوت انسانی زندگی کے مختلف شعبوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ ابتدا میں انتظام حکومت اور آئین سلطنت کا یہ فرق محض خیالی معلوم ہوتا ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ امتیاز بالا فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ مثالاً یہ مسئلہ کہ "رسوم (ٹیکس) سلطنت کی طاقت سے مقرر ہوتی ہیں یا نہیں"، آئین سلطنت سے متعلق ہے۔ مگر رسوم کی تقسیم (خواہ وہ بالواسطہ

ہوں یا بلاواسطہ، انتظام حکومت سے متعلق ہے۔

انتظام حکومت کی چار بڑی قسمیں کیجا سکتی ہیں۔

۱۔ فوج۔ بغیر فوجی[1] قوت کے سلطنت کی قوت ارادی ظاہر نہیں ہو سکتی

۲۔ انتظام انصاف۔

۳۔ مالیات (یا انتظام معاشیات)

(۴) انتظام حکومت (مخصوص معنوں میں یعنی پولیس کا پورا انتظام (جو امن عامہ اور

اور حفاظت جان و مال کی غرض سے ہوتی ہے۔ اور تعلیم کی نگہداشت[2]

اور اسے عمل حکومت بھی کہہ سکتے ہیں۔

فوج

انتظام داخلی اور سلطنت کی آزادی اور حفاظت کے لئے فوج کا ہونا نہایت

ضروری ہے۔ زمانہ قدیم میں فوج صرف سلطنت کے ماتحت اُس کی حکمت عملی

کی غلام سمجھی جاتی تھی۔ لیکن آجکل ہر ایک آزاد ملک میں جبریہ فوجی خدمت

---

[1] فوج سے ہمارا منشا بحری اور بری جنگی قوتوں سے ہے۔

[2] پولیس اور محکمہ تعلیم کا ہونا ہر سلطنت میں ضروری نہیں ہے مگر اس کی ترقی سے اس سلطنت کی ترقی پر روشنی پڑتی ہے۔

خدمت کے رواج کی وجہ سے فوج کا رتبہ بلند ہو گیا ہے۔ ابتدائی باب میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ وحشی حالت میں ہر ایک شخص پر اپنے قبیلہ کی حفاظت فرض تھی اور اس طرح ہر شخص سپاہی ہوتا تھا مگر رفتہ رفتہ حالات بدل گئے سلطنتیں وسیع ہو گئیں اور یہ ضرورت ہوئی کہ بجائے اس کے کہ ضرورت کے وقت فوج تیار کیا جائے اور جنگ پر روانہ کیا جائے ہر وقت باقاعدہ قواعد داں فوج تیار رہے۔ چونکہ سلطنت کی حفاظت اور زندگی فوجی قوت پر منحصر ہوتی ہے اس لئے فوج کو ملت کی باقاعدہ اور منظم قوت کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ لہذا ہر سلطنت کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ فوج کا باقاعدہ نظام مرتب کرے حقیقت یہ ہے کہ صرف فوجی نظام پر سلطنت کی امن کی حالت کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اور یہی ایک ایسا سیاسی اجتماع ہے جس میں ملت کے افراد ایک دوسرے سے محبت و خلوص کے ساتھ مل سکتے ہیں۔ اور ملی یکجہتی میں فوج ہی کی وجہ سے ترقی ہوتی ہے۔

اہنسا ممکن ہے کہ خیال کے سامنے کوئی فلاسفر ایسی دلآویز تصویر قائم کرے جسمیں دنیا میں امن و سکون کے سوا کسی جنگ و فتنہ کا ذکر ہی نہو۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہونا قطعی ناممکن ہے۔ اہنسا یا عدم تشدد کے حامی دنیا کے سامنے ایسی بات پیش کرنی چاہتے ہیں جو فطرت انسانی کے قطعی خلاف ہے خدا نے انسانی طبیعت میں مختلف اور متضاد خواہشات اور جذبات اس لئے پیدا نہیں کئے کہ اُن کا خون کر دیا جائے بلکہ عقل سلیم کے ذریعہ سے اُن کے استعمال

کا جائز راستہ تلاش کرنا ضروری ہے۔ مثلاً انسان میں نفرت و انتقام کا جذبہ موجود ہے جسے وہ بدی کے دور کرنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اسی طرح تشدد بھی جائز طریقے سے کیا جانا ضروری ہے۔ جو لوگ اہنسا کے حامی ہیں وہ خود اپنے نفس پر تشدد کرتے ہیں۔ غرضکہ اصول اہنسا ناقابل عمل ہے اور اگر اس پر عمل بھی کیا جائے تو کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکلتا جو تشدد کے جائز استعمال سے بہتر طریقہ پر پیدا ہو سکے جائز تشدد کی کامیابی کی ہزاروں مثالیں تاریخ سے مل سکتی ہیں لیکن عدم تشدد کی صرف تین مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) میسور میں لارڈ ویزلی کے زمانے میں ہزاروں برہمنوں نے محض اپنے ملک کو حاصل کرنے اور آزاد ہونے کے لئے فاقہ کشی کرنے کے بعد جان دیدی۔ مگر اسکا کچھ بھی نتیجہ نہ ہوا۔

(۲) اسی طرح سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں پوپ اعظم اور کئی راہبوں سے فاقہ کشی سے بیت المقدس کو خالی کرانا چاہا۔ مگر یہ بھی بیکار ثابت ہوا۔

(۳) موجودہ زمانہ میں ہندوستان میں خاص طور پر اہنسا پر زور دیا جاتا ہے مگر حامیان اہنسا میں کئی دو فرقے ہیں۔

(الف) ایک فرقہ اُن لوگوں کا ہے جو اس اصول کو محض وقتی ضرورت کے لحاظ سے اپنا اصول بنائے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چونکہ تشدد کرنے کی قوت نہیں ہے لہٰذا مجبوراً اہنسا پر کاربند ہونا چاہیئے۔

(ب) دوسرا فرقہ اُن لوگوں کا ہے جو اس اصول کو مذہبی اصول اور اپنا ایمان سمجھتے ہیں اور اس اصول کو طاقتوروں کا آلہ سمجھکر استعمال کر رہے ہیں مگر تاریخ خود بتادیگی کہ کونسا فرقہ راستی پر ہے۔ فطرت انسانی کا مطالعہ تو اول الذکر فرقہ کے خیال کی تائید کرتا ہے۔

بہر حال اگر عروج (اور اسکے ساتھ ساتھ تشدد) ایک برائی ہے تو یہ بدقسمتی سے ایسی برائی ہے جس کے جاری رکھنے کے لیے ہر سلطنت مجبور ہے۔ صلح جوئی سے دنیا میں آجتک کوئی کام نہیں ہوا۔ اور آخر میں تلوار ہی سچا انصاف کرتی ہے۔

جنگ کی عظمت | لہذا جنگ نہ صرف حیوانی ضرورت ہے بلکہ فطرت انسانی جنگ کے لیے مجبور کرتی ہے جنگ ہی سے انسانی اتحاد پیدا ہوتا ہے یہی ایک ذریعہ ہے جو مختلف مذاہب و اقوام کے انسانوں میں سچی اخوت و ہمدردی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایسی متبرک چیز ہے کہ انسان میں سچا حب وطن و ایثار پیدا کردیتی ہے اور وہ اپنی جان و مال قربان کرنیکو تیار ہوجاتا ہے۔ شارع اسلام نے جب اس جذبہ جنگ کو کفاروں کی طرف پھیرا تو اُن میں ایک خاص خلوص اور ہمت پیدا ہوگئی اور عرب و عجم کا فرق مٹ گیا۔ جنگ یورپ میں جب انگریزوں کے ساتھ ہندوستانی شریک رزم ہوئے تو مسلمان یہ نہیں کہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں بلکہ یہ کہتا تھا کہ میں ہندوستانی ہوں اسی طرح انگریز ہندوستانی اور انگریزوں کے پشتینی دشمن فرانسیسی محض جنگ کی وجہ سے ایک دوسرے کے دلی دوست بن گئے تھے۔

موجودہ جنگ | گذشتہ زمانہ میں جنگ کا فیصلہ دو تین میدانوں کے بعد ہو جاتا تھا۔ مگر موجودہ زمانہ میں جنگ زیادہ وسیع اور دیر پا ہو گئی ہے اور مندرجہ ذیل باتوں کی خصوصیت سے ضرورت ہے۔

(۱) جنگ میں نہایت کافی روپیہ کی ضرورت ہے تاکہ سامان جنگ میں کمی نہ واقع ہو اور عرصہ دراز تک کل فوج جنگ کر سکے۔

(۲) باقاعدہ قواعد داں فوج کے لئے نہایت تعلیم یافتہ افسروں کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) سامان رسل و رسائل یعنی ریل۔ تار۔ سڑکوں وغیرہ کی اہمیت روز بروز اس وجہ سے بڑھتی جاتی ہے کہ فی زمانہ وہ سلطنت بہت جلد فتحمند ہو سکتی ہے جو کسی محاذ جنگ پر جلد سے جلد کافی مقدار فوج جمع کر سکے۔

(۴) آجکل قلعے بیکار ہو گئے ہیں اور ہوائی فوج سے قلعہ بند فوج کو شکست دی جا سکتی ہے مگر یہ فوجوں کے لیے جائے پناہ کے طور پر کسی قدر مفید ہو سکتے ہیں۔

(۵) بحری فوج کی اہمیت اس وجہ سے زیادہ ہو گئی ہے کہ ان سے نوآبادیوں اور مستعمرات کی حفاظت میں بہت زیادہ مدد ملتی ہے اور تجارتی راستوں کی حفاظت بھی بحری فوج ہی کرتی ہے۔

جنگ کی خرابیاں | دوسرے نقطۂ نظر سے اگر غور کیا جائے تو جنگ نہایت ہی وحشیانہ اور غیر منصفانہ طرزِ عمل ہے۔ ٹولسٹائی نے (جو روس کا ایک زبردست مدبر اور ہمدرد بنی نوع انسان شخص تھا) اپنی زندگی کا آخری زمانہ اسی مقصد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جنگ اور اسکے ساتھ تمام فوجوں اور فوجی نظامات کو منسوخ کر دینا انسانی نصب العین ہونا چاہیئے۔ بقول ٹولسٹائی جنگ صرف اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ سرمایہ دار اپنے حرص و آز کی وجہ سے غربا کو لوٹنا چاہتے ہیں اور اسی غرض کے لیے فوج کو کام میں لاتے ہیں۔ یا ایسا کیا جاتا ہے کہ ناجائز ٹکس اور زبردستی کی حکومت کو قائم رکھنے کے لیے تمام سلطنتیں فوجوں کو اپنی حکمت عملی کی پابندی کیلیے (خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز اور عموماً یہ حکمت عملی ناجائز ہی ہوتی ہے) استعمال کرتی ہیں۔ اس طرح فوجوں کے ذریعہ سے ایک مسلسل ظلم قائم رہتا ہے اور وہ لوگ جو فوجی خدمت انجام دیتے ہیں اُن بیکس کسانوں ٹیکس نہ دینے والوں اور کمزور قوموں کا اسی طرح شکار کھیلتے ہیں جیسے کوئی بھیڑیا کسی کمزور جانور کے ٹکڑے اُڑاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ فوجی سپاہی ایک دوسرے سے ہمدردی کرتے ہیں لیکن آجکل عموماً تمام فوجیں حق و صداقت کے قیام کے لیے نہیں بلکہ کمزوروں کے حقوق کے غصب کرنے میں مصروف ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ دنیا میں امن و اماں کی ضرورت اور موجودہ فوجی نظام کی خرابی کی حتی الامکان تبلیغ کیجائے اور اسکے ساتھ ہی یہ بتائے جائیں کہ تشدد کرنا گناہ اور غیر فطری ہے بلکہ اگر اچھا

سے یہ مراد لیجائے کہ کسی پر بیجا تشدد کرنا ناجائز ہے تو مناسب ہوگا۔ ایسا ان معنوں میں
ایک روحانی مسرت کا باعث ہوسکتی ہے۔ فوجوں کو مٹانیکے لیے دنیا میں کامل
اخلاقی تعلیم کی ضرورت ہے اور یہ غرض صرف ایک طریقہ سے پوری ہوسکتی ہے کہ
ٹولسٹائی کی تعلیم کے مطابق موجودہ ظالم وجابر حکومتوں کو مٹایا جائے تاکہ انفرادی
سرمایہ داری کا خاتمہ ہو اور تمام انسان مشترک طریقہ سے خدا کی دی ہوئی نعمتوں
سے بہرہ اندوز ہوں۔ ایسی سلطنتوں کو مٹانیکا طریقہ ٹولسٹائی کی تعلیم کے مطابق تقریباً
بالکل وہی ہے جو ہندوستان کی جمعیت ملیہ (کانگرس) نے اختیار کیا ہے۔ وہ
بتاتا ہے کہ ذاتی ملکیت کو قطعی مٹا دینا صرف اس طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص فوج میں
نہ داخل ہو اور ظالم حکومت کو ٹکس نہ ادا کرے۔ اس طرح حکومت فنا ہوجائیگی اور
تمام انسانوں میں حقیقی حریت اور مساوات پیدا ہوجائیگی۔

عدالت

انتظام فوج کے بعد عدالت کا انتظام حکومت کے اجرائی شعبہ کے لیے
نہایت ضروری ہے۔ قانون اور اُس کے نفاذ کے متعلق سیاسی اصطلاحات کے ضمن
میں بیان کردیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قاضی ایسا فیصلہ کرے جو سلطنت
کی تاریخ اور روایات سے مطابقت اور عملی زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔

قانون کی حکمت عملی | قانون عملی کے اصول عامہ غور طلب ہیں سب سے پہلے ہر انسان
اس بات کا مستحق ہے کہ وہ اپنے قومی قاضی یا اپنی برادری کی پنچایت سے فیصلہ کرائے
مثلاً تاجر پیشہ یا فوجی ملازم صرف ان ماہرین فن سے فیصلہ کرانے کے مستحق ہیں

جس جماعت یا طبقے سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔

دوسرا ضروری اصول عدالت یہ ہے کہ فیصلہ علانیہ عدالتوں میں کیا جائے تاکہ عوام الناس فیصلہ اور جرم کا تعلق خود دیکھ سکیں۔ البتہ ایسے مقدمات جو عوام کے اخلاق پر برا اثر ڈالیں خفیہ عدالتوں میں کئے جا سکتے ہیں۔ خفیہ عدالتی کارروائی پر ہمیشہ عوام الناس مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا اس کا علانیہ عدالتوں میں ہونا ضروری ہے۔

ملک کی اخلاقی اور سیاسی ترقی کے لئے قاضیوں (ججوں) کا آزاد اور اہل علم ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور ان عہدہ داروں کے تقرر میں سلطنت کو نہایت باریک بینی اور غور و فکر سے کام لینا چاہیئے۔ اور تجربہ کار قابل اور دیانتدار اصحاب کو تلاش کرنا چاہیئے۔

ان باتوں کے علاوہ اس امر کی ضرورت ہے کہ قانون سے ہر شخص مساوی طور پر آسانی سے فائدہ اُٹھا سکے اور جہاں تک ممکن ہو سلطنت کا فرض ہے کہ مقدمات میں رعایا کا زیادہ روپیہ نہ خرچ ہونے دے۔ یہ عیب انگریزی نظام قانون میں اور ملکوں کی نسبت زیادہ ہے اور ایسی صورت میں جہاں ہر شخص بار مقدمہ نہ اُٹھا سکے انصاف صحیح طریقہ پر نہیں ہو سکتا۔

انتظام مالیات

انتظام حکومت میں تیسرا غور طلب امر یہ ہے کہ مالیات کا باقاعدہ انتظام کیا جائے۔ اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سلطنت انفرادی دولت بڑھانے کا آلہ ہے

مگر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جب تک سلطنت کی مالی حالت درست نہ ہو گی وہ کسی صورت سے ملی ترقی میں مدد نہ دے سکے گی رسوم (ٹیکس) اکثر بہت بری نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور بعض اوقات رسوم کی زیادتی ضرور تکلیف دہ ہوتی ہے۔ لیکن سلطنت کی مالی حالت صرف ٹکس (یا مالگزاری) اور ملی قرض پر منحصر ہے

سلطنت کی ذاتی ملکیت

زمانہ قدیم میں بادشاہوں کے پاس کافی ذاتی ملکیت رہتی تھی جس سے وہ سلطنت کے مالیات میں مدد دیتے تھے اور رعایا پر رسوم کا بار نہ پڑتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں سلطنت کی ذاتی ملکیت ریلوے کان۔ جنگلات۔ تار ڈاکخانہ اور ٹکسال وغیرہ کی صورت میں ہے ان چیزوں پر حکومت کا براہ راست قبضہ ہوتا ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ انفرادی کوشش ایسی چیزوں کو استقلال اور عمدہ طریقے سے محفوظ نہیں رکھ سکتی

رسوم

رسوم اور مالگزاری کے بغیر سلطنت کی عظمت اور شان قائم نہیں رہ سکتی اور نہ وہ کوئی کام بغیر روپیہ حاصل کئے ہوئے انجام دے سکتی ہے اس لئے رسوم کی سخت ضرورت ہے۔ سلطنت کا اس شعبہ کے متعلق یہ کام ہے کہ وہ حتی الامکان رسوم اس طرح وصول کرے کہ ملت پر بار گراں نہ پڑے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ ان لوگوں جو سلطنت سے زیادہ فائدہ حاصل کرتے ہیں زیادہ رسوم دینے چاہئیں اور وہ لوگ جو کم فائدہ حاصل کرتے ہیں اُنپر اتنا بار نہ پڑنا چاہئے تو یہ سخت غلطی ہو گی۔ مثلاً اگر فقیر اور مفلس باشندوں سے زیادہ روپیہ اس وجہ سے وصول کیا جائے کہ اُن کی زندگی کا دارومدار سلطنت پر ہوتا ہے اور سلطنت اُن کا لباس اور خوراک (خیرات کے قانون کے ذریعہ سے) مہیا کرتی ہے تو یہ دلیل

غیر منصفانہ ہے اسی طرح وہ تاجر جو اپنے سرمایہ سے ممالک غیر سے تجارت کرتے ہیں اُن پر کم رسوم عائد کیجائیں تو یہ بھی غلطی ہو گی حقیقت یہ ہے کہ سلطنت اپنے قانون اور اس کے ذریعے جو فائدہ اور عزت اپنے باشندوں کو پہنچاتی ہے اُس کا بدل اس طرح نہیں ہو سکتا ہر شخص کا فرض ہے کہ حتی الامکان سلطنت کی روپیہ سے مدد کرکے اُسکی عظمت کو بڑہائے۔ جو آخرکار اپنا اچھا اثر افراد ملت پر ڈالیگا۔

رسوم بالواسطہ اور بلاواسطہ

رسوم کی دو قسمیں ہیں یعنی رسوم بلا واسطہ اور رسوم بالواسطہ اول الذکر (یعنی رسوم بلاواسطہ) کا مقرر کرنا زیادہ دقت طلب ہے۔ اور ان کے وصول کرنے میں بھی اکثر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے مثلاً زمین کی مالگذاری کے تقرر میں معیار سے زیادہ اور کہیں کم رقم لیجا سکتی ہے۔ مگر اس قسم کی رسوم کا مقرر کرنا سلطنت کے لئے ضروری ہے زمانہ جنگ یا کسی ملکی کشمکش کے وقت ایسی رسوم میں اضافہ کر دینا بھی ضروری ہوتا ہے اور اکثر باشندوں کو یہ ناگوار بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات فسادات بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے جب اہل ہنود پر جزیہ عائد کیا تو سخت برہمی پھیل گئی تھی۔ حالانکہ وہ بخلاف مسلمانوں کے جبریہ فوجی خدمت سے الگ کردئے گئے تھے لیکن اورنگ زیب اپنی سلطنت کی عظمت اور مختلف جنگوں کے اخراجات کے لئے اس جزیہ کا جاری کرنا ضروری سمجھا۔

رسوم بالواسطہ کے وصول کرنے میں سلطنت کو زیادہ مشکلیں پیش نہیں آتیں۔ اور یہ زیادہ مستحسن طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ رسوم زیادہ تر ضروریات زندگی کے علاوہ فروعی اشیاء اور سامان عیش و آرام پر لگایا جاتا ہے۔ اس طرح غربا پر اسکا

بہت کم اثر پڑتا ہے۔

ملی قرض اسی سلسلہ میں ملی قرض بھی آجاتا ہے۔ معاشیات کا مسلمہ ہے کہ جو سلطنت زیادہ قرض لینے کی اہلیت رکھتی ہے وہ بہتر اور معزز سلطنت ہے ملی قرض سے سلطنت بجائے نقصان کے فائدہ ہوتا ہے اور ملی دولت میں ترقی ہوتی ہے۔ اس قسم کے کل قرض افراد ملت کے سرمایہ کو ایک جگہ جمع کرنیکا باعث ہوتے ہیں اور اس روپیہ کے محفوظ ہونے کے علاوہ اس کا استعمال بھی بہتر اور یقینی منافعہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس لئے قرضہ ملی نہایت عمدہ چیز ہے۔

قرضہ جنگ جنگ کے زمانہ میں براہ راست رسوم عائد کرنیکی بجائے قرضہ جنگ لینا سلطنت کے لئے بہت مفید ہوتا ہے۔ سلطنت کے باشندوں میں اکثر سرمایہ دار ایسے ہوتے ہیں جو اپنے روپیہ کو کسی کاروبار میں لگانا چاہتے ہیں اس لئے سلطنت کا کسی نہ کسی طرح سے قرض لینا اپنے ملی سرمایہ کو باہر جانے سے روک دیتا ہے۔ نہ صرف ایسے قرضوں سے سلطنت کو استواری حاصل ہوتی ہے بلکہ افراد ملت میں یگانگت اور اتحاد اور ایثار بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

حکومت عملی

انتظام حکومت کے متعلق عملی حکومت میں وہ سب باتیں داخل ہیں جن سے سلطنت کی سلامتی امن عامہ اور تعلیم میں ترقی ہوتی ہے سلطنت کی اجتماعی بنیاد امن عامہ اور ملی تعلیم پر ہے

پولیس امن عامہ کے قائم رکھنے اور سلامتی جان و مال کے لئے ہر ترقی یافتہ

سلطنت میں کسی ایسے محکمہ کا ہونا ضروری ہے جو پولیس کی خدمات انجام دے یہ محکمہ سلطنت میں نقص امن اور جرائم کو روکنے کے لئے ہوتا ہے۔ اور اسکے ایسے عناصر کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو رعایا کے جان و مال کو نقصان پہنچاتے ہوں۔ یا سلطنت کے قوانین کو ذاتی مفاد کے لئے توڑتے ہوں

ملکی ملازمتیں | زمانہ گذشتہ میں سول سروس یا اعلیٰ ملکی ملازمتوں پر زیادہ تر وہی لوگ نامزد ہوتے تھے۔ جو خاندانی حیثیت سے طبقۂ اعلیٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عالی خاندان ہونا اُن کی تعلیم و تربیت اور عمدہ اخلاق کی دلیل تھی۔ موجودہ زمانہ میں ملازمین ملکی کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ امتحان مقابلہ میں بھی کامیاب ہونا ضروری ہے اور اکثر ایسے اشخاص نامزد کئے جاتے ہیں جو مدنی حیثیت سے اعلیٰ زندگی بسر کرتے ہوں

حکومت مقامی | حکومت مقامی سے وہ حکومت مراد ہے جس میں کسی خاص شہر یا علاقہ کے باشندے اپنے حفظان صحت تعلیم۔ سڑکوں اور ایسی چیزوں کا انتظام کرتے ہیں جو زیادہ تر اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اس انتظام میں تقریباً ہر ایک باشندہ حصہ لیتا ہے اور اس لئے ہر ایک شخص حکومت کی دشواریوں کو سمجھنے اور ذاتی ذمہ داری کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ گویا یہ سلطنت کے ذمہ دار افسران کی تعلیم گاہ ہوتی ہے

تعلیم | ہر ایک سلطنت کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا میں عام تعلیم جاری کرے۔ اور جہانتک ممکن ہو۔ افراد ملت کی دماغی ترقی کا کافی سامان بہم پہنچائے اور تعلیم اتنی ارزاں ہو کہ غریب سے غریب انسان بھی اپنی اولاد کو اس سے نہ

محروم رکھ سکے تعلیم کے مختلف شعبہ ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ تعلیم جو اکثر شہنشا ہیتوں کی مفتوحہ اقوام میں رائج ہے صرف اُن کے دفاتر کے ادنیٰ منشی مہیا کرتی ہے۔ لہذا حقیقی تعلیم ہمیشہ وہی ہوگی جو سلطنت کے اثر سے علیحدہ ہو۔ یعنی سلطنت کی وقتی حکمت عملی کی پابندی میں نصاب و نظام تعلیم نہ ہو۔ بلکہ حتی الامکان آزاد ملی مدارس کے ذریعے ایسی تعلیم دی جائے۔ جو طالبان علم کو تھوڑے سے عرصہ میں زیادہ مکمل بنا سکے اور اُن کو عملی زندگی میں آزادی سے حصہ لینے کے قابل بنانے کے علاوہ اُن کی انفرادی فطرت کی مطابقت سے اُسکو درجہ تکمیل تک پہنچا دے۔

مقالہ سوم سلطنت کا تعلق بین الدول

اتحاد ملل زمانہ قدیم میں ایک قوم دوسری قوم سے اتنی وابستہ نہیں تھی جتنی کہ موجودہ زمانہ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں نہ ایسی سڑکیں تھیں نہ سامان رسل و رسائل کی اتنی فراوانی تھی۔ راستے اکثر مخدوش تھے اور دریائی راستے زیادہ تر خطرناک تھے۔ دخانی مشینوں کی ایجاد نے اتحاد ملل میں بہت زیادہ مدد دی۔ اس کے علاوہ قدیم رشتہ اخوت و اتحاد یعنی مذہب ابتک اپنا کام کر رہا ہے اور ایک ملک کے باشندے دوسرے ممالک کے ہم مذہب باشندوں سے ہمیشہ وابستہ رہے ہیں اور اب بھی ہیں زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اب نہ صرف ایک ملک کی مختلف قومیں ایک دوسرے سے متحد ہو گئی ہیں بلکہ یہ اتحاد وسیع ہو رہا ہے۔ ایشیا۔ افریقہ۔ یورپ اور امریکہ کی کل سلطنتیں آپس میں متحد ہو رہی ہیں۔ اور تجارت و سائنس کی ترقی کل دنیا کے اتحاد کو زیادہ مضبوط بنیاد پر قائم کر رہی ہے۔

زمانہ قدیم میں اول تو سڑکوں وغیرہ کی کمی سے اتنا اتحاد عظیم ہوا اور ایک سلطنت اپنے قریب کی سلطنت کو غرور و قوت کے لحاظ سے کم درجہ کا سمجھتی تھی۔ اور نہ تو اُس کے متعلق معلومات حاصل کرنیکی

کوشش کیجاتی تھی اور نہ قرب و جوار کی کمزور سلطنتیں بغیر باجگزاری اور ماتحتی کے قائم رہ سکتی تھیں۔ اس طرح گویا یہ معمول تھا کہ ایک سلطنت بجائے محبت و اتحاد قائم کرنیکے ہمیشہ اپنی ہمسایہ سلطنت سے جنگ کے لئے تیار رہتی تھی۔

قانون بین الدول | مغربی تہذیب تمدن کے اثر سے اب وہ اخلاقی تعلق جو ایک ملت کو دوسری ملت سے زمانہ قدیم میں تھا بہت کچھ کم ہو رہا ہے اس میں شک نہیں کہ ایک سلطنت دوسری سلطنت کو گذشتہ زمانہ میں اپنا رقیب دشمن سمجھتی تھی۔ مگر یہ بات مشرقی اقوام میں ابتک موجود ہے کہ بہادر دشمن اور کمزور ہمسایہ سلطنت کو احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سفیر یا قاصد اگر کسی شاہی دربار میں نازیبا گفتگو کر بیٹھتا تھا۔ تو یہ قانون ہمیشہ مانا جاتا کہ اُس کی جان و عزت محفوظ رکھی جاتی تھی۔ اور اسی طرح صلحناموں اور اپنے اقوال کی پابندی کا نہایت شرافت سے لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اب صلحناموں کی وقعت ردی کاغذ کے ٹکڑے کے برابر بھی نہیں سمجھی جاتی۔ اور موقع ملنے پر بلا وجہ حرص و آز کی قینچی کمزور ممالک پر چلنے لگتی ہے۔ یونانیوں نے زمانہ قدیم میں اس مسئلہ کو بہتر طریقہ سے سمجھا تھا اور صلحنامہ کسی خاص وقت تک کے لئے کیا جاتا تھا اور زمانہ صلح کے ختم ہوتے ہی صلح پر دوبارہ غور کیا جاتا تھا

توازن قوت | بہرحال موجودہ زمانہ میں امن عالم کے لئے مختلف سلطنتوں میں توازن قوت ہونے کے بغیر قانون بین الملل مکمل نہیں ہو سکتا۔ ایک سلطنت دوسری سلطنت سے شریفانہ برتاؤ جب ہی کر سکتی ہے جب اُسے یہ اُمید ہو کہ ایسا ہی سلوک اُس سے بھی کیا جائیگا۔ اور ایسا معاملہ مغربی تہذیب اور مادی اصولوں

کی روحانی بنیاد کے قائم ہونے کے بعد ہونا ممکن ہے۔ یورپ اپنے آپکو عیسائی مذہب کا پیرو سمجھتا ہے۔ مگر اس مذہب کو اپنی سیاسی چالبازیوں کے چھپانے اور دنیا کی غیر عیسائی آبادی کو غیر مہذب کے نام سے موسوم کرکے صلیبی جنگ کرنیکے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ دنیا میں ایشیا کی بیداری ایک نیا رنگ لانیوالی ہے اور افق عالم پر امن و مسرت کی دیوی کا نور مادیت سوز مشرق سے طلوع ہو چکا ہے۔

بہت ممکن ہے کہ ایک فیصلہ کن جنگ کے بعد قانون بین الملل مکمل ہو جائے اور سلطنتوں کی انفرادی آزادی۔ استقلالیہ۔ تجارت۔ علم و فن بہتر اور مضبوط بنیاد پر قائم ہو جائیں۔ جنگ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے کمزور طاقتور اور طاقتور کمزور ہو جاتی ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ مشرق و مغرب کے تصادم عظیم کے بعد ایک دوسرے کا خوف (اگر محبت نہیں) اس بات پر کل سلطنتوں کو اچھا ہمسایہ بنا دے۔

انجمن ملل جنگ یورپ کے بعد انجمن ملل قائم کی گئی۔ مگر اس انجمن نے ابتک سوائے نام نہاد انجمن ہونے کے اور کچھ نہیں کیا۔ لیکن اس کی ہستی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ زمانہ دور نہیں کہ انجمن ملل عالم قائم ہو جائے جو بحیثیت پولیس کے ملل عالم میں امن و امان قائم رکھنے اور سیاسی تعلقات قائم رکھنے میں مدد دے۔

اصطلاحات کا انگریزی ترجمہ

(الف)

Aristocracy.	الاشراف
Government by an Aristocracy	حکومت الاشراف
Socialism (Communism)	اشتراک اشتراکیت
Socialist	اشتراکی
Liberal	آزاد خیال (تساہل)
Liberalism	آزاد خیالی
Dominion	امارت۔ سیادت
Executive	اجرائی
Executive Government	حکومت اجرائیہ۔ قوت اجرائی
Mythology	اساطیر جاہلیہ + دیو مالائی
Sociology	اجتماعیات
Social	اجتماعی
Constitutional	آئینی
Sovereignty	استقلالیہ

Moral	اخلاق
Ethics	اخلاقیات
(ب)	
Municipal	بلدیہ
(ت)	
Statistics	تقویم احوال البلدان
Institutions	تنسیقات + اسطبات
(ج)	
Society	جماعت ـ سماج
Poll-tax	جزیہ
Republic, Democracy	جمہوریہ ـ جمہوریت
(ح)	
Oligarchy	حکومۃ الخواص
Right	حق
Rights of Nations	حقوق الملل
Executive Government	حکومت اجرائیہ
Administration.	حکومت (انتظام)
(خ)	
Patriachal.	خاندانی

Tax (as of land)	خراج
Private	خاص۔ خانگی۔ ذاتی۔
Objective, External, Physical	خارجی۔ طبعی

(د)

Subjective, Innate.	داخلی (اندرونی)

(ر)

President	رئیس الجمہوریہ۔ صدر جمہوریہ
Tax	رسم (جمع رسوم) چنگی۔

(س)

State	سلطنت ۔ ریاست ۔
Politics	سیاسیات
Law	سنت شریعت قانون

(ش)

Council	شوریٰ ۔ مجلس
Monarchical	شاہی۔ بادشاہی۔
Law	شرع۔ قانون
Imperialism	شہنشاہیت

(ص)

Quality	صفت۔ ماہیت۔ کیفیت

ظ

Physical — طبعی

(ع)

Public — عامہ۔ عوام

General — عام

(ف)

Law — فقہ (قانون)

Lawyer — فقیہ۔ وکیل

(ق)

People — قوم

An Ordinance law, Law in General — عام قانون۔ ذریعہ

Criminal Laws — قانون جزائیہ (تعزیراتی) فوجداری

Martial Laws — قوانین الحرب۔ مارشل لا (عسکری قوانین)

Divine Law — احکام (قوانین) الہیہ۔

Lawful — قانونی۔ شرعی۔

Priest — قس۔ کاہن۔ پجاری۔

Conservatism — قدامت پرستی۔

Judge — قاضی

(ک)

Quantity — کمیت ـ مقدار

(م)

Derived — مشتق ـ ماخوذ
Economics — معاشیات
Economical — معاشی
Magi — مجوس ـ آتش پرست
Nation — ملت ـ قوم
Legislative Assembly — مجلس القوانین ـ مجلس قانون ساز
Feudal — مقاطعی جاگیری ـ جاگیردارانہ
Finance — مالیات

(ن)

Constitution — نظام ـ آئین ـ
Constitutional — نظامی ـ قانونی ـ آئینی
Institutions — نظامات تنظیمات ـ منظمات ـ ادارے ـ
Municipal Laws — نظامات بلدیہ ـ شہری قوانین
Prohibitive Laws — نظامات زاجرہ ـ ممنوعہ ـ
Theory — نظریہ
Colony — نو آبادی ـ مستعمرہ ـ

Special Law	نظام (قاعده) مخصوصه - مخصوص نظام
Psychology	نفسیات علم النفس

(و)

Representative, Delegate	وکیل. مندوب. (نمائنده)
Council of Ministers.	مجمع وکلاء - مجلس وزراء

تفصیل کتب

یعنی وہ کتابیں جن سے کہ کتاب ہذا کی ترتیب میں امداد لی گئی

علم سیاسیات - مصنف آموس (انگلستان)

اس کتاب میں مختصر طریقے سے اس علم کا بیان ہے۔

تاریخ انسان - Story of Man از جے ڈبلیو بوٹل (فلاڈلفیا امریکہ) اس کتاب میں ابتدائے عالم سے اسوقت تک کے کل وحشی اقوام کی تاریخ ہے اور ان کے تمدن وسیاست کا نہایت مفصل ذکر ہے۔

تاریخ تمدن (تشریح) - [illegible] از [illegible]

تاریخ ہند - و آئین اکبری وغیرہ -

سیاسیات - [illegible] ارسطو (انگریزی ترجمہ)

عام نظریہ سلطنت General Theory of State از بلنٹشلی یہ کتاب علم سیاسیات پر نہایت [illegible] تشریح کرتی ہے جو اہل جرمنی [illegible]

سیاسیات - از ٹریشکے Politics by Treitschke

یہ کتاب تقریباً بلنٹشلی کی تصنیف کے [illegible] ہے۔

سیاست نامہ - از نظام الملک طوسی - اصل فارسی میں ہے اور اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے - ایشیاٹک سوسائٹی نے اپنے رسالہ میں

اس کتاب کے اقتباسات شائع کئے ہیں۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور خصوصاً سلطنت کے نصب العین کے متعلق کافی معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

۹۔ نفائس الفنون۔ یہ ایک قلمی کتاب ہے جو امپیریل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے یہ تقریباً کل علوم کا کشکول ہے۔ سیاست کے متعلق بھی ایک باب اس میں موجود ہے شاہی سلطنت سے زیادہ متعلق ہے۔

۱۰۔ علوم اجتماعی۔ از جان سٹوارٹ مل (انگلستان)

۱۱۔ معلم السیاسة (اردو ترجمہ حکومت جمہوری۔ از جے۔ اس مل) نولکشور پریس۔ اس کتاب میں نہایت تفصیل سے آئینی جمہوریت پر بحث کی گئی ہے۔

۱۲۔ شہنشاہیت۔ از پروفیسر پانیکار (مدراس) نہایت واضح کتاب ہے۔

۱۳۔ تاج مذہب ہنود۔ از فارکوہار (لندن) مذہب ہنود اور مسلہ ذات پر کافی بحث موجود ہے۔

۱۴۔ اتحاد اسلامی۔ از مولانا ابو الکلام آزاد (دار الاشاعت میرٹھ)

۱۵۔ اشتراک قدیم و جدید۔ از ڈبلو گراہم (لندن)

۱۶۔ تمدن عرب۔ از مولانا بلگرامی۔

۱۷۔ جاپان قدیم و جدید۔ ہندوستانی پریس لاہور

۱۸۔ تقادیر لینن درمسئلہ اراضی۔ از انڈیپنڈنٹ لیبر پارٹی (لندن)

مشرقی مصنفین کی چند کتابیں جو سیاسیات پر روشنی ڈالتی ہیں درج ذیل ہیں

نمبر	نام کتاب	کیفیت
١	دستور حکمرانی (اردو)	آج سے پانچہزار سال پہلے - مہابھارت کے زمانہ میں مشہور مدبر و جرنیل بھیشم پتامہ نے جن سیاسی نکات کی تلقین کی تھی وہ قابل دید ہیں - مہابھارت سے اخذ کرکے مانک راؤ وٹھل راؤ صاحب نے سلیس اُردو میں حیدرآباد سے شائع کیا ہے - فرمانروا کی ضرورت - راجہ دھرم - وزراکی صفات - اور سلطنت کی حفاظت کے متعلق اسمین کافی نصیحتیں ہیں - دانشمندوں سے مشورہ اور تمام ذی روح مخلوقات کی حفاظت کرنا شاستر کا حکم بتایا ہے
٢	نارد نیتی	مندرجہ بالا کتاب کے اخیر میں نارد جی مہاراج کے وہ سوال و جواب درج ہیں جنکے پیرایہ میں انہوں نے علم سیاسیات کو سمجھایا ہے -
٣	منوسمرتی - آئین حکمرانی و آئین سیاست	ہندوؤں کے تقریباً کل قوانین منو کے مرتب کردہ ہیں - یہ مسیح سے ایکہزار سال قبل گزرے ہیں - انہوں نے ہندو سیاسیات پر کافی روشنی ڈالی ہے -
٤	التبر المنسبک فی تدبیر الملک	ایشیا میں اسلام کے ساتھ ساتھ جمہوریت کا بھی آغاز ہوا - خلفا کے زمانہ کی تاریخ کے علاوہ عربی کی دیگر کتب بھی نہایت دلچسپ ہیں - یہ کتاب ابوالحسن علی بن الاہوازی کی تالیف ہے - اسمین عقل - مشورہ - عدل - شکر - اخلاق ملوک - رعیت - زراعت وغیرہ پر عمدہ بحث ہے -
٥	المنہج المسلوک فی سیاستہ الملوک	مؤلف شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ جیشی مصری کے فاضل اجل تھے - یہ کتاب ملک ناصر صلاح الدین یوسف کیلئے لکھی گئی تھی - اسکے بیس ابواب ہیں - قواعد ادب - فضل مشورہ - اوصاف اہل مشورہ - اور معرفت اصول سیاست قابل دید ہیں -
٦	الاحکام السلطانیہ	مؤلف ابوالحسن علی بن محمد (المتوفی ٤٥٠ھ) اسمین امامت - وزارت

قانون جنگ - اور انتظام ممالک وغیرہ کا تذکرہ ہے -
۷- کتاب الواسطۃ السلوک فی سیاسۃ الملوک - موسی بن یوسف کی تصنیف ہے جسمین اوصاف فرمانروائی اور فراست وغیرہ کا ذکر ہے -
۸- سراج الملوک - ایک ضخیم کتاب بوبکر طرطوشی کی تصنیف ہے - اسمین سلطانکو نصیحت کے علاوہ خراج بیت المال - شوریٰ - عدل اور اخلاق کی جملہ صفات کا بیان ہے -
۹- سلوک المالک فی تدبیر الممالک - احمد بن محمد بن ابی الربیع نے خلیفہ معتصم باللہ عباسی کیواسطے تصنیف کی تھی - اسکی چوتھی فصل سیاست پر مشتمل ہے جسمین ارکان مملکت چار بتلائے گئے ہین یعنی (۱) بادشاہ (۲) رعیت (۳) عدل - (۴) تدبیر اور پھر ان سب کی صفات کا مفصل تجزیہ ہی جو قابل دید ہے -
۱۰- اقوم المسالک فی معرفۃ احوال الممالک - مصنفہ سید خیر الدین وزیر سلطنت تونس (افریقہ) اسکا اردو ترجمہ ۱۲۹۰ھ مین ہوا - اور سررشتہ نے شائع کیا - اسمین اس زمانہ کی کل سلطنتوں کی تاریخ اور سیاست خصوصی سے مجمل بحث ہے - اسکے علاوہ باقی دنیا کے جغرافیہ کا خاکہ بھی ہے -
۱۱- کلیلہ دمنہ - سیاست نامہ کے علاوہ مدبرین مشرق مین کلیلہ دمنہ کا خاص رواج ہے - اردو مین اسکا ترجمہ گلستان الحکمت کے نام سے ہوگیا ہے - اصل کتاب بیدپا برہمن نے ایک ہندی راجہ کیلئے سنسکرت مین لکھی تھی - اسمین سیاست - رعیت - بسط عدل و راحت ترتیب تقویت اولیائے دولت نظم و نسق و اداب مملکت درج ہین - نوشیروان عادل نے اسکا ترجمہ پہلوی زبان مین کرایا تھا اس کتاب کی مشرق مین بہت زیادہ قدر ہوئی اور متعدد ترجمے ہوئے - رودکی نے اسے نظم کیا - اور ہندوستان مین آکر عیار دانش کے نام سے شائع ہوئی جو ابوالفضل کا ترجمہ ہے - اسکے علاوہ یورپ کی مختلف زبانون مین اس کے ترجمے ہو چکے ہین -

8 2 4